کپتان واحد بخش سیال

صوفی فاؤنڈیشن

لاہور

بسم الله الرحمن الرحيم
فَظَلَّ وَحِيداً والمُشُوقُ وحِيدُ
تَفَرَّدَ بِاللهِ فَرِيدُ فَرِيدُ

از صد سخن پیرم یک نکته مرا یاد است
عالم نشود ویران تا میکده آباد است

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

مقامِ گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ

معارف و حقائق اور تاریخی واقعات کا حسین مرقع

تالیف

کپتان واحد بخش سیال

صُوفی فاؤنڈیشن

لاہور

نام کتاب : مقامِ گنجشکر

ناشر : صوفی فاؤنڈیشن

۷، داتا دربار روڈ لاہور۔

طابع : ایورگرین پریس

۴ چیمبرلین روڈ لاہور

اشاعتِ سوم : ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء

قیمت : تیس روپے

سرورق بشکریہ صاحبزادہ فیض فرید صاحب

پاکپتن شریف

"احمد چمن چار یار حاجی خواجہ قطب فرید"

بابا فریدؒ

کے اُن پروانوں کے نام

جو

ہر سال لاکھوں کی تعداد میں

فریدؒ فریدؒ کے نعرے لگا کر

بہشتی دروازے سے گذرتے ہیں

در منقبت شہیدِ عشق حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی

قدس سرہٗ العزیز

شہیدِ عشق مولائے قتیلِ حبِ رحمانے   جنابِ خواجہ قطب الدین امامِ دین و ایمانے

امامِ عاشقانِ دردمند و طالبانِ حق   امامِ بسملان و بیدلان و سوختہ جانے

امامِ عارفان و واصلان و اولیاء اللہ   امامِ مقبلان و مقربانِ پاک جانانے

زتیغِ لا فنا فی اللہ ز الا اللہ بقا باللہ   چہ خوش خوش جان بجان پرور سپرد آں مرد رحمانے

دلش اخگر، تنش اخگر، جگر اخگر بعشقِ حق   بخاک و خون غلطیدہ بلرزانید دورانے

بملکِ عشق و مستی انقلابے کرد برپائے   جہانے را خرد گم شد ہمہ عالم چہ حیرانے

زمیں جنبد فلک جنبد بجنبد ایں ہمہ عالم   چوں قطبِ جہاں قصد سپارد جانِ جانانے

بنازد حسن و شیدائی بنازد حسن و زیبائی   بایں شیرے جواں مردے کہ باشد فخرِ انسانے

طفیلِ خواجہ قطب الدین معین الدین فرید الدین   الٰہی احدِ خود را نواز از لطف و احسانے

فرید الدین مہِ اکمل ترا باشد درخشندہ   الٰہی تا ابد جاری بود دریائے فیضانے

سگِ درباں کمینہ بے نوا احد خاں خواہد

از مؤلف!   کہ باشد چترِ رحمت بر سرش تا دورِ دورانے

در منقبت حریقِ عشق شیخ الاسلام گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ

فرید الحق فریدالدین ولی اللہ شہنشاہ ہے
حبیب اللہ صفی اللہ خلیل اللہ نبی جاہ ہے ۔

سلاطیں خاک بوسِ خاکروبِ خاکسارانش
مشائخ خاکِ پا و خاکِ راہ و خاکِ درگاہ ہے ۔

جنابِ قطبِ عالم، رکنِ عالم، غوثِ دورانے
فقیرے دستگیرے دیں پناہ مشعل راہ ہے ۔

کرم کوش و کرم گستر، کرم پرور سخی سرور
جہاندارے، جہاں بانے، جہاں پرور شہنشاہ ہے ۔

بہ اقلیمِ ولایت آفتابِ فیضِ عالم مشعل روشن
بہ ملکِ حسن و خوبی شاہِ خوباں ظلِ شہنشاہ ہے ۔

بہ ملکِ فقر و عرفاں شہسوارے کامل و اکمل
بہ ملکِ زہد و طاعت بے مثال و انبیا جاہ ہے ۔

فنا فی اللہ بقا باللہ سمیع اللہ، بصیر اللہ
خدا بینے، خدا دانے خدا جوئے خدا خواہ ہے ۔

طبیبِ قلبِ بیماراں حکیمِ راز دارِ کل !
حبیبِ دلنوازے دلپذیرے کجکلاہ ہے ۔

ہمیں واحد کمینہ سگ غلامے را فقیرے را
نوازش کن شکر گنجے شکر بارے شکر شاہ ہے ۔

شکر بے شکر دہنے، شکر سخنے شکر گلے
شکر نامے شکر ریزے شکر بیزے شکرگاہ ہے ۔

شکر خیزے شکر دانے شکر کانے شکر کوہے
شکر گوئے شکر جوئے شکر خوارے شکر خواہ ہے ۔

از مولف کتاب

مثنوی مولانا رومؒ

یک زمانے صحبت با اولیاءؔ — بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اولیا را ہست قدرت از الٰہ — تیر جستہ باز گرداند ز راہ

فیضِ حق اندر کمالِ اولیا — نورِ حق اندر جمالِ اولیا

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا — او نشیند در حضورِ اولیاءؔ

چوں شوی دور از حضورِ اولیا — در حقیقت گشتہ دور از خدا

پیرِ کامل صورتِ ظلِ الٰہ — یعنی دیدِ پیر دیدِ کبریا

ہر کہ پیر و ذاتِ حق را یک ندید — نے مرید نے مرید و نے مرید

مولوی ہرگز نہ شد مولائے رومؒ
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

فہرست

دوسرا باب

شیخ الاسلام گنجشکرؒ کا سلسلۂ نسب حالات زندگی

تیسرا باب !

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

پیش لفظ

(طبع اول)

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ آج "صوفی فاؤنڈیشن" .... قارئین کرام کی خدمت میں سال کی بہترین کتاب اور نادر تحفہ یعنی "مقام گنج شکر" پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہی ہے ۔ جو حضرت خواجہ بحر و بر شیخ الاسلام فریدالدین گنج شکر قدس سرہٗ کے تاریخی حالات پر مشتمل ہے ۔ اور معتبر کتب تصوف مثل ۔ سیر الاولیاء ، فوائد الفواد ، سیر العارفین خیر المجالس ، جوامع الکلم ، مراۃ الاسرار اور اقتباس الانوار سے حاصل کردہ صحیح ، تاریخی حالات کی جامع ہے اور انکی روایات میں نہ کسی قسم کا شک ہے نہ شبہ ۔ نہ مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہے نہ خوش فہمی سے ۔ لیکن آداب مشائخین اور عقیدت مندی کو ترک نہیں کیا گیا ۔ اور مشائخ سلف کے انداز میں تمام واقعات پیش کئے گئے ہیں ۔

اس کتاب کے مؤلف حضرت قبلہ کپتان واحد بخش سیال چشتی ، صابری مدظلہ العالی ہیں ۔ جو فوجی ملازمت کے بعد مغربی پاکستان سیکرٹری ایٹ میں ممتاز عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں آپ نے بارہ سال اپنے شیخ حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہ صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں رہ کر عملی تصوف کو اپنایا ہے ۔ آپ اپنے پیر و مرشد کی طرف سے صاحب مجاز ہیں ۔ اور طالبان راہ حقیقت کی رہنمائی کرنے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوب نوازا ہے ۔

آپ نے حضرت شیخ رح کے ملفوظات بھی جمع کئے ہیں جو "تربیت العشاق" کے نام سے محفل ذوقیہ کراچی کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں ۔ اس کے علاوہ آپ نے حضرت شیخ کے حج کے حالات اور ارکان حج کے باطنی اسرار و رموز پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام "حج ذوقی" ہے ۔ آپ نے ایک اور کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام "مشاہدۂ حق" ہے ۔ اس کتاب میں

سلوک الی اللہ کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۔ نیز اس کتاب کا ایک باب ان اعتراضات کے جواب میں ہے جو یورپ کے غیر مسلم مصنفین اور غیر معتقدین نے اہل اللہ کے مشرب پر کئے ہیں ۔

علاوہ ازیں آپ نے کتاب " مرآۃ الاسرار[۱] " اقتباس الانوار " مکتوبات قدوسیہ " مقابیس المجالس " (مصنفہ حضرت خواجہ غلام فرید رح) اور دیگر کتب فارسی کے اردو تراجم بھی کئے ہیں ۔ جو کتابت و طباعت کے مراحل طے کر رہے ہیں ۔ آپ نے انگریزی زبان میں بھی ایک کتاب لکھی ہے ۔ جس کا نام " کامن ویلتھ آف سسٹیز[۲] " ہے ۔ یہ کتاب عنقریب منظر عام پر آنے والی ہے ۔ علاوہ ازیں آپ نے کئی مضامین تحریر کئے ہیں ۔ جو ملک کے مختلف رسائل و جرائد میں چھپ چکے ہیں ۔

اس وقت آپ غیر ممالک میں تصوف اور روحانیت اسلام کی تعلیم و تربیت کے لئے مراکز قائم کرنے کی جستجو میں ہیں ۔ اور نو مسلم حضرات کی تعلیم و تربیت کے لئے انگریزی میں کتابیں لکھ رہے ہیں ۔ اور بعض قدیم کتب تصوف کے انگریزی تراجم میں مصروف ہیں ۔ نیز نو مسلم حضرات کے لئے ایک خلوت خواہ قیام گاہ کے لئے بھی کوشاں ہیں ۔ دعا ہے کہ حق تعالےٰ آپ کی سعی جمیلہ میں برکت دے اور قرب و معرفت کی دولت سے اور بھی زیادہ سرفراز فرمائے اور اسلام اور مشرب اولیاء کرام کی نشر و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ثم آمین ۔ (ادارہ)

یا رب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازو

یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم

---

۱ ۔ ۲ ۔ اللہ کے فضل سے یہ کتابیں طبع ہو چکی ہیں ۔

مقدمہ

مشربِ اہل اللہ کی شاندار فتوحات

(ماضی و حال میں)

مغربی ممالک اور روس و چین میں تصوف کی کامیابی: ہم اہلِ طریقت کو ایک شاندار خوشخبری سناتے ہیں اور مبارکباد دیتے ہیں کہ جس طرح گزشتہ زمانے میں اولیاء کرام کی روحانی قوت سے دنیا میں اسلام پھیلا اسی طرح آجکل کے الحاد کے زمانے میں بھی تصوف کو مغربی ممالک بلکہ روس اور چین جیسے دہریہ ملکوں میں بھی شاندار کامیابی حاصل ہو رہی ہے اور لوگ اولیاء کرام کی کتابیں پڑھ کر دھڑا دھڑ مسلمان ہو رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اولیاء کرام کا مسلک ہی در اصل حقیقتِ اسلام ہے اور وہی مسلک ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا تھا یعنی وہی وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (جو لوگ ایماندار ہیں ان کو حق تعالےٰ سے شدید محبت ہے) کے بمصداق حق تعالےٰ سے

شدید محبت وہی آیۂ کریمہ وَهُوَ مَعَكُم أَيْنَمَا كُنتُمْ (اللہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم جاؤ) کے بمصداق حق تعالےٰ کی معیت کا شرف وہی آیۂ کریمہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ہم انسان سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) کے مطابق حق تعالےٰ سے قرب ووصال، وہی آیۂ کریمہ ایںما تولّوا فثمّ وجہ اللہ (جس طرف دیکھو اللہ ہی اللہ ہے) کے مطابق ہر ہر چیز میں حق تعالےٰ کے حسن وجمال کے مشاہدات اور وہی حدیث قدسی بِی يَسْمَعُ وَبِي يُبْصِرُ کے مطابق ذاتُ صفاتِ حق میں فنائیت کا شرف وہی حدیث اتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ اِنَّهٗ يَنظُرُ بِنُورِ اللہ (مومن کی باطنی بصیرت سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے یعنی تمہارے دل کی بات معلوم کر لیتا ہے) کے مطابق کشف وکرامات کی دولت، وہی حدیث تخلقوا باخلاق اللہ (اللہ کی صفات سے متصف ہو جاؤ) کے مطابق حق تعالےٰ کی طرف سے تصرفات اور کرامات کا طرّۂ امتیاز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو حاصل تھا اولیائے کرام کو بھی ہر زمانے میں حاصل رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلَا لَا اِيْمَانَ لَهٗ مَنْ لَا مَحَبَّةَ لَهٗ (سنو جس کے دل میں محبت نہیں ہے اسے ایمان بھی حاصل نہیں ہے) اور یہ کلمات آپؐ نے تین مرتبہ دہرائے۔ لہٰذا اسلام حق تعالےٰ کے ساتھ شدید محبت کا نام ہے۔ اور اس لحاظ سے اولیاء کرام کا مسلک جو عشق و محبت، ذوق وشوق اور ذاتِ حق میں محویت فدائیت اور جانبازی کا مسلک ہے عین اسلام، اور روح ایمان ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ زاہدِ خشک کے برعکس اولیائے کرام کو شاندار کامیابی ہوئی ہے اور ہو رہی ہے کیونکہ تخلیق کائنات کا باعث ہی عشق ہے حق تعالےٰ ایک حدیث قدسی میں فرماتے ہیں کہ كُنْتُ كَنْزًا مُخْفِيًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ (میں حسن وجمال اور کمالات کا مخفی خزانہ تھا مجھے اس بات کی محبت ہوئی کہ مجھ سے محبت کی جائے اور میرا عرفان حاصل کیا جائے اس لیے میں نے کائنات کو پیدا کیا) اس حدیث کے لفظ فَاَحْبَبْتُ سے ظاہر ہے کہ حق تعالےٰ نے عشق ومحبت کی وجہ سے کائنات کو پیدا فرمایا اور لفظ

اَنْ اُعْرَفُ سے ظاہر ہے کہ تخلیق کی غرض و غایت حصولِ قرب و معرفت الٰہی ہے اور اسی کا نام تصوف اور طریقت ہے بخلاف علمائے ظواہر کے مسلک کے جنہوں نے اسلام کی ظاہری رسومات یعنی صوم و صلوٰۃ پر اکتفا کر لیا ہے اور قرب و معرفت عشق و محبت، ذوق و شوق، سوز و گداز کو جو روح اسلام اور جانِ ایمان ہے خارج از بحث کر دیا ہے۔ اور تصوف کے خلاف یہ الزامات لگاتے ہیں کہ دوسرے مذاہب کی روحانیت کا مرہونِ منت ہے۔

لیکن اب اہل مغرب نے دونوں تعلیمات یعنی اسلامی روحانیت اور دیگر مذاہب کی روحانیت کا خود مقابلہ کر لیا ہے اور اسلامی روحانیت کی فوقیت کے قائل ہو کر دھڑا دھڑ مسلمان ہو رہے ہیں۔ سب سے زیادہ حضرت سید علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہٗ کی کتاب کشف المحجوب اور محی الدین ابن عربی اور امام غزالی وغیرہ حضرات صوفیاء کرام کی کتابیں پڑھ کر امریکہ و یورپ میں لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔ سال ۱۹۳۶ء میں کشف المحجوب کا انگریزی ترجمہ پڑھ کر انگلستان کے کچھ لوگ مسلمان ہوئے۔ ان میں سے ایک اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ دو حقیقی بھائی حضرت شاہ شہید اللہ فریدی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت فاروق احمدؒ تلاشِ شیخ میں ہندوستان آئے اور سارا ملک چھاننے کے بعد آخر حیدرآباد دکن میں حضرت مولانا سید محمد ذوقی شاہ چشتی قدس سرہ کے ہاتھ پر بیعت ہو کر اذکار و مشاغل روحانیہ میں مشغول ہو گئے اور سلوک تمام کر کے حضرت شہید اللہ فریدیؒ منصب خلافت سے نوازے گئے اور تقریباً پچیس سال مسندِ رشد و ہدایت پر متمکن ہو کر ہزاروں طالبان راہِ حق کے قلوب کو نورِ ہدایت سے منور کیا۔ اسی طرح مراکو کے ایک ولی اللہ حضرت شیخ محمد ابن حبیب شاذلیؒ کے روحانی تعلیمات سے متاثر ہو کر یورپ اور امریکہ کے کثیر تعداد لوگ مسلمان ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ محمد ابن حبیبؒ نے اپنے انگلستان کے ایک مرید کو جن کا اسم گرامی شیخ عبد القادر الصوفی ہے۔ خلافت بھی عطا فرمائی ہے اور اب امریکہ کے ایک سو پچاس سفید خاندان مشرف بہ اسلام ہو کر اپنے شیخ

حضرت شیخ عبد القادر الصوفی کے زیر ہدایت لندن کے قریب نارو چ میں سکونت پذیر ہو چکے ہیں۔ انہوں نے پچاس ایکڑ زمین خرید کر کے نارو چ میں ایک مسلم کالونی قائم کی ہے جس میں دینی مدرسہ اور مسجد کے علاوہ انہوں نے تصوف کی کتابوں کے انگریزی وغیرہ میں تراجم کرنے کے لیے ایک پریس بھی لگایا ہے جس کا نام دیوان پریس ہے۔ اس مطبع میں منصور ابن حلاج، امام غزالیؒ، حضرت ابن عربیؒ اور دیگر صوفیائے کرام کی کتابوں کے ترجمے شائع کر رہے ہیں۔

اسی طرح فرانس کے کچھ لوگ الجیریا کے ایک بزرگ حضرت شیخ سید احمد علویؒ کے مرید ہوتے ان میں سے ایک شخص شیخ عیسیٰ نے جن کا عیسائی نام شوآن تھا خلافت بھی حاصل کی۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہاں کراچی میں کوئی پندرہ بیس نو مسلم مختلف مغربی ممالک افریقہ اور آسٹریلیا وغیرہ سے آکر ظاہری تعلیم کے علاوہ حضرت شاہ شہید اللہ فریدیؒ کی خانقاہ میں سلوک بھی طے کر رہے ہیں۔ حال میں اٹلی کے دو نو مسلم میاں بیوی اجمیر شریف اور دہلی میں حضرت قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ اور کلیر شریف سے ہوتے ہوئے پاکپتن شریف پہنچے اور وہاں سے ایک اور نو مسلم انگریز محمد نعیم کے ساتھ بہاولپور آئے اور غریب خانہ پر کافی دن مقیم رہنے کے بعد کراچی چلے گئے۔ اسی طرح حضرت محمد ابن حبیب کے دو مریدہ بھی میاں بیوی تھے۔ گزشتہ جون میں غریب خانہ پر مقیم رہے۔ اس کے بعد ملتان، لاہور، پاکپتن شریف میں اولیاء کرام کے مزارات پر مقیم رہے۔ اور اب واپس وطن چلے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ بے شمار لوگ یورپ و امریکہ میں تصوف سے متاثر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے ہیں کہ اگر ان کی تفصیل بیان کی جائے تو ایک علیحدہ کتاب وجود میں آجائے گی۔

روس اور چین میں روحانیت اسلام کا شوق: اسی طرح روس اور چین جیسے دہریہ ملکوں میں بھی روحانیت اسلام کے شوق کی ایک لہر دوڑ چکی ہے اور ابھی نہیں سرکاری تجربہ گاہوں

میں سرکاری ڈاکٹر اور سائنسدان اب طاقتور کیمروں اور دوسری مشینوں کے ذریعے انسانی روح کے فوٹو لے رہے ہیں۔ اور انہوں نے روحانی قوت کے وہ کرشمے دیکھے ہیں کہ عقل دنگ ہے۔ اب وہ روحانی طاقت کے ذریعے وزنی چیزوں کو حرکت دے سکتے ہیں۔ بغیر آلات کے دور کی چیزیں دیکھ سکتے ہیں۔ دور کی آواز سُن سکتے ہیں اور ٹیلی پیتھی (TELEPATHY) کے ذریعے دُور دراز مقامات پر پیغام رسانی کر رہے ہیں۔ نیز روحانی قوت کے ذریعے اب وہ زمین سے دو تین انچ اوپر ہوا میں معلق ہونے کے قابل بھی ہو گئے ہیں لیکن یہ چیزیں تو حضرات صوفیاء کرام کے نزدیک نہایت ہی معمولی اور ابتدائی مراحل ہیں جن کی طرف یہ حضرات توجہ ہی نہیں کرتے اور نہ ان کو کوئی وقعت دیتے ہیں۔ اسی طرح چین میں بھی اسلامی روحانیت بدھ روحانیت اور عیسائی روحانیت پر ریسرچ کے مرکز قائم کیے جا چکے ہیں۔ اور کام جاری ہے۔

رُوح کی الیکٹرانکس: امریکہ کے ڈاکٹر البرٹ مون (ALBERT MOON) جو ایٹمی توانائی کے باپ مانے جاتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم نے آج تک جسمانی (PHYSICAL) الیکٹرانکس کے کرشمے دیکھے ہیں۔ لیکن اب ہمیں رُوحانی الیکٹرانکس پر کام کرنا چاہیے کیونکہ اس کے ذریعے انسانی قویٰ کو اس قدر بڑھایا جا سکتا ہے کہ آدمی ایک سیکنڈ میں دنیا کا چکر لگا سکتا ہے۔ ڈاکٹر مون تو مستقبل کی بات کر رہے ہیں لیکن ہمارے اولیاء کرام سے اس سے کئی صدیاں پہلے ان کرامات کا ظہور ہو چکا ہے اور طے الارض اور طے الزماں کی کرامات کی بدولت وہ ایک لمحہ میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کا وہ واقعہ تو سب کو یاد ہو گا کہ کس طرح آپ نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے اندر کھڑے ہوئے ایران میں نہاوند کے مقام پر لڑنے والی اسلامی فوج کے کمانڈر کو پہاڑ کے پیچھے سے حملہ آور ہونے کی خبر دی اور شکست سے بچا لیا۔

آسمان پر جانا: حضرت شیخ عبدالکریم جیلی اپنی کتاب انسان الکامل میں

لکھتے ہیں کہ میں پہلے آسمان، دوسرے، تیسرے، چوتھے اور پانچویں آسمان پر گیا اور انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کی اور ان سے سوال وجواب کا سلسلہ بھی ہوا۔ اس کتاب میں انہوں نے سورج، چاند، مشتری، مریخ وغیرہ کے زمین سے فاصلے بیان کیے ہیں۔ یہ فاصلے ان فاصلوں کے مطابق ہیں جو آج کل سائنس کی ایجادات سے علم نجوم کے ماہرین نے قائم کیے ہیں۔ نیز حضرت شیخ عبدالکریم جیلیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ زمین کا محیط پچیس ہزار میل ہے اور قطر آٹھ ہزار میل ہے۔ یہ پیمائش بھی آج کل کے اعداد و شمار کے مطابق ہے۔

فرانس کے ایک سائنسدان کا انکشاف:

فرانس کے ایک سائنسدان نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام (THE BIBLE THE QURAN AND SCIENCE) ہے اس کتاب میں انہوں نے لکھا ہے کہ قرآن میں جو تخلیقِ کائنات کی کیفیت بیان کی گئی ہے وہ سائنس کے انکشافات کے مطابق ہے لیکن تورات اور انجیل میں یہ بات نہیں ہے۔

ایک روسی سائنسدان کا انکشاف:

روس کے ایک سائنسدان پروفیسر لیونسکایا (LEVINSKAYA) نے جو فلاسفر اور مفکر بھی ہیں اپنی کتاب سائنٹیفک ریلیجن (SCIENTIFIC RELIGION) میں لکھا ہے کہ:

"مذہبی کتابوں میں سے صرف قرآن ہی ایسی کتاب ہے کہ جس میں مذہب اور سائنس میں یگانگت پائی جاتی ہے۔ قرآن عیسیٰؑ سے چھ سو سال بعد میں وجود میں آیا جس میں مندرجہ ذیل سائنس کی تمام شاخوں کا پتہ ملتا ہے۔

مافوق العادت (METAPHYSICAL SCIENCE)

نجوم (ASTRONOMY) فیزکس (PHYSICS)

بائی آلوجی (BIOLOGY) علم الارض (GEOLOGY)

گینی کالوجی (GYNECOLOGY) ایمبرلیئے آلوجی (EMBR YOLOGY)
پیلن ٹالوجی (PALEONTOLOGY) وغیرہ - وہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ :
"صرف قرآن ہی کے ذریعے ہم موجودہ دور کے اہم ترین سوال کا جواب
دے سکتے ہیں وہ سوال یہ ہے کہ اب سائنس کے ایجادات کو کس طرح
خالق کائنات کے قوانین کے تحت لایا جائے تاکہ موجودہ دور کے انتشار
اور بے چینی کا خاتمہ ہوسکے"۔
عہدِ حاضر کے ایک انگریز ادیب و مفکر ڈاکٹر آر بری کہتے ہیں کہ :
"پچھلی دو عظیم جنگوں سے بنی نوع انسان تنگ آ چکی ہے اور اب ہم
روحانیت کے طلب گار ہیں۔ ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ خالق کائنات کون
ہے۔ اس کی کیا ماہیت ہے اس تک کیسے رسائی حاصل ہو سکتی ہے
انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے۔ ان تمام سوالات کا جواب صوفیا کے
پاس موجود ہے اور اب اگر مسلم صوفیا، ہمارے ساتھ تعاون کریں تو ہم
یقیناً موجودہ زمانے کی تباہ کاریوں سے نجات حاصل کر سکتے ہیں"۔
مندرجہ بالا تفصیلات سے ظاہر ہے کہ اب دنیا اسلامی روحانیت کے لیے تڑپ
رہی ہے کیونکہ اب اسے مادیت اور لادینیت کا تلخ تجربہ ہو گیا ہے اور مادہ پرستی
اور لادینیت نے دنیا میں جو تباہی مچائی ہے اس سے دنیا تنگ آ چکی ہے اور سخت
ذہنی کوفت اور بے چینی میں مبتلا ہے اور بے چینی کیسے دور ہو سکتی ہے اس کا علاج
قرآن حکیم نے یہ بتایا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (اطمینان قلب تو
صرف اللہ کے ذکر میں ہے) اور اذکار و مشاغل پر جس خوبی سے اولیاء کرام اور مشائخ
عظام نے عمل کیا ہے اس سے بہتر طریقہ تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ کیونکہ اذکار و مشاغل
اور عبادات و ریاضات ہی کے ذریعے ان کو حق تعالےٰ کے قرب میں پہنچ کر وہ سکون
اطمینان، محویت اور استغراق نصیب ہوتا ہے کہ جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں
آسکتا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ قرب حق میں پہنچ کر ہمیں جو لذت محسوس ہوتی ہے

اگر بادشاہوں کو علم ہو جائے تو تلواریں لے کر ہمارے سروں پر آجائیں گے۔

چنانچہ "**مقام گنج شکر**" میں ہم ایک ایسے ولیٔ کامل، مکمل، اکمل کے حالات، تعلیمات اور بلند روحانی منازل و مقامات بیان کر رہے ہیں جن کی بدولت ہزاروں لاکھوں کفار دولتِ اسلام سے مشرف ہوئے اور سینکڑوں ہزاروں خوش نصیب حضرات ان کی تعلیمات اور روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہو کر واصل باللہ ہوئے اور اب بھی ان کی تعلیمات اور روحانی فیوض و برکات کی بدولت بنی نوع انسان عصرِ حاضر کے انتشار اور بدامنی سے نجات حاصل کر سکتی ہے اور وہ ہستی سلطان العارفین سید المجاہدین، عمدۃ الواصلین حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جنہوں نے اپنے شیخ قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ کے بعد خانوادۂ چشت اہلِ بہشت کی مسند پر بیٹھ کر برصغیر ہند و پاکستان میں رشد و ہدایت کا کام پورا کیا اور کفر و الحاد کی تاریکی کو نورِ باطن سے پاش پاش کر کے لوگوں کے قلوب کو نورِ اسلام سے منور کیا۔

برصغیر ہند و پاکستان چشتیوں کا ورثہ ہے:

ویسے تو برصغیر میں دیگر سلاسل مثلاً سلسلہ عالیہ، قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ کے بزرگانِ دین نے بھی کافی لوگوں کی ہدایت و اصلاح میں حصہ لیا لیکن دراصل یہ ملک چشتیوں کا ورثہ ہے اور سلسلہ عالیہ چشتیہ کو برصغیر میں جو عدیم المثال کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ اسی کا حصہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نسبتِ چشتیہ یعنی شدید نسبت عشقیہ فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔

حضرت محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد جب اسلام سلطان محمود غزنوی ؒ کے دور میں مستقل طور پر برصغیر میں داخل ہوا تو اس کی سربراہی حضرت خواجہ محمد محترم چشتی قدس سرہٗ نے فرمائی جو سلطان محمود غزنوی ؒ کی روحانی طور پر پشت پناہی فرما رہے تھے۔ شجرۃ الانوار میں لکھا ہے کہ:

"حضرت خواجہ محمد محترم چشتی قدس سرہٗ پہلے بزرگ ہیں جو ہندوستان

آئے اور سلطان محمود غزنویؒ کی فوج کے ساتھ ۱۰۲۵ء میں سومنات کے جہاد میں شریک ہوئے۔ اور محمود غزنوی کا لشکر آپ ہی کی پناہ و حمایت میں تھا۔"

حضرت مولانا جامیؒ نے بھی اپنی شہرۂ آفاق کتاب نفحات الانس میں لکھا ہے کہ:

"حضرت خواجہ ابو محمد چشتیؒ محمود غزنوی کے ساتھ اشارۂ غیبی سے جہاد میں شریک ہوئے تھے اور محمود کا لشکر آپ کی پناہ میں تھا اور وہ آپ کے باطنی تصرف کی وجہ سے کامیاب ہوا۔"

محمود غزنویؒ کے دور کے بعد سلطان محمد غوری ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو اس کی پشت پناہی حضرت خواجہ بزرگ، خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری قدس سرہٗ کے سپرد ہوئی اور آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق والیٔ ہندوستان رائے پتھورا کی راجدھانی اجمیر میں آکر سکونت اختیار کرلی۔ جب آپ کے فیوض و برکات سے کفار کثرت سے مسلمان ہونے لگے تو رائے پتھورا کی فوج مقابلہ کے لیے نکل آئی۔ لیکن شکست کھائی۔ ایک دفعہ جب رائے پتھورا نے حضرتِ اقدس کے غلامانِ خاص کو تکلیف دی تو آپ نے فرمایا کہ ہم نے رائے پتھورا کو زندہ گرفتار کیا ہے۔ اس کے بعد وہ سلطان محمد غوری کے ہاتھوں زندہ گرفتار ہوا اس کی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا اور برصغیر میں اسلامی سلطنت قائم ہوگئی اور ملک کی باطنی باگ ڈور مشائخ چشتیہ کے ہاتھ رہی

اس کے بعد حضرت خواجہ بزرگؒ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء کے ہاتھ میں برصغیر کی سیاست اور باطنی ہدایت کا کام جاری تھا اور نہایت خوش اسلوبی سے انجام پا رہا تھا کہ انگریزوں کا دور شروع ہوا اور پہلے بزرگ جنہوں نے انگریزوں کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی چشتیؒ تھے۔ اس سے پہلے مجاہدین بالاکوٹ کی جماعت میں بھی ایک چشتی بزرگ حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی نمایاں حصہ لیتے رہے جو حضرت حاجی امداد اللہ کے دادا پیر تھے۔ جب حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا دور ختم ہوا تو ان کے خلفاء مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور شیخ الہند

مولانا محمود حسن صاحبؒ نے سیاست ہند میں حصہ لینا شروع کیا اس وقت چونکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین یہ طے پایا تھا کہ پہلے ملک سے انگریز کو نکالنا چاہیے اس لیے یہ بزرگ شروع میں انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ مل کر کام کرتے رہے لیکن بعد میں جب ہندوؤں کی بددیانتی ثابت ہوگئی تو مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے مسلم لیگ کے ساتھ مل کر کام کیا۔ جب مولانا شیخ الہند مالٹا کی قید سے واپس آتے تو اس وقت کے قطب وقت حضرت مولانا وارث حسن کوڑہ جہان آبادی چشتی کے ساتھ سات دن خلوت میں رہے اور برصغیر کی سیاست و قیادت کے چارج کا لین دین عمل میں آیا۔ مولانا وارث حسنؒ کے بعد ملک کی سیاست ان کے خلیفۂ اعظم حضرت مولانا سید محمد ذوقیؒ کے ہاتھ میں آگئی جو قائد اعظم محمد علی جناح کی باطنی طور پر پشت پناہی کرتے رہے۔ نیز ظاہری طور پر بھی آپ کا قائد اعظم پر بڑا اثر تھا اور وہ ہر کام حضرت شاہ صاحبؒ کے اشارہ کے مطابق کرتے تھے۔ حضرت مولانا ذوقی شاہؒ کے بعد ہندوستان کی سیاست کا چارج آپ کے خلیفۂ اعظم حضرت شاہ شہید اللہ فریدیؒ کو ملا اور آپ نے بھی ملک کی سیاست میں ظاہری و باطنی طور پر جو کام کیے ان سے اہل نظر بخوبی آگاہ ہیں۔

سلسلۂ عالیہ چشتیہ کے مشائخ کے مندرجہ بالا مختصر حالات سے ناظرین پر عیاں ہو گیا ہوگا کہ برصغیر ہند و پاکستان کے مشائخ چشتیہ کا ورثہ ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ ہمیشہ رہے گا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دیگر سلاسل نے کوئی کام نہیں کیا یہ ہمارا مطلب ہرگز نہیں ہے بلکہ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مجموعی طور پر برصغیر ہند و پاکستان پر مشائخ چشت کی بالادستی قائم رہی ہے اور سیاست میں بھی انہی حضرات کا دخل عمل رہا ہے اور خلق خدا کی ہدایت و اصلاح کے سلسلہ میں جو کامیابی مشائخ چشت کو اس ملک میں ہوئی ہے کسی دوسرے سلسلہ کو نہیں ہوئی۔

لفظ چشتی کی وجہ تسمیہ: لفظ "چشتی" کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت ابو اسحاق شامی قدس سرہٗ کے وجود مسعود کے ساتھ اس سلسلہ عالیہ کا

مرکز قصبہ چشت بن گیا جو افغانستان کے شہر ہرات سے چند کوس کے فاصلے پر ہے۔ حضرت ابو اسحاق شامی پہلے بزرگ ہیں جن کو چشتی کا لقب ملا اور آپ کے بعد اس سلسلۂ عالیہ کے پانچ جلیل القدر مشائخ چشت میں رہ کر ہدایت خلق کے منصب انجام دیتے رہے ان حضرات کے اسمارِ گرامی یہ ہیں:

حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ، حضرت خواجہ ابو محمد محترم چشتیؒ، حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتیؒ، حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ اور حضرت خواجہ شریف زندنیؒ

نسبتِ چشتیہ کی خصوصیّت:

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ نسبت چشتیہ کیا ہے شدید نسبت عشقیہ ہے جو فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اور اسی وجہ سے بے حد کامیاب ہے کیونکہ حضرت انسان کے قلب میں حدیث کنت کنزاً مخفیاً اور آیۂ کریمہ فَنَفَخۡتُ فیہ من الروحی (میں نے انسان میں اپنا روح پھونکا) کے مطابق عشق الٰہی کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ اسی مناسبت سے چشتی حضرات اکثر زرد رنگ کے کپڑے زیب تن کرتے ہیں جو آگ کا رنگ ہے۔ ایک دفعہ حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ نسبتِ نقشبندیہ اور نسبتِ چشتیہ میں کیا فرق ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہماری نسبت یعنی نقشبندی نسبت کا نشہ افیون کی پینک کی طرح ہے اور چشتیوں کا نشہ شراب کا نشہ ہے۔ جس میں جوش و خروش اور ولولہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی بھی یہی شدید عشقیہ نسبت تھی اور قرآن اس پر شاہد ہے۔ ساتویں پارہ کے شروع میں اللہ تعالٰے فرماتے ہیں وَاِذَا سَمِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَی الرَّسُوۡلِ (یعنی جب صحابہ کرام آیاتِ قرآن سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفان امڈ آتا ہے اس وجہ سے کہ ان کو اپنے رب کی معرفت اور مشاہدہ حاصل ہے) نیز اللہ تعالٰے فرماتے ہیں وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (مومن وہ لوگ ہیں جو شدت سے اللہ کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ مشائخ چشتیہ کی یہی شدید عشقیہ نسبت ہے کہ جس کی بدولت ان میں سے اکثر مقامِ محبوبیت پر فائز ہوئے ہیں۔ حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ خاتمۂ تصوف

میں فرماتے ہیں کہ اگر ابن عربی میرے وقت میں ہوتے تو میں ان کو ایسے مقام پر لے جاتا کہ وہ یہ باتیں نہ کہتے۔ لیجئے شیخ محی الدین ابن عربی جن کو دنیا نے شیخ اکبر کا لقب دیا ہے۔ ان کے متعلق سلسلۂ چشتیہ کے ایک بزرگ کا یہ خیال ہے تو اکابرین کا مقام کیا ہوگا۔ ناظرین خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔

○

الٰہی تا بود خورشید و ماہی
چراغِ چشتیاں را روشنائی

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغِ چشتیاں ہرگز نمیرد

باب اوّل

مخالفین کے اعتراضات وجوابات

اولیائے کرام کا مسلک تصوّف روحِ اسلام اور جانِ ایمان ہے

افسوس ہے کہ مفاد پرستوں اور کج فہم لوگوں نے نہایت ہی معمولی اور فروعی قسم کے مسائل کو ہوا دے کر امتِ محمدیہ میں تفریق پیدا کر دی ہے اور اولیائے کرام کے مسلک و مشرب کو جو درحقیقت عین اسلام، عین شریعت بلکہ روح اسلام اور جانِ شریعت ہے بعض ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانے اور چند لوگوں کو اپنے گرد جمع کرنے اور چندے وصول کرنے کی خاطر بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی ہے لیکن حق، حق ہے اور باطل، باطل خدا تعالےٰ کے فضل وکرم سے دینِ حق کو ایسی عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ کہ نہ صرف پاکستان اور برصغیر میں بلکہ دنیا کے ہر اسلامی ملک میں ننانوے فی صد اکثریت اہلِ طریقت کی ہے اس وجہ سے کہ دنیا میں اسلام پھیلا ہی اولیائے کرام کی جان پرور روحانی تعلیمات سے ہے۔ اب چونکہ پروپیگنڈہ مشینری اور کفار کی امداد مخالفین کے شاملِ حال ہے ناواقف اور سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور امت میں تفرقہ پیدا کرنے میں ان لوگوں کو جو تھوڑی

بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اس کے پیش نظر اور مسلمانوں میں یکجہتی اور اتفاق پیدا کرنے کی خاطر اس کتاب میں ہم ان کے بودے اعتراضات اور ناجائز الزامات کے جوابات پیش کریں گے تاکہ حقیقت آشکارا ہو جائے اور خلق خدا کو ان محبوب پیشواؤں کی صحیح تعلیمات جو درحقیقت عین اسلام ہیں، سامنے آجائیں اور ان پر عمل کر کے خلق خدا کو خدا تعالےٰ کا قرب۔ وصال اور معرفت حاصل ہو جو غایت اسلام ہے۔

تصوّف پر اعتراض :

تصوف پر یہ لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانے میں تصوف کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اس لیے یہ غیر اسلامی ہے۔ یہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے زمانہ میں تو علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، علم معانی، علم بیان اور علم صرف نحو کا بھی کوئی نام نہیں تھا۔ بلکہ یہ تمام علوم بعد میں تابعین اور تبعہ تابعین وغیرہ کے زمانے میں مرتب و مدون ہوئے ہیں تو کیا یہ علوم بھی غیر اسلامی ہیں؟ بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں تمام حضرات جہاد میں مصروف تھے اور ان علوم وفنون کو باقاعدہ علوم کی صورت میں مرتب کرنے کا ان کے پاس وقت نہیں تھا۔ لیکن چونکہ قرآن وحدیث میں تصوف اور طریقت سمیت ان تمام علوم کے تخم موجود تھے، بعد میں جب مسلمانوں کو جہاد سے فراغت حاصل ہوئی تو مختلف طبائع اور مختلف استعداد کے لوگوں نے اپنی طبیعت اور اپنی قابلیت کے مختلف علوم وفنون کی طرف توجہ کی اور ان کے قواعد وضوابط مقرر کر کے باقاعدہ علوم کی شکل میں مرتب کیا چنانچہ جن حضرات نے قرآن مجید کی تشریح میں زور لگایا وہ مفسرین کے نام سے مشہور ہوئے جنہوں نے علم حدیث مرتب کیا محدث کہلائے۔ جن حضرات نے فقہ کے مسائل کی طرف توجہ کی وہ فقہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور جن حضرات نے روحانیت یعنی قرب الی اللہ اور معرفت حق کی طرف توجہ کی وہ اولیاء اور عارفین کے نام سے مشہور ہو گئے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو حضرات ایک علم کو لے کر بیٹھ گئے۔ وہ دوسرے علوم سے ناواقف تھے۔ ہرگز نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ان کو کمال صرف ایک علم میں حاصل

ہوا۔ جس کی وجہ سے ان کو شہرت حاصل ہوئی۔ لیکن مسلمان ہونے کی حیثیت سے وہ تمام اسلامی علوم اور عقائد و مسائل سے بخوبی واقف تھے۔

لفظ تصوف کی وجہ تسمیہ: جن حضرات نے روحانیت یعنی قرب و معرفتِ حق کے حصول کے لیے نفس کشی اور مجاہدات کیے اور صوف یعنی اونی کپڑے پہننا شروع کیے تو وہ صوفی کے نام سے مشہور ہو گئے اور ان کے مسلک کو تصوف کا نام دیا گیا۔ بعض کا خیال ہے کہ لفظ صوفی صفا سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں باطن کی صفائی یا تزکیۂ نفس۔ بعض کے نزدیک تصوف لفظ صفہ سے نکلا ہے۔ چونکہ اصحاب صفہ بھی تارک الدنیا تھے اور اذکار و مشاغل میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ اس لیے اس مسلک کو اختیار کرنے والے صوفی کے نام سے مشہور ہو گئے۔

تصوّف کی اصل مرتبۂ احسان ہے: لیکن حقیقت یہ ہے کہ تصوف کی اصل مرتبۂ احسان ہے جس کی تعریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی کہ مرتبۂ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اللہ تعالےٰ کو دیکھ نہیں سکتا تو یہ خیال کرے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ جن حضرات نے ان مراتب کو حاصل کرنے کے لیے بڑھ چڑھ کر مجاہدے کیے اور سب کام چھوڑ کر اسی ایک کام میں منہمک ہو گئے وہ عوام میں تارک الدنیا، گوشہ نشین اور صوفی مشہور ہو گئے۔

اسلام کی غرض و غایت: اب یہ جو حدیث بالا میں حکم ہے کہ تم اللہ تعالےٰ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر دیکھ نہیں سکتے تو یہ خیال کرو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ یہ حکم عام ہے۔ اور ہر شخص کے لیے ہے۔ اس سے کوئی مسلمان مستثنیٰ نہیں ہے۔ یہ حدیث تصوف کی جان اور طریقت کی روح ہے اور اسلام کی غرض و غایت ہے یعنی قرب الہٰی کا وہ درجہ نصیب ہو جائے کہ انسان کو رویت باری تعالیٰ اور مشاہدۂ حق حاصل ہو جائے اور یہ مشاہدہ دل کی آنکھوں سے یعنی روحانی بصیرت سے ہوتا ہے نہ کہ ظاہری آنکھوں سے

کیونکہ ظاہری آنکھیں محدود ہیں اور ذات لامحدود کا مشاہدہ نہیں کر سکتیں اور باطنی آنکھیں لامحدود ہیں اور ذاتِ لامحدود کا ادراک ان کو حسبِ استعداد ہو جاتا ہے۔ قرآنِ حکیم اور احادیث شریف میں اس قسم کے احکام بے شمار ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے قرب و معرفت کے بلند سے بلند مراتب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وفی انفسکم افلا تبصرون ط

وہ تمہارے اندر ہے (اندر) کیوں نہیں دیکھتے۔

نیز فرمایا نحن اقرب الیہ من حبل الورید

ہم انسان سے اس کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

نیز فرمایا وھو معکم اینما کنتم ط

اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی جاؤ

نیز فرمایا اینما تولوا فَثَم وَجھہ اللہ ط

جس طرف دیکھو اللہ ہی اللہ ہے

اس طرح احادیث نبوی میں قرب و معرفت کے بلند مقامات کی طرف راہنمائی کی گئی ہے۔ بخاری شریف میں ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

جب میرا بندہ نوافل (یعنی زائد عبادت) کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو مَیں قریب ہو جاتا ہوں۔ یہاں تک کہ مَیں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے دیکھتا ہے مَیں اس کے کان بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے سنتا ہے۔ مَیں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں اور مجھ سے پکڑتا ہے۔ مَیں اس کی زبان بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے بات کرتا ہے۔

اس حدیث کو اولیائے کرام حدیثِ قربِ نوافل کہتے ہیں اور اس میں فنافی الصفات کا ذکر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات میں فنا ہونا۔ اس کے بعد ایک اور مقام آتا ہے۔ جب سالک ذاتِ حق میں فنا ہو جاتا ہے۔ اس مقام کو صوفیائے کرام قربِ فرائض کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں مسلمانوں کو حکم صادر ہوتا ہے کہ تَخَلَّقُوا بِاَخْلاقِ اللّٰہ یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہو جاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی بصر تمہاری بصر بن جائے اس کا سمع تمہارا سمع بن جائے۔ وغیرہ۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ انسان کا قلب حق تعالیٰ کا عرش ہے ایک اور حدیث کے ذریعے حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو مطلع فرمایا ہے کہ:

لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المؤمن نہ میں اپنے آسمانوں میں سما سکتا ہوں نہ اپنی زمین میں سما سکتا ہوں بلکہ اپنے بندۂ مومن کے قلب میں سما سکتا ہوں اس سے ظاہر ہے کہ قلب مومن کس قدر وسیع ہے جس میں ذات لامحدود سما سکتی ہے۔ جب حق تعالیٰ قلب مومن میں سما سکتے ہیں۔ تو قلبِ مومن بھی لازماً لامحدود ہونا چاہیے۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں پیچھے کی طرف بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح آگے کی طرف۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الصلوٰۃ معراج المومنین، نماز مومن کی معراج ہے

اور معراج سے مراد ہی قرب کا مقام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج حاصل ہوا نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں؛

اِتقوا فراسۃ المؤمن انہ ینظر بنور اللّٰہ

مومن کے نور بصیرت سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

ان تمام آیات اور احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ مومن کے لیے قرب الی اللہ اور معرفتِ حق کا حصول ضروری ہے اور اسلام کی غرض وغایت بھی یہی ہے۔ لیکن افسوس صد افسوس ہے کہ مخالفین نہ خود یہ مقامات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ یہ گوارا کرتے ہیں کہ کوئی اور حاصل کرے اور ہر وقت مخالفت پر ہی کمر بستہ رہتے ہیں۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے مقصد اور اس کی غرض و غایت سے یہ

لوگ بے بہرہ ہیں۔ لیکن دعوہ یہ ہے کہ صرف ہم ہی مسلمان ہیں۔ باقی سب کافر اور مشرک ہیں۔ لیکن خالی دعووں سے کام نہیں چلے گا۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ پہلے اپنے آپ کو ٹیسٹ کریں کہ واقعی مسلمان ہیں اور مسلمان کی شان وہی ہے جو احادیث بالا میں بیان ہو چکی ہے۔ یعنی مومن ذات وصفات میں فنا ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ حق تعالیٰ کے کانوں سے سنتا ہے اور سب کام اس کی قدرت سے کرتا ہے اور یہی وہ مرتبہ ہے جہاں پہنچ کر وہ کشف وکرامات کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ لہٰذا علمائے ظاہر کے لیے جو ٹیسٹ مقرر ہو چکا ہے وہ یہ ہے کہ اپنی کیفیت کا جائزہ لیں کہ آیا یہ دولت ان کو نصیب ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو خود فریبی سے نکل کر سچائی کے میدان میں آئیں اور ان پاک اور مقدس ہستیوں پر اعتراض کرنے سے پرہیز کریں جن کو حق تعالیٰ نے یہ دولت عطا فرمائی ہے۔ لیکن ظلم یہ ہے کہ جب ان کو کشف وکرامات کے حصول کے لیے کہا جاتا ہے تو فوراً جواب دیتے ہیں کہ کشف وکرامات کے سارے قصے من گھڑت ہیں۔ بھلا صحابہ کرام کو اس قسم کے کشف وکرامات کیوں نہ ہوتے تھے۔ کس قدر بے باکی ہے۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ حدیث کی کتابیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور صحابہ کرام کے کشف وکرامات سے بھری پڑی ہیں۔ لیکن جب ہم اولیائے کرام کی کرامات کا ذکر کرتے ہیں تو سب کچھ جانتے ہوئے یہ لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ دیوبند کے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ؒ نے ایک کتاب "جمال الاولیاء" میں صحابہ کرام کے کشف وکرامات کے کثرت سے واقعات بیان کیے ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۸ پر لکھا ہے،

> ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے گھر پر تین مہمان آئے۔ لیکن کھانا تھوڑا تھا۔ پھر بھی انہوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ جو کھانا بچ رہا۔ وہ اس سے زیادہ تھا جو پہلے موجود تھا۔ یہ واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں درج ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور حضرت سلمان فارسی ؓ ایک پیالے میں کھانا کھا رہے تھے کہ پیالہ اور غذا

نے تسبیح پڑھنا شروع کر دیا۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ابو عبس ؓ بن جابر جب رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر بنی حارثہ کی طرف گئے تو رات اندھیری تھی اور بارش بھی تھی۔ اس وقت ان کی لاٹھی چراغ کی طرح روشن ہو گئی اور وہ آسانی سے گھر پہنچ گئے۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام حسن ؓ کے قبر کے قریب پیشاب کیا تو وہ مجنون ہو گیا اور کتے کی طرح بھونکنے لگا۔ پھر جب مر گیا تو اس کی قبر سے وہی بھونکنے کی آواز آتی تھی۔

بیہقی میں یہ لکھا ہے کہ فاطمہ خزاعہ نے جب حضرت امیر حمزہ ؓ کی قبر پر جا کر السلام علیکم کہا تو وعلیکم السلام کا جواب ملا۔

بخاری شریف میں ایک حدیث آئی ہے۔ جس میں حضرت امیر حمزہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں شریک تھے اور اندھیری رات تھی۔ اس وقت میری انگلیاں روشن ہو گئیں جن کی روشنی میں سب لوگوں نے سواریاں ایک جگہ پر جمع کر لیں اور میری انگلیاں برابر چمکتی رہیں۔

بیہقی میں ایک حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خالد بن ولید ؓ کو کسی نے ڈرایا کہ فلاں شخص کے پاس زہر ہے۔ خیال رکھنا۔ حضرت اقدس نے اس سے زہر لے کر کھالی اور کچھ اثر نہ ہوا۔

بخاری اور مسلم شریف میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی کرامات کثرت سے بیان کی گئی ہیں۔ اسی طرح حضرت سعد بن ربیع ؓ، حضرت سعد بن عبادہ ؓ، حضرت سعد بن معاذ ؓ، حضرت سعید بن زید ؓ، حضرت سلمان فارسی ؓ، حضرت عاصم بن شاہد ؓ، حضرت عامر بن فہیرہ ؓ، حضرت عباد بن بشر ؓ، حضرت عباس ؓ، حضرت عبداللہ جحش ؓ، حضرت عبداللہ بن جابر ؓ،

حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبیدہ بن حارثؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمر ابن خطاب، و دیگر حضرات کی بے شمار کرامات کتاب مذکور میں بیان کی گئی ہیں۔

صحابہ کرام سے کم کشف و کرامات ظاہر ہونے کی وجوہات:

البتہ یہ بات صحیح ہے کہ بعد میں آنے والے اولیاء کرام کی نسبت حضراتِ صحابہ سے کشف و کرامات کا ظہور کم ہوا ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک وجہ یہ ہے کہ کرامات کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں ایمان کمزور ہو چونکہ صحابہ کرام حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے۔ اور ایمان ان کا نہایت پختہ تھا۔ ان کو کشف و کرامات دیکھنے اور دکھانے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کشف و کرامات کا تعلق عالم صفات اور عالمِ ارواح اور عالمِ مثال سے ہے۔ چونکہ صحابہ کرام عالم ملکوت، عالم ارواح اور عالم صفات سے گزر کر ذاتِ احدیت میں فنا ہو چکے تھے۔ ان سے کشف و کرامات کا ظہور زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ اسی طرح بعد میں آنے والے اولیاء کرام اور مشائخ عظام جو مقام احدیت اور ذاتِ لاتعین میں گم ہو چکے تھے ان سے کشف و کرامات کا ظہور کم ہوا۔ اولیاء کرام فرماتے ہیں کہ کشف و کرامات کا ظہور کم درجہ کے بزرگان سے ہوتا ہے۔ جوں جوں آدمی ذاتِ حق میں ترقی کرتا ہے۔ کشف و کرامات کا ظہور کم ہوتا جاتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ کشف و کرامات کے ظہور سے مدارج کم ہوتے ہیں۔ شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ جب سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ کرامات کے ظہور سے مراتب میں کمی واقع ہوتی ہے تو مجھے افسوس ہوا ہے کہ کاش میں کشف و کرامات کی طرف زیادہ توجہ نہ کرتا۔

اقسام حجابات:

یاد رہے کہ اولیاء کرام نے اپنی کتابوں میں حجابات جو بندہ اور مولا کے درمیان حائل ہوتے ہیں۔ ان کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں۔ اول حجابات ظلمانی جو معصیت یعنی گناہوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ دوم حجابات نورانی جو کشف و کرامات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ سوم حجابات کیفی

جو اس لذت کی وجہ سے بندہ اور مولا کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں جو سالکین کو قرب حق تعالےٰ یعنی فنا فی اللہ میں محسوس ہوتی ہے لہٰذا جب کوئی شخص اس لذت کی وجہ سے مراقبات فنا میں کوشاں رہتا ہے تو حق تعالیٰ یہ بات پسند نہیں فرماتے اور وہ شخص محجوب ہو جاتا ہے۔ لیکن جو بلند ہمت عشاق لذت کی خاطر نہیں، خالصتاً ذات باری تعالیٰ کی خاطر ریاضت کرتے ہیں ان کے لیے وہ لذت حجاب نہیں بن سکتی۔ اب چونکہ صحابہ کرام کا مرتبہ عام اولیاء کرام، غوثوں اور قطبوں سے بھی زیادہ بلند ہے۔ اس لیے لازماً ان سے خوارق عادات یعنی کرامات کا ظہور نسبتاً کم ہوا ہے۔ چنانچہ اولیاء کرام کا مسلک و مشرب بھی بعینہٖ وہی ہے جو صحابہ کرام کا تھا۔ صحابہ کرام نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ یعنی سنت پر سختی سے عمل کیا اور اولیاء کرام نے بھی۔

اتباع نبویؐ کے اقسام :

لیکن اتباع یا سنت پر عمل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اتباع ظاہری، دوسرا اتباع باطنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر اتباع یہ ہے کہ جس طرح آپ نماز پڑھتے تھے۔ روزہ رکھتے تھے۔ دوسرے کام کرتے تھے۔ اسی طرح کیا جائے۔

باطنی اتباع یہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالےٰ کے ساتھ عشق و محبت اور قرب و معرفت کا جو تعلق تھا۔ امت کے لیے بھی اس کا حصول ضروری ہے چنانچہ صحابہ کرام اور اولیاء سلف نے اتباع نبویؐ کی دونوں اقسام پر عمل کیا اور ذات حق سے قرب و معرفت اور وصال سے مشرف ہوئے۔ اس کے برعکس علمائے ظواہر نے صرف اتباع ظاہری کو لے لیا ہے۔ اور باطنی نعمت سے محروم ہو گئے ہیں۔ اس لیے نہ ان کو کشف و کرامات کی دولت سے حصہ ملا۔ نہ قرب و معرفت سے۔ عارف رومی فرما گئے ہیں کہ ؎

قال را بگذار و مردِ حال شو — پیش مرد کاملے پامال شو

(زبانی جمع خرچ کو ترک کرو اور حال یعنی فنا فی اللہ کے حصول کی کوشش کرو اور یہ بات صرف مشائخ عظام کے قدموں کی خاک بننے کے بعد حاصل ہوتی ہے)

لیکن مشائخ کے قدموں کی خاک بننا تو درکنار۔ یہ لوگ مشائخ عظام کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اوران پر طرح طرح کے الزامات عائد کرتے ہیں۔ حالانکہ حق تعالےٰ نے ایک حدیث کے ذریعے ان کو خبردار کیا ہے۔

"جو میرے ولی کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی سے پیش آتا ہے۔ وہ میرے ساتھ اعلانِ جنگ کرتا ہے۔"

عرس پر اعتراض : تصوف کے علاوہ مخالفین عرس پر بھی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے عرس کہاں ثابت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے۔ عرس بدعت نہیں بلکہ اس حدیث سے وجود میں آیا ہے جس میں اللہ تعالےٰ اپنے مخلص بندہ کو وصال کے وقت فرماتے ہیں:

"نم کنومة العروس" (یعنی اب تم سو جاؤ آرام سے دولہے کی نیند)

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اولیاء کرام کی رحلت کا وقت ان کے حق تعالیٰ سے وصال کا وقت ہوتا ہے۔ جیسے دولہا کا دلہن سے یا عاشق کا معشوق سے ملنے کا وقت یہی وجہ یہ ہے کہ اہل اللہ کے وصال کے وقت ان پر حق تعالےٰ کی طرف سے انعامات اور انوار و برکات کی موسلا دھار بارش ہوتی ہے اور ان انوار و برکات سے وہ لوگ بھی نوازے جاتے ہیں۔ جو ان کے پاس ہوتے ہیں۔ اور عالمِ بالا کی ایک رسم یہ بھی ہے کہ جب سال کے بعد وہی وصال کا دن آتا ہے تو عالمِ بالا میں یہ یوم خوب اچھی طرح منایا جاتا ہے اور اولیاء کرام پر اسی طرح نزولِ رحمت اور انوار و برکات کی بارش ہوتی ہے جس طرح انتقال کے وقت علمائے دیوبند کے پیرومرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ شمائم امدادیہ میں فرماتے ہیں کہ منکر نکیر آتے ہیں اور مقبولانِ الٰہی سے کہتے ہیں نم کنومة العروس یعنی سو جاؤ دولہا کی نیند۔ عرس جو رائج ہے۔ اسی سے ماخوذ ہے اور کوئی شخص اس دن کا خیال رکھے، عرس کرے تو کون سا گناہ

لازم آتا ہے۔

باقی رہا یہ سوال کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام بھی عرس مناتے تھے، یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی مجالس اور تقاریب و اجتماعات کی وہ صورت نہ تھی جو آجکل کی تقاریب کی ہے۔ مثلاً اس زمانے میں نہ شامیانے لگتے تھے۔ نہ فرش لگائے جاتے تھے۔ نہ میز کرسی، نہ لاؤڈ سپیکر ہوتے تھے۔ نہ اخباروں اور رسالوں میں ان کا چرچا ہوتا تھا۔ نہ پوسٹر تقسیم ہوتے تھے۔ نہ دعوت نامے جاری کیے جاتے تھے۔ لیکن اجتماعات ضرور ہوتے تھے۔ اور ہمارے زمانے کے اجتماعات سے بھی زیادہ بڑے اور زیادہ مؤثر ہوتے تھے۔ اسی طرح اس زمانے میں بھی صحابہ قبروں کی زیارت کے لیے جاتے تھے، فاتحہ پڑھتے تھے۔ سلام کرتے تھے ان کے حق میں دعا مانگتے تھے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ ہر سال شہدائے احد کے مزارات پر اسی یوم (شہادت کے دن) تشریف لے جاتے تھے۔ السلام علیکم کہتے تھے ان کے حق میں دعا فرماتے تھے۔ اور ان سے باطنی راہ و رسم بھی قائم رکھتے تھے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرامؓ روضۂ اقدس پر کثرت سے حاضر ہوتے۔ اور درود و سلام پیش کرتے تھے چنانچہ غیر مقلدوں کی حکومت کے باوجود آج تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر یہی دستور جاری ہے۔ اب چونکہ حدیث کی رو سے اولیاء کرام حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحیح وارث ہیں۔ اس لیے ان کے مزارات پر بھی ہر وقت عام طور پر اور وصال کے دن خاص طور پر نزولِ رحمت اور انوار و برکات کی بارش ہوتی ہے اور جو شخص وہاں حاضر ہوتا ہے اس پر بھی چھینٹے پڑ جاتے ہیں اور بخشش کے لیے تو رحمت حق کا ایک قطرہ بھی کافی ہے۔

عرس کی مخالفت کی اور وجہ: بعض لوگ عرس کی مخالفت میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری قبر کو عیدگاہ نہ بناؤ۔ دوسری حدیث میں ہے:

کہ میری قبر کو سجدہ گاہ نہ بناؤ۔ لیکن ہم لوگ جب کسی بزرگ کا عرس مناتے ہیں تو کھیل تماشہ کی خاطر یا سجدہ گاہ بنانے کی خاطر نہیں کراتے بلکہ یوم وصال کے فیوض و برکات کے علاوہ اور فوائد بھی مد نظر ہوتے ہیں مثلاً عرس کے موقع پر تمام پیر بھائی جمع ہوتے! اولیاء کرام تشریف لاتے ہیں اور ان کی زیارت سے لوگ مستفیض ہوتے ہیں۔ نئے لوگوں کو بیعت کا موقع مل جاتا ہے۔ پرانے لوگ ایمان کی تجدید کر لیتے ہیں۔ عرسوں پر مخالفین یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ وہاں نئے دوکان لگ جاتے ہیں۔ بازاریں بن جاتی ہیں کھیل تماشے ہوتے ہیں اور غیر شرع امور واقع ہو جاتے ہیں۔ یہ کس قدر سادہ لوحی اور کم عقلی کا ثبوت ہے۔ اگر نئے دوکان لگانا اور بازاریں قائم ہونا گناہ ہیں، تو پھر تمام شہروں میں دوکان اور بازار بند کر دینے چاہییں۔ البتہ کھیل تماشے پر اعتراض ہو سکتا ہے لیکن یہ کھیل تماشے تو ان شہروں میں یا بستیوں میں بھی کثرت سے ہوتے رہتے ہیں، جہاں یہ لوگ خود رہتے ہیں۔ کیا کھیل تماشوں کی وجہ سے انہوں نے ان شہروں میں رہنا چھوڑ دیا ہے؟ ان کے شہروں میں کھیل تماشے ہوتے رہتے ہیں۔ اور وہ بھی نماز روزہ وغیرہ میں مصروف رہتے ہیں۔ اسی طرح جس شہر میں عرس منایا جا رہا ہے۔ وہاں نئے بازار وغیرہ اس لیے لگ جاتے ہیں تاکہ لوگوں کی خورد و نوش وغیرہ کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ اگر کوئی شخص روپیہ کمانے کی غرض سے وہاں کھیل تماشے کا انتظام کرتا ہے تو اس کا گناہ اسے ہوگا۔ آپ کھیل تماشے کی طرف نہ جائیں۔ کون آپ کو مجبور کرتا ہے۔ اگر کھیل تماشے بند کرانے کا آپ مطالبہ کرتے ہیں تو پہلے ان شہروں میں بند کیوں نہیں کراتے، جہاں یہ کھیل تماشے مستقل طریق پر ہو رہے ہیں۔ عرسوں میں تو عارضی ہوتے ہیں۔

زیارت قبور پر اعتراض: بعض لوگ مزار پر جانے سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شرک ہے حالانکہ حدیث کی کتابوں میں کثرت سے ایسی احادیث موجود ہیں۔ جن میں حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو قبروں کی زیارت کی تاکید فرمائی ہے۔ نیز اہل قبور کو سلام کرنے، ان کے لیے

دعا خیر مانگنے اور ان سے مدد مانگنے کے متعلق بھی احادیث میں تاکید کی گئی ہے۔ حضرت مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ "مشکوٰۃ شریف" کی شرح میں زیارت قبور کے باب میں فرماتے ہیں کہ:

"زیارت قبور مستحب است بالاتفاق زیرا کہ سبب رقتِ قلب و تذکرہ موت و بوسیدگی استخوان و فنائے دنیا است۔ و جز آں از فوائد و عمدہ دراں دعا خیر اموات را و استغفار برائے ایشاں و بایں وارد شدہ است سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ بہ بقیع مے رفت و بر اہل آں استغفار مے کرد برائے ایشاں واما استمداد با اہل قبور در غیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا غیر انبیاء علیہم السلام منکر شدہ اند آں را بسیارے از فقہاء مے گویند نیست زیارت مگر برائے دعائے موتی استغفار برائے ایشاں و رسانیدن نفع بایشاں بدعا و استغفار و تلاوتِ قرآن و اثبات کردہ است نزد اہل کشف و اکمل از ایشاں تا آنکہ بسیارے را فیوض و فتوح از ارواح رسیدہ ایں طائفہ را در اصطلاح ایشاں اویسی خوانند۔ امام شافعیؒ گفتہ است قبر موسیٰ کاظم تریاق مجرب است اجابت دعا را و حجۃ الاسلام امام غزالیؒ گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بوئے در حیات استمداد کردہ مے شود بوئے بعد از وفات و یکے از مشائخ عظام گفتہ است دیدم چہار کس از مشائخ کہ تصرف مے کنند در قبور خود مانند تصرف ہائے ایشاں در حیات خود یا بیشتر۔ شیخ معروف کرخیؒ۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ و دو کس دیگر را از اولیاء۔ و مقصود حصر نیست آنچہ خود دیدہ و یافتہ است گفتہ و سیدی احمد مرزوقؒ کہ از اعاظم فقہاء و علماء و مشائخ دیار مغرب است گفت کہ روزے شیخ ابوالعباس از من پرسید کہ امداد حی اقویٰ است یا امداد میت۔ من گفتم کہ قومے مے گویند کہ امداد حی قوی است۔ و من می گویم کہ امداد میت قوی تر است۔ پس شیخ گفت نعم زیرا کہ در بساط حق است و در حضرت اوست و نقل درین معنی ازیں طائفہ بسیار است کہ حصر و حصار کردہ شود و یافتہ نمے شود در کتاب و سنت و اقوال سلف صالح کہ منافی و مخالف ایں باشد و رد کند ایں را و بہ تحقیق ثابت شدہ است بآیات و احادیث کہ روح باقی است و او را علم و شعور بہ زائران و احوال ایشان ثابت است و ارواح

کاملان را قربے مکانتے در جناب حق ثابت است چنانکہ در حیات بود یا بیشتر ازاں، و اولیاء را کرامات و تصرف در اکوان حاصل است و آں نیست مگر ارواح ایشاں را و ارواح باقی است و متصرف حقیقی نیست مگر خدا عز شانہ، و ہمہ قدرت اوست، و ایشاں فانی اند در جلال حق در حیات و بعد از ممات پس اگر دادہ شود مراحدے را چیزے بوساطت یکے از دوستان حق و مکانتے کہ نزد حق دارد دور نباشد چنانکہ در حالت حیات بود و نیست فعل و تصرف در ہر دو حالت مگر حق را جل جلالہ و عم نوالہ، و نیست چیزے کہ فرق کند میان ہر دو حالت و یافتہ نشدہ است دلیلے بر آں۔

ترجمہ، حضرت شیخ عبد الحق دہلوی فرماتے ہیں کہ زیارت قبور یعنی قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے اور اس پر تمام محدثین، فقہا، علما، صلحا کا اتفاق ہے کیونکہ اس سے رقت قلب ہوتی ہے، موت یاد آتی ہے اور ہڈیوں کا بوسیدہ ہو جانا اور دنیا کا فنا ہو جانا ثابت ہوتا ہے علاوہ ازیں زیارت قبور کے اور بھی فوائد ہیں نیز ان کے لیے دعا بھی مانگی جاتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ مدینہ کے قبرستان بقیع میں تشریف لے جاتے تھے اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے تھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کے سوا کسی دوسری قبر سے بعض مدد مانگنا جائز نہیں سمجھتے۔ فقہا کا قول ہے کہ مردوں کی قبروں پر دعا اور استغفار کرنا اور ان کو نفع پہنچانا دعا سے اور استغفار سے اور تلاوت قرآن سے مشائخ صوفیہ اسرارہم اور بعض فقہا رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک محقق و مقرر است یعنی ثابت ہو چکا ہے اور اہل کشف مشائخ کبار فرماتے ہیں کہ اہل قبور کی ارواح سے بہت فیض اور فتوح حاصل ہوتے ہیں۔ اہل تصوف کی اصطلاح میں ایسے لوگوں کو یعنی جو مزارات سے فیوض حاصل کرتے ہیں اویسی کہتے ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام موسے کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار قبول دعا کے لیے تریاق مجرب یعنی آزمایا ہوا نسخہ ہے۔ اور حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جن بزرگوں سے زندگی میں مدد مانگی جا سکے ان سے موت کے بعد بھی مدد مانگی جا سکتی ہے۔ مشائخ عظام میں ایک فرماتے

ہیں کہ میں نے چار بزرگوں کو دیکھا ہے جو اپنی قبروں میں بیٹھے تصرف کر رہے ہیں یعنی
لوگوں کے کام کر رہے ہیں جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں تصرف کرتے تھے یعنی کرامات دکھاتے
تھے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ ان میں سے ایک حضرت شیخ معروف کرخیؒ ہیں۔ دوسرے
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہیں اور دو اور بزرگ ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان
کے علاوہ کوئی بزرگ اپنی قبروں میں بیٹھے فیض نہیں دیتا یہ تو فقط وہی کچھ ہے جو اس
بزرگ نے دیکھا یعنی ان چار بزرگوں کے تصرفات دیکھے۔ سیدی احمد مرزوقؒ جو دیار
مغرب کے اکابر مشائخ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ ابوالعباس نے مجھ سے
دریافت کیا کہ زندہ بزرگوں کی امداد زیادہ قوی ہے یا وہ جو اس جہان سے رحلت کر گئے
ان کی امداد زیادہ قوی ہے۔ میں نے جواب دیا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ زندہ بزرگوں کی
امداد زیادہ قوی ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ وہ جو اس جہاں سے جا چکے ہیں ان کی امداد
قوی تر ہے۔ یہ سن کر شیخ ابوالعباسؒ نے کہا کہ بیشک آپ درست کہتے ہیں اس کی وجہ
یہ ہے کہ حق تعالےٰ کی دستگاہ میں ہیں اور اس کے حضور میں ہیں۔ اس قسم کے اقوال
بے شمار ہیں جن کا احاطہ اس کتاب میں نہیں ہو سکتا۔ نیز قرآن مجید اور حدیث میں اور
بزرگان دین کے اقوال میں کسی جگہ پر اس چیز کی تردید نہیں آئی نہ اس کی مخالفت کی گئی ہے۔
اور آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے ثابت ہو چکا ہے کہ مُردوں کی روح فنا نہیں ہوتی۔
بلکہ زندہ رہتی ہے اور اس کو زیارت کرنے والوں کا علم اور شعور ہوتا ہے۔ اس کے حالات
کو بھی جانتے ہیں (یہ تو عام مُردوں کا حال ہے) اور کاملین کی ارواح کو حق تعالےٰ کے ساتھ
ایسا قرب اور رتبہ حاصل ہوتا ہے کہ جیسا کہ زندگی میں تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اولیاء
کرام کی ارواح کو کون و مکان میں تصرف اور کرامات میسر ہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ
متصرف حقیقی حق تعالےٰ ہیں اور جو کچھ ہوتا ہے اس کی قدرت سے ہوتا ہے اور اولیاء کرام
جلال حق میں فانی ہوتے ہیں اپنی زندگی میں بھی اور بعد از مرگ بھی۔ اس لیے اگر کسی
شخص کو کسی بزرگ کی وساطت سے جو ولی اللہ ہے کوئی چیز ملتی ہے تو یہ بعید نہیں ہے
جیسا کہ وہ زندگی میں تصرف (کرامات) کرتے تھے اور حیات و ممات میں جو تصرفات

اولیاء کرام سے صادر ہوتے ہیں وہ حق تعالیٰ کی قدرت سے ہوتے ہیں اور دونوں حالتوں میں یعنی زندگی اور موت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا اور اس قول کے خلاف کوئی دلیل نہیں ملی۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ زیارتِ قبور کے وقت کیا کروں اور کیا پڑھوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہو: "السلام علیکم اھل الدیار من المومنین والمسلمین ویرحم اللہ المقتدین ومنا والمتاخرین وانشا اللہ بکم ملاحقون (رحمت کرے اللہ تعالیٰ آگے جانے والوں پر یعنی جو مر گئے ہیں اور پیچھے رہنے والوں پر یعنی جو زندہ ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ ہم بھی اگر تم سے ملیں گے) اس حدیث کو صحیح مسلم نے بھی روایت کیا ہے اور یہ حدیث اس وقت کی ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ مردوں اور عورتوں کو قبروں پر جانے کی اجازت دے دی ہے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جس مکان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ دفن تھے میں وہاں آیا جایا کرتی تھی بغیر چادر اوڑھے اس وجہ سے کہ میرے شوہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد حضرت ابوبکرؓ وہاں دفن تھے لیکن جب حضرت عمرؓ وہاں دفن ہوئے تو خدا کی قسم میں وہاں چادر اوڑھے بغیر داخل نہیں ہوتی تھی اس وجہ سے کہ مجھے حضرت عمرؓ سے شرم آتی تھی۔ رواہ احمدؒ (اس حدیث کو امام احمدؒ نے بھی روایت کیا ہے)

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی" لکھتے ہیں کہ:

"دریں حدیث دلیلے واضح است بر حیات میت وعلم وے وآنکہ واجب است احترام میت نزد زیارت وے خصوصاً صالحان ومراعات ادب بر قدر مراتب ایشاں است چنانچہ در حیات ایشاں زیرا کہ صالحان راہد دبلیغ است بر زیارت کنندگان خود در ابراندۂ ادب ایشاں کذا فی شرح الشیخ۔"

ترجمہ: اس حدیث میں واضح دلیل ہے اس بات کی کہ اہل قبور زندہ ہوتے ہیں

اوران کو آنے والوں کا علم ہوتا ہے اور وہ آداب و احترام زیارت کو بھی دیکھتے ہیں۔ خصوصاً بزرگ اور اہل اللہ جن کا رحلت کے بعد بھی اسی قدر احترام واجب ہے جیسا کہ زندگی کی حالت میں تھا۔ اس وجہ سے اہل اللہ اپنے زیارت کرنے والوں کی مدد کرتے ہیں ان کے ادب و احترام کے مطابق جیسا کہ اس حدیث میں پایا جاتا ہے۔

زیارت قبور کی فضیلت علمائے دیوبند کے نزدیک :

شمائم امدادیہ میں جو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ ایک دن میں نے اپنے پیر و مرشد کی خدمت ہی احیاء العلوم کے درس کے دوران معذرت کی کہ آج مقامات متبرکہ کی زیارت کے لیے گیا ہوا تھا دیر ہو گئی ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ "جائے بزرگان بجائے بزرگان" زیارت آثار بزرگان میں برکت ہوتی ہے۔

شمائم امدادیہ میں مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ لکھتے ہیں کہ ایک دن ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کے شیخ حضرت مولانا نور محمدؒ کی قبر پرانی ہو گئی ہے اگر اجازت ہو تو اس کو از سر نو درست کرایا جائے حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے۔ فقہا جائز لکھتے ہیں پھر حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ "جس مزار سراپا انوار سے میں نے فیض حاصل کیا ہو میرے نزدیک اس کی درستی و اصلاح تو فرض ہے"۔ اس سے ظاہر ہے کہ اولیائے اہل قبور سے مریدین و زائرین کو فیض ملتا ہے یہ اکابر اہل دیوبند کا فتویٰ ہے لیکن معلوم نہیں آج کل کے دیوبندیوں کو کیا ہو گیا ہے کہ غیر مقلدین کی طرح زیارت قبور کو شرک بتاتے ہیں۔

غیر مقلدین نے زیارت قبور کو کیوں حرام کہا ہے :

غیر مقلدین کا یہ فتوے کہ زیارت قبور حرام ہے در اصل ان کے امام ابن تیمیہ کا فتوے ہے امام موصوف کا انداز سخن اور استدلال کچھ عجیب سا ہے وہ کہتے ہیں کہ مزارات کی زیارت کے لیے اگر آدمی پیدل جائے تو جائز ہے لیکن اونٹ پر سوار ہو کر جائے تو حرام ہے معلوم نہیں اونٹ پر سوار ہونے میں کیا

خرابی ہے۔ انہوں نے یہ فتویٰ اس حدیث کی بنا پر دیا لاتشد الرحال الا الثلاثۃ المساجد (تم سوائے تین مساجد کے سفر کے اونٹوں پر کجاوے نہ لگاؤ) ظاہر ہے کہ اس حدیث پاک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مساجد یعنی حرم مکہ، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی اور مسجد کے سفر کو منع فرمایا کیونکہ حرم مکہ میں اگر ایک رکعت نماز پڑھی جائے تو ایک لاکھ رکعت کا ثواب ملتا ہے۔ مسجد نبوی میں پچاس ہزار کا اور مسجد اقصیٰ میں پچیس ہزار رکعت کا ثواب ملتا ہے۔ لیکن دنیا کی باقی کسی مسجد میں فضیلت نہیں اس لیے ان کا سفر بھی غیر ضروری ہے لیکن پھر بھی حرام نہیں ہے کیونکہ کسی عالیشان مسجد کو جا کر دیکھنے میں کیا مضائقہ ہے لیکن امام موصوف نے تو کمال ہی کر دیا ہے کہ ایک تو حدیث کے غلط معنی لیے ہیں کیونکہ مطلق سفر مراد لیا جائے تو پھر نہ آدمی کسی تجارت کے لیے اونٹوں پر سوار ہو کر جا سکتا ہے نہ والدین کو یا اساتذہ کو ملنے کے لیے جا سکتا ہے نہ تحصیل علم کے لیے سفر کر سکتا ہے۔ جب امام صاحب سے کہا گیا کہ اس حدیث میں تو اونٹ کا سفر کر کے مزارات پر جانا حرام ہے۔ اگر کوئی پیدل جائے تو کیا فتویٰ ہے۔ آپ نے فرمایا اگر کوئی پیدل جائے تو پھر جائز ہے۔ اس تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بچارے اونٹوں پر سفر کرنا حرام ہے نہ کہ مزارات پر جانا۔ جب ایک آدمی نے امام موصوف سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بین مساجد کے علاوہ مسجد قبا کے لیے اونٹ پر سوار ہو کر جایا کرتے تھے تو امام صاحب نے فرمایا کہ یہ بھی کوئی سفر ہے جس میں نہ پانی ساتھ لیا جائے نہ زادِ راہ۔ یک نشد دو شد۔ پہلے تو اونٹ کا سفر حرام تھا اب پانی اور زادِ راہ ساتھ لینا بھی حرام ہو گیا۔ کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ ایک امام وقت اور یہ استدلال چھوٹا منہ بڑی بات۔ سچ ہے کہ ہم چھوٹے لوگ تو امام صاحب کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن ابن بطوطہ اور حضرت مولانا انور علی شاہ کاشمیری نے جب امام ابن تیمیہ کا استدلال دیکھا تو فوراً بول اٹھے کہ کان علمہ اکبر من العقل (یعنی ان کا علم ان کے عقل سے زیادہ تھا) دانشمندوں کا قول ہے کہ یک من علم را دہ من عقل باید (یعنی ایک من علم کے لیے دس من عقل درکار ہے) لیکن جب یہاں معاملہ برعکس ہے دس من علم کے لیے ایک من عقل ہے۔ تو نتیجہ وہی نکلنا تھا جو

نکلا یعنی امام موصوف پر ہمیشہ کفر کے فتوے لگتے رہے اور مسلمانوں کے درمیان خواہ مخواہ افتراق و انتشار پیدا کرنے کے جرم میں حکومت وقت نے ان کو ہمیشہ قید وبند میں رکھا۔ لیکن جو ہونا تھا وہ ہو گیا اور امام موصوف کے اس مضحکہ خیز استدلال سے اُمت میں ایسی کشمکش اور انتشار پیدا ہوا جس میں ہم آجکل گرفتار ہیں اور نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے یہ خیال بھی فرمایا کہ جب حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بے شمار احادیث میں قبروں پر جانے، سلام کرنے، مردوں کے لیے دعائے خیر مانگنے وغیرہ کی تاکید فرمائی تو صرف ایک لا تشد الرحال والی حدیث سے باقی صحیح احادیث پر کیسے پانی پھیرا جا سکتا ہے اور پھر لا تشد الرحال والی حدیث میں نہ مزارات پر جانے کی ممانعت ہے۔ نہ قبروں پر جانے کی بلکہ صرف تین مساجد کا ذکر ہے کہ سوائے ان تین مساجد کے باقی کسی مسجد میں فضیلت نہیں سب برابر ہیں اس لیے ان کی زیارت کے لیے وقت صرف کرنا بے کار ہے۔ لیکن پھر بھی یہ امتناعی حکم نہیں ہے بلکہ عام بات ہے کیونکہ تاریخی اہمیت کی مساجد یا عالی شان مساجد کو دیکھنے کے لیے ہر شخص کا جی چاہتا ہے اور اگر کوئی شخص جا کر دیکھ لے تو یہ کام حرام اور ناجائز نہ ہوگا۔ لیکن کمال ہے امام موصوف کی فراست کا کہ انہوں نے اس حدیث کو زیارت قبور کا امتناع سمجھا حالانکہ قبور کا اس میں کوئی ذکر نہیں۔ اگر اس سے عام سفر کی ممانعت سمجھی جائے تو پھر دنیا کے تمام سفر حرام اور ناجائز ہو جاتے ہیں۔

نذر، نیاز، فاتحہ پر اعتراض:

باقی اختلافی مسائل تو در کنار بعض ظاہر بین حضرات نذر، نیاز اور فاتحہ کو بھی حرام سمجھتے ہیں اور اگر کسی بزرگ یا رشتہ دار کو ثواب پہنچانے کی خاطر کھانا تیار کیا جائے اور اس پر فاتحہ پڑھا جائے تو وہ کھانا حرام ہو جاتا ہے اور اٹھا کر پھینک دیتے ہیں۔ حالانکہ نہ کھانا جو پکایا گیا حرام تھا۔ اور نہ قرآن کا پڑھنا حرام ہے معلوم نہیں جب کھانا اور قرآن دونوں کو جمع کیا جائے تو کس منطق سے یہ حرام ہو جاتا ہے کہ دور پھینک دیا جاتا ہے حالانکہ احادیث میں کثرت سے شواہد ملتے ہیں کہ صحابہ کرام مردوں کو ایصالِ ثواب کے لیے طعام تقسیم کرتے

تھے اور قبروں پر جاکر ان کے لیے تلاوت قرآن بھی کرتے تھے۔ ائمہ مجتہدین میں سے بھی کسی نے اس چیز کو حرام قرار نہیں دیا۔ نیز قرآن حکیم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی طرف سے اس بات کا حکم آیا ہے کہ مسلمانوں سے نذر قبول کر لیا کریں کیونکہ اس سے مسلمانوں کا تزکیہ نفس ہوتا ہے۔

علمائے دیوبند کا فتوے: باقی رہا نیاز و فاتحہ خوانی کا مسئلہ۔ اس کے متعلق علمائے دیوبند کے پیر و مرشد حاجی امداد مہاجر مکی کا فتویٰ سنیے۔ شمائم امدادیہ میں مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ جب حضرت حاجی صاحب کے ہاں درس مثنوی کا ختم ہوا تو حضرت شیخ نے شربت بنانے کا حکم دیا اور ارشاد ہوا کہ اس پر مولانا روم کی نیاز کی جاوے گی۔ چنانچہ گیارہ گیارہ بار سورۃ اخلاص پڑھ کر نیاز کی گئی اور شربت بٹنا شروع ہوا۔ آپ نے فرمایا نیاز کے دو معنی ہیں ایک عجز و بندگی وہ سوائے خدا کے دوسرے کے واسطے نہیں ہے۔ اور دوسرے نذر و ثواب خدا کے بندوں کو پہنچانا یہ جائز ہے لوگ انکار کرتے ہیں۔ لیکن اس میں کیا خرابی ہے اگر کسی عمل میں عوارض غیر مشروع لاحق ہوں تو ان عوارض کو دُور کرنا چاہیے نہ کہ اس عمل سے انکار کر دیا جائے۔ ایسے امور سے انکار کرنا خیر کثیر سے باز رکھنا ہے۔ جیسے میلاد شریف میں اگر آنحضرتؐ کا نام آنے کی وجہ سے کوئی شخص تعظیماً قیام کرے یعنی کھڑا ہو جائے۔ تو اس میں کیا خرابی ہے۔ جب کوئی بڑا آدمی آتا ہے تو تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اگر اس سردار عالم عالمیان کے اسم گرامی کی تعظیم کی جائے تو کیا گناہ ہوا" (ختم ہوا بیان حضرت حاجی امداد اللہؒ کا)

اجمیر کو اجمیر شریف کہنے پر اعتراض: بعض زاہدانِ خشک کے سامنے جب کسی شہر کے ساتھ شریف کا لفظ لگایا جائے تو بگڑ جاتے ہیں لیکن حاجی امداد اللہ مہاجر مکی "شمائم امدادیہ" میں فرماتے ہیں جسے حضرت مولانا تھانوی نے شائع کرایا ہے کہ "ایک شخص نے اجمیر شریف کہا دوسرے نے کہا اجمیر، اجمیر ہے۔ شریف کیونکر ہو گیا۔ اس نے جواب دیا کہ تمہارا مزاج تو شریف کہا جاتا ہے اس پر خوش ہوتے ہو اور منع نہیں کرتے اور اجمیر کی شرافت پر جو مقبولان الٰہی کی

وجہ سے پیدا ہوئی ہے اس سے انکار کرتے ہو۔"

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک فاتحہ و نذر و نیاز جائز ہے:

اگرچہ تمام اہلحدیث حضرات اپنے آپ کو امام احمد بن حنبلؒ کا مقلد کہتے ہیں لیکن ان کے مسلک پر نہیں چلتے۔ امام موصوف کا مشرب تصوف تھا اور آپ بغداد کے بہت بڑے صوفی اور ولی اللہ حضرت بشر حافیؒ کے معتقد اور گرویدہ تھے۔ امام احمد کے ایک شاگرد نے اعتراض کیا کہ حضور ساری دنیا آپ کے سامنے جھکتی اور آپ ایک مست قلندر صوفی کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ مجھے احکام خدا کا علم ہے اور ان کو مجھ سے زیادہ خدا کا علم ہے۔ دوسری بات یہ ہے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے شمائم امدادیہ میں فرماتے ہیں۔

حنبلیوں کے ہاں یعنی امام احمد بن حنبلؒ کے فرقہ کے لوگوں کے ہاں جمعرات کے دن کتاب احیاء العلوم کا تبرکاً درس ہوتا ہے اور جب درس ختم ہوتا ہے تو تبرکاً دودھ تقسیم کیا جاتا ہے۔ غرضیکہ طریق نذر و نیاز قدیم زمانہ سے جاری ہے اس زمانہ میں لوگ انکار کرتے ہیں۔"

اسماع موتیٰ سے انکار:

بعض حضرات یعنی وہی مٹھی بھر لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اہل قبور کوئی بات نہیں سن سکتے حالانکہ احادیث میں کثرت سے اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جب تم قبروں پر جا کر السلام علیکم یا اہل قبور کہتے ہیں تو وہ وعلیکم السلام کہتے ہیں اور جب تم ان کے لیے دعا مغفرت کرتے ہو تو وہ تمہارے لیے دعا کرتے ہیں اور اگر تمہاری حالت اچھی ہے تو تمہارے والدین اور رشتہ دار جو مرچکے ہیں خوش ہوتے ہیں اگر تمہاری حالت بری ہے تو وہ مغموم ہوتے ہیں۔ اگر مردے سن نہیں سکتے تو پھر سلام کا جواب سلام اور دعا کا جواب دعا میں کیسے دیتے ہیں۔ ایک دفعہ ایک اہل حدیث راقم الحروف کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اسماع موتیٰ کے متعلق جتنی احادیث ہیں ان کا مطلب آپ لوگوں نے نہیں سمجھا۔ احادیث کا مطلب سمجھنے کے لیے قرآن کو دیکھنا چاہیے کہ اس مضمون کے متعلق قرآن کیا کہتا ہے۔ قرآن حکیم میں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنّکَ لا تسمع الموتیٰ (اے پیغمبرؐ آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے ہیں)، میں نے کہا ذرا اس سے آگے بھی پڑھیں۔ انہوں نے پس وپیش کیا تو میں نے اس آیت کو خود مکمل کیا جو یہ ہے۔ اِنّکَ لا تسمع الموتیٰ واذا ولّوا مُدبرین (اے پیغمبرؐ آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے کیونکہ جب آپ ان کو دعوت دیتے ہو تو وہ پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں)

میں نے کہا اگر موتیٰ سے مراد مُردے ہیں تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے قبرستان میں جاکر مُردوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور پھر وہ مُردے پیٹھ پھیر کر چلے جاتے تھے کس قدر مضحکہ خیز بات ہے۔ خدا کے واسطے قرآن کے غلط معنی نکال کر لوگوں کو گمراہ نہ کرو اور اُمت میں تفرقہ نہ ڈالو۔ میں نے کہا کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں موتیٰ کا ذکر آیا ہے اس سے مراد کافر لوگ ہیں جن کے دل مُردہ ہو چکے ہیں۔ اسی طرح جب قرآن مجید میں کافروں کو صُمٌّ عُمیٌ بُکمٌ کہا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ لوگ فی الواقع گونگے اندھے اور بہرے تھے بلکہ چونکہ ان کے دل مُردہ ہو چکے ہیں ان کو اندھے بہرے اور گونگے کہا گیا ہے اسی طرح کافروں کو مُردہ بھی کہا گیا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے؎

خشتِ اوّل چو نہد معمار کج | تا ثریا مے رود دیوار کج

جب ان لوگوں نے آیۂ قرآن کے معنی ہی غلط سمجھے ہیں تو اس غلطی کی وجہ سے وہ ان تمام احادیث کو غلط کہتے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مُردے تمہاری بات سُنتے ہیں۔

یہ تو عام مردوں کا حال ہے لیکن وہ خاصانِ خدا اور اہل اللہ جو اس دنیاوی زندگی میں حدیث قدسی بی یُبصرُ و بی یسمع بی یبطش کے مطابق اللہ کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اللہ کے کانوں سے سنتے اور اللہ کے قدموں سے چلتے ہیں تو اُن کے لیے تو بدرجہ اولیٰ اور بدرجہ اتم بعد مرگ لوگوں کی باتیں سُننے کی توفیق ہونی چاہیئے۔ جب عوام سُن سکتے ہیں تو خواص کیوں نہیں سُن سکتے۔

دوسری بات یہ ہے انسان جب مرجاتا ہے تو اس کا جسم مرجاتا ہے۔ روح زندہ

رہتی ہے اس لیے جب اہل قبور سے کوئی بات کی جاتی ہے تو اس کی روح سن کر جواب دیتی ہے اور ہمارے لیے دعا کرتی ہے بلکہ ان کا تصرف اس قدر بڑھا ہوا ہوتا ہے کہ آپ کے کاموں میں بھی امداد کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں شہدا کو مردہ کہنے کی سخت ممانعت آئی ہے۔ جب شہدار زندہ ہیں تو صدیقین یعنی اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام بھی زندہ ہیں بلکہ بدرجہ اتم زندہ ہیں کیونکہ قرآن مجید میں ان کے مراتب اس ترتیب سے بتائے گئے ہیں انبیاء و صدیقین والشہداء والصالحین۔ اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا مرتبہ شہدا سے زیادہ بلند ہے۔ جب شہید زندہ ہیں تو اولیاء کرام اور انبیاءؑ ان سے بھی زیادہ زندہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا ہے۔ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ (یعنی اولیاء اللہ مرتے نہیں ہیں۔ بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلے جاتے ہیں۔

ایک نکتہ: یہاں ایک نکتہ قابلِ غور ہے وہ یہ کہ تمام فرقے اس بات پر متفق ہیں کہ موت کے وقت آدمی کا جسم مر جاتا ہے لیکن روح زندہ رہتی ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ اگر روح زندہ نہ ہو تو عذاب و ثواب قبر وغیرہ بے معنی ہو جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب عام مسلمانوں بلکہ کافروں کی روح بھی زندہ ہے تو پھر شہداء میں اور ان میں کیا فرق ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے شہداء کو قرآن میں کیوں زندہ کہا ہے بعض ظاہر بین اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ شہدا ایسے کام کر جاتے ہیں کہ ان کا نام زندہ رہ جاتا ہے۔ یہ مفہوم بالکل غلط ہے کیونکہ کافر لوگ بھی ایسے کام کر جاتے ہیں جن سے ان کا نام زندہ ہو جاتا ہے۔

اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ شہداء کی زندگی عام مُردوں کی زندگی نہیں ہے عام مُردے تمہارے کاموں میں متصرف نہیں ہوتے لیکن شہداء کو یہ تصرف حاصل ہوتا ہے۔ ان معنوں کے سوا یہ آیت کسی اور معنی کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی خواہ کوئی جتنا زور لگائے۔ اب جب شہداء کو یہ تصرف حاصل ہے

کہ ان سے یہ کرامات صادر ہو سکتی ہیں تو پھر صدیقین۔ یعنی اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام

کو بدرجہ اتم یعنی اُن سے بھی زیادہ تصرف کی طاقت ہونی چاہیے۔ یہ عام فہم بات ہے۔ اس کو معمولی عقل کے لوگ بھی سمجھ سکتے ہیں۔

استمداد اور توسل: بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ لوگ قبروں پر جاکر مرادیں طلب کرتے ہیں۔ ایک واعظ ممبر پر کھڑے یہ کہہ رہے تھے کہ یہ جو لوگ کہتے ہیں اے داتا گنج بخش میری فلاں مراد پوری کر دے، فلاں مراد پوری کر دے۔ نہ کوئی داتا ہے نہ کوئی گنج بخش نہ کوئی حاجت روا ہے یہ سب شرک ہے۔ جب وعظ ختم ہوا تو اس احقر نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور آپ کے منہ سے تو یہ کلمات اچھے نہیں لگتے کیونکہ اس مسجد کی امامت کے لیے جتنے لوگ چندہ دیتے یا آپ کے پاس کھانا بھیجتے ہیں۔ قربانی کی کھالیں عطا کرتے ہیں یا صدقہ فطر عطا کرتے ہیں وہ سب کے سب آپ کے داتا اور حاجت روا ہیں یہ سن کر انہوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ تو زندہ ہیں اور تم لوگ مردوں سے حاجت طلب کرتے ہو۔ میں نے کہا قرآن مجید میں غیر اللہ سے مراد طلب کرنے کی ممانعت آئی ہے تو کیا آپ کے نزدیک زندہ لوگ غیر اللہ نہیں، اللہ ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب اولیاء کرام کو قرآن اور حدیث زندہ بتاتی ہے تو آپ ان کو کس طرح مردہ کہہ سکتے ہیں۔ اگر زندوں سے کچھ طلب کرنا شرک ہے تو جو لوگ آپ کو چندہ دیتے ہیں وہ بھی زندہ ہیں یہ بھی شرک ہونا چاہیے کیونکہ وہ غیر اللہ ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ جو شخص دے سکتا ہے اس سے لینا شرک نہیں ہے۔ میں نے کہا اول تو جو شخص دے سکتا اس سے لینا زیادہ شرک ہے کیونکہ جو نہیں دے سکتا اس سے طلب کرنا بے وقوفی ہوگی شرک نہ ہوگا۔ اگر آپ خدا کو چھوڑ کر کسی بندے سے حاجت روائی کرائیں تو ضرور شرک ہونا چاہیے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے نزدیک لوگوں سے حاجت طلب کرنا بھی شرک نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ فاعل حقیقی اللہ ہے اور فاعل مجازی انسان ہے۔ جب کوئی افسر آپ کو ملازم رکھتا ہے تو آپ کہتے ہیں کہ اللہ کا شکر ہے میری روزی لگ گئی ہے۔ لیکن روزی دینے والا تو وہ افسر ہے آپ اللہ کا شکر یہ اس لیے ادا کرتے ہیں کہ اصل دینے والا اللہ تعالیٰ اور مجازی دینے والا افسر ہے۔ البتہ

قرآن مجید میں جس غیر اللہ سے طلب کرنے کی ممانعت آئی ہے ان سے مراد بت ہیں یا کاہن اور جادوگر ہیں جو شیطانی قوت سے لوگوں کی حاجت روائی کرتے ہیں۔ لیکن اولیاء کرام غیر اللہ میں شمار نہیں ہوتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کے دوست ہیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ عزت سب میرے لیے ہیں رسول اللہ کے لیے ہے اور مومنین کے لیے ہے اس آیۃ سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اولیاء۔ انبیاء اور مومنین کو اپنے زمرہ میں شامل کیا ہے اور جو چیزیں اللہ کے زمرے سے خارج ہیں وہ ہیں بت، شیطان، جادوگر اور کاہن اس لیے قرآن میں ان چیزوں سے امداد طلب کرنے کی ممانعت آئی ہے لیکن خدا کے دوستوں سے امداد طلب کرنا تو گویا خدا سے امداد طلب کرنا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللّٰہ یعطی وَاَنَا قاسمٌ (عطا کرنے والا اللہ اور تقسیم کرنے والا میں ہوں)

یہ نظامِ الٰہی ہے اس لیے قدرت کے اس نظام میں معطی یعنی (عطا کرنے والے) سے طلب کیا جائے یا قاسم سے نظامِ قدرت میں دونوں امور جائز ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام آنحضرتؐ سے مرادیں طلب کرتے تھے اور آنحضرتؐ ان کی مرادیں پوری فرما دیتے تھے اب چونکہ اولیاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ہیں اس لیے وہ بھی اپنے دائرہ میں ایک حد تک قاسم ہیں۔ اور قاسم سے طلب کرنا اس حدیث کے بمصداق نظامِ خداوندی کے عین مطابق ہے۔ خیر یہ تو مسئلے کی بات ہے کہ دوستانِ خدا سے حاجات طلب کرنا یعنی ان کو مجازی حاجت روا سمجھنا اور حق تعالےٰ کو حقیقی حاجت روا سمجھنا شریعت میں جائز ہے لیکن عام طور پر مزارات پر جانے والے اس حد تک بھی نہیں جاتے اور صاحبِ مزار سے مرادیں طلب کرنے کی بجائے وہ ان کو وسیلہ بناتے ہیں اور ان کی خدمت میں یہ عرض کرتے ہیں کہ حق تعالےٰ سے میری یہ دعا قبول کرا دیجیے۔ مزارات پر جانے والے جانتے ہیں کہ مرد عورتیں سب آکر یہی کہتے نظر آتے ہیں کہ پیرا ہم تیرے در کے سوالی ہیں اور تو ہمارے لیے خدا کے در کا سوالی بن۔ اب اس میں کون سی شرک کی بات ہے جس سے یہ حضرات بگڑ جاتے ہیں اور ہمیں جینے نہیں دیتے۔

اکابر دیوبندؒ کا فتویٰ :

اس سلسلے میں ہم علمائے دیوبند کے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی کتاب ہفت مسائل کے اقتباسات پیش کرتے ہیں تاکہ آجکل کے دیوبندی حضرات کو معلوم ہوجائے کہ ان کے اکابر کا مسلک کیا تھا اور انہوں نے کیا سے کیا کر دیا ہے ۔ ندائے غیر اللہ کے مضمون پر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں :

"اس میں تحقیق یہ ہے کہ ندا سے مقاصد و اغراض مختلف ہوتے ہیں ۔ کبھی محض اظہار شوق کبھی تحسّر یعنی حسرت کا اظہار، کبھی محبوب کو اپنی فریاد سنانا، کبھی ان کو پیام پہنچانا، سو اگر مخلوق غیب کو پکارنا محض شوق وصال اور حسرت فراق کے لیے ہے جیسے عاشق اپنے معشوق کا نام لیا کرتے ہیں تو اس میں کوئی گناہ نہیں ۔ مجنوں کا قصہ مثنوی میں مذکور ہے ۔ ایسی ندا صحابہ رضؓ سے بکثرت روایات میں منقول ہیں ۔ اگر مخاطب کو اسماع یعنی سنانا مقصود ہے تو اگر تصفیہ باطن سے مخاطب کا مشاہدہ کر رہا ہے تو بھی جائز ہے اور اگر مشاہدہ نہیں کرتا اور سمجھتا ہے کہ فلاں ذریعہ سے اس کو خبر ہوجائے گی اور وہ ذریعہ معتبر ہے تو بھی جائز ہے ۔ ۔ ۔ اس اعتقاد سے اگر کوئی شخص الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہے تو کچھ مضائقہ نہیں ۔ ۔ ۔ یہاں سے معلوم ہو گیا حکم وظیفہ یا شیخ عبدالقادر شیئاً للہ کا ۔ لیکن اگر شیخ کو فاعل حقیقی سمجھے تو شرک کی طرف لے جانے والی بات ہے ۔ ہاں اگر وسیلہ اور ذریعہ جانے یا ان الفاظ کو بابرکت سمجھ کر خالی الذہن ہو کر پڑھے تو کچھ حرج نہیں ۔ یہ ہے تحقیق اس مسئلہ میں ۔"

ایک نکتہ :

یہاں ایک نکتہ بیان کرنے کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ روح زندہ رہتی ہے اور مرنے کے بعد عالم برزخ یا عالم ارواح میں موجود رہتی ہے ۔ عالم ارواح میں نہ زمین ہے نہ آسمان، نہ سورج نہ زمان، نہ مکان ۔ یاد رہے کہ زمان اور مکان اس وقت وجود میں آئے جب زمین اور سورج پیدا ہوئے سورج

کی رفتار سے وقت (TIME) یعنی سال، ماہ، دن اور گھنٹے وجود میں آئے اور زمین کے پیدا ہونے کے ساتھ مکان (SPACE) وجود میں آیا۔ زمین اور آسمان پیدا ہونے سے پہلے نہ وقت تھا نہ زمان نہ مکان۔ بلکہ لامحدودیت (ETERNITY) تھی۔ اسی طرح کائنات کے فنا ہو جانے کے بعد بھی وقت، زمان و مکان ختم ہو جائیں گے اور لامحدودیت رہ جائے گی۔ چنانچہ جب کوئی آدمی فوت ہوتا ہے تو اس کی روح عالمِ ارواح میں موجود ہوتی جہاں نہ کوئی زمان ہے نہ مکان، بس لامحدودیت قائم ہے چونکہ روحیں مکان و زمان کی قید سے آزاد ہیں اس لیے وہ ہر جگہ اور ہر وقت موجود ہوتی ہیں۔ روحوں کے لیے یہ کہنا کہ فلاں کی روح لاہور میں ہے یا اجمیر میں ہے مدینہ میں ہے یا مکہ میں ہے صحیح نہیں ہے بلکہ جب روحوں کے لیے نہ وقت ہے نہ مکان تو ہر روح ہر جگہ موجود ہے۔ اس لیے یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو مدینہ میں ہیں۔ تمہاری آواز کیسے سن سکتے ہیں یا تمہاری مجلس میں کیسے آسکتے ہیں۔ محض مضحکہ خیز ہے دم گئے ہی کہاں تھے کہ آنے کا سوال پیدا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو جلیل القدر پیغمبر ہیں معمولی آدمیوں کی روح بھی ہر جگہ موجود ہوتی ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم کسی مُردے کو السلام علیکم کہتے ہو تو وہ جواب دیتا ہے لیکن تم اس کا جواب نہیں سُن سکتے۔ اس بات کا مشاہدہ تو آجکل کے فنِ رابطہ ارواح سے بھی ہو سکتا ہے جو میبل ٹیپنگ (TABLE TAPPING) کے نام سے مشہور ہے۔ اگر آپ چاہیں، تو جس روح کو بلائیں وہ آپ کے پاس آسکتی ہے اور جو سوال کریں جواب دے سکتی ہے۔ راقم الحروف کے لڑکوں کو بھی یہ طریقہ آتا ہے اور اپنے رشتہ داروں کی ارواح کو بلا کر سوال و جواب کرتے ہیں لیکن سوال جواب بات چیت کے ذریعے نہیں ہوتا بلکہ اور قسم کے اشارات سے ہوتا ہے۔ میز پر ایک بڑے کاغذ پر الف سے یے تک تمام حروف لکھ لیے جاتے ہیں اور کاغذ کے وسط میں کوئی چیز مثلاً سیاہی کی شیشی کے ڈھکنے کی طرح کوئی چیز رکھ دی جاتی ہے اور جب ارواح کو سوال کیا جاتا ہے تو وہ چیز خود بخود حرکت میں آکر مختلف حروف کی طرف جاتی ہے اور الفاظ

بن جاتے ہیں اس حرکت کے محرک ارواح ہوتے ہیں اسی طرح حاضرات کا علم ہے جس کے ذریعے جنات کی روحوں کو بلاکر کام لیا جاتا ہے - اس سے ندا بالغیب اور حاضر و ناظر کے مسائل خود بخود حل ہو جاتے ہیں -

مسئلہ نور اور بشر: اسی طرح مسئلہ نور اور بشر کو بھی کم فہم لوگوں نے نزاعی مسئلہ بنا دیا ہے حالانکہ معاملہ صاف ہے - ویسے تو ہر انسان مجموعہ ہے روح اور جسم کا - جسم خاکی چیز ہے اور فانی ہے اور روح غیر فانی ہے کیونکہ بمصداق آیۂ کریمہ فَنَفَخْتُ فِيهِ من الروحي یہ حق تعالیٰ کی روح کی صدائے بازگشت ہے - نیز یہ بھی امر مسلمہ ہے اور آجکل کی سائنس نے بھی اسے ثابت کر دیا ہے کہ اشیاء کا وجود مستقل وجود نہیں ہے بلکہ وہمی اور اعتباری (RELATIVE) ہے نظریۂ اضافیات (THEORY OF RELATIVITY) کے ماہر ڈاکٹر آئن سٹائن کی تحقیق یہ ہے کہ مادہ اور فضا یعنی خلا دونوں کا وجود ایک ہے - خلا ٹھوس شکل اختیار کرکے مادہ بن گئی ہے اور مادہ ابخار بن کر خلا بن گیا ہے - اس صورت میں مادہ اور خلا کی اصل ایک ہے اب خلا کو آپ نور کہیں، بخارات کہیں، فضا کہیں یا وحدتِ وجود کہیں سب جائز ہے - چونکہ عقلاء اور عرفاء کے نزدیک اشیاء کا وجود وہمی، ظنی اور اعتباری ہے - لہٰذا جو کچھ موجود ہے نور ہی نور ہے یہ تو عام اشیاء اور عام موجودات کا حال ہے - اب حضرتِ انسان کو لیجئے، حضرتِ انسان تو اشرف المخلوقات ہے کیونکہ اس کے اندر روح اللہ موجود ہے - اس حقیقت کو مزید واضح کرنے کے لیے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے - نَحْنُ اَقْرَبُ الیہ من حبل الورید (میں انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہوں) اب جو چیز آپ سے قریب تر ہے وہ شہ رگ ہے اس سے زیادہ اقرب یعنی قریب تر کیا ہو سکتا ہے وہ ہے ذاتِ باری تعالیٰ - یہ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت ہے اس کا مطلب اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ انسان کا وجود کالعدم ہے اور جو کچھ ہے روح ہی روح ہے - یہ تو عام انسان کی پوزیشن ہے - لیکن وہ حضرات جو اپنے وجود اور جسم کو مجاہدات کی بھٹی میں جلاکر خاکستر کر چکے ہیں اور

سراپا روح بن کر ذاتِ باری تعالےٰ میں فنا حاصل کر چکے ہیں اور حدیثِ قدسی بی یسمع اور بی یبصر اور انہ ینظر بنور اللّٰہ کے مطابق ذات وصفاتِ حق میں گم ہو چکے ہیں وہ تو عام اشیاء عالم اور عام انسانوں سے زیادہ نور ہیں بلکہ نور" علیٰ نور" ہیں۔ یہ ہے حالت اولیاء کرام کی۔ اب آپ اس ذاتِ بابرکات کی طرف آئیں جو بمصداق لولاک لما خلقت الافلاک باعثِ تخلیقِ کائنات ہیں۔ تجلی اول، تعین اول اور نور اول ہیں جس سے ساری کائنات وجود میں آئی ہے اور بمصداق حدیثِ اول ما خلق اللّٰہ نوری وخلق کل شیئٍ من نوری (اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا فرمایا اور پھر میرے نور سے ساری کائنات کو پیدا فرمایا) ساری کائنات اور تمام موجودات کا منبع ومصدر ہیں ان کے روح کی کیا کیفیت ہوگی۔ جب اولیاء کرام بھی کہتے چلے آئے ہیں کہ اشیائے عالم کا وجود ظنی، وہمی اور اعتباری ہے اور جب سائنس کی تحقیقات بھی یہی ہے تو اشیائے عالم کا وجود خارج میں حقیقی نہیں ہے لیکن ہمیں اسی طرح نظر آیا ہے۔ یہ حال عام اشیاء کا ہے اس سے اوپر آدمی کا مرتبہ ہے جس میں روح ربانی جلوہ گر ہے اس سے اوپر اولیاء کرام کا مرتبہ ہے۔ جو جسم کی بچی کھچی راکھ کو بھی معدوم کر چکے ہیں۔ ان سب کے اوپر انبیاء کا مرتبہ ہے اور سب سے اوپر اللہ کے نزدیک حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ ہے جو بدرجہ اتم جسم کی قیود کو ختم کر چکے ہیں حتیٰ کہ سایہ بھی نہیں تھا اور نور ہی نور رہ گئے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہا گیا ہے وہاں وحی کا امتیاز بھی لگا دیا گیا۔ مثلاً فرمانِ ربی ہے قل انا بشرٌ مثلکم یوحیٰ الیّ یعنی میں بھی تمہاری طرح کا انسان ہوں لیکن وہ انسان جس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں عام بشر اور وہ بشر جس پر وحی نازل ہو دونوں میں اتنا فرق ہے جتنا کہ ایک حیوان اور انسان میں ہے۔ یہ شبلی کا قول ہے لیکن ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اس سے بھی زیادہ فرق ہے۔ یوں سمجھ لینا چاہیے کہ ہر انسان حیوان ہے یعنی جاندار ہے لہٰذا اگر کوئی شخص آپ کو کہے کہ آپ حیوان ہیں تو ایک

لحاظ سے وہ سچ کہہ رہا ہے لیکن وہ آپ کی بے ادبی بھی کر رہا ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے جو عقل کی امتیازی خصوصیت آپ کو عطا فرمائی ہے وہ آدمی اس کو ترک کر رہا ہے۔ اسی طرح عام انسان اور ایک نبی یا رسول میں جو وحی الٰہی کا امتیاز اللہ تعالےٰ نے عطا فرمایا ہے اس کو بھول کر کوئی شخص ایک نبی کو بشر کہہ دے تو وہ بھی اسی قدر گستاخی کا مرتکب ہوگا جیسا کہ ایک انسان کو حیوان کہنے والا بلکہ اس سے بھی زیادہ گستاخ ہوگا کیونکہ حیوان اور انسان کے درمیان صرف عقل کا فرق ہے لیکن عام بشر اور وہ بشر جس کو وحی الٰہی کا شرف حاصل ہے اس میں جو فرق ہے وہ وحی کا فرق ہے اور عقل سے وحی کا مرتبہ اور فضیلت کئی درجے زیادہ ہے۔ اس لیے وہ حضرات جن پر وحی ہوتی ہے بشریت کی حد سے اُسی طرح بلند و بالاتر ہو جاتے ہیں جس طرح کہ ایک انسان عقل کی بدولت جانوروں سے بلند اور بالاتر اور ایک بالکل علیحدہ جنس بن جاتا ہے اسی طرح نبی بھی وحی کی بدولت بشر کی جنس سے نکل کر بالکل علیحدہ جنس بن جاتا ہے۔ جس پر سوائے نور کے اور کوئی اسم صادق نہیں آتا۔ کیونکہ وہ بشری قیود اور بشری تقاضا جات سے ارفع و اعلیٰ پہنچ کر سراپا نور بلکہ نورٌ علیٰ نور بن جاتا ہے اور ذاتِ حق میں گم ہو کر فرد بن جاتا ہے اور جو کچھ کہتا ہے اور کرتا ہے اس حدیثِ قدسی کے مطابق اللہ کی صفات سے کرتا ہے اور کہتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تجلی اوّل اور تعین اوّل اور نور اوّل ہیں اور سارا جہان آپ کے نور سے پیدا ہوا ہے اس لیے درحقیقت آپ ساری کائنات کا منبع و مصدر ہیں اور صرف مجازی طور پر ابن آدم ہیں حقیقت میں آپ ابوالآدم ہیں اور بشریت سے بے حد اوپر ہیں۔ حقیقتِ محمدؐ کے تجلی اوّل اور تعین اوّل ہونے کا علم انبیاء ماسبق کو بھی ہوا تھا۔ اس لیے یونانی فلسفہ میں حقیقتِ محمدیؐ یا تعین اوّل کا نام لوگاس (LOGOS) آیا ہے۔ جس کا مطلب ہے رُوح یا نور یا نفس رحمانی اور بطلیموس جو بہت بڑا عارف اور فلسفی تھا۔ اس کے نزدیک حقیقتِ محمدیہ کا نام نوُز (NOUS) ہے جو دراصل نور ہے۔ جب اگلی اُمتوں کے اکابرین

فلاسفر اور عارفین بھی آنحضرت کو نور اول اور منبع ومصدر موجودات قرار دے رہے ہیں تو معلوم نہیں ہمارے چند مٹھی بھر مسلمانوں کو کیا ہو گیا کہ بشر بشر کی رٹ لگا رہے ہیں۔

عارف جامی نے مسٔلہ بشر کو کس خوبی سے سمجھا ہے فرماتے ہیں:

نہ بشر خوانمت اے دوست نہ حور نہ پری | ایں ہمہ بر تو حجاب است تو چیزے دگری
نور پاکی و فسانست حدیث گل و آب | محض لطفی و بہانست لباس بشری

(اے دوست نہ میں تجھے بشر کہتا ہوں اور نہ حور اور نہ پری۔ یہ سب تجھ پر حجاب ہے۔ تو اور چیز ہے۔ تو پاک نور ہے۔ اور یہ تیرے مٹی اور پانی ہونے کی بات ایک افسانہ ہے۔ تو محض لطف ہے اور یہ تیرا بشریت کا لباس ایک بہانہ ہے)

خانقاہی نظام پر اعتراض:

بعض لوگوں کو اعتراض کرنے کی ایسی عادت ہو گئی ہے کہ ایسی چیزوں پر بھی اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ جن کی وجہ سے اسلام اور امت کے لوگوں کو بے حد فائدہ ہوا ہے۔ ان میں سے ایک چیز خانقاہی نظام ہے۔ جس نے اسلامی ممالک میں ایسی عدیم المثال ہستیاں پیدا کیں کہ جنہوں نے اپنے نور ہدایت سے سارے جہاں کو منور کر دیا اور لاکھوں کروڑوں انسانوں کو کفر و گمراہی سے نکال کر اسلام کی آغوش میں لا کر کھڑا کر دیا۔ خانقاہی نظام پر یہ لوگ یہ اعتراض وارد کرتے ہیں کہ اس میں توکل اور قناعت کی تعلیمات سے مسلمانوں کے اندر جمود پیدا ہو گیا اور ترقی نہ کر سکے۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ معترضین حقیقت اسلام سے واقف ہیں نہ تاریخ اسلام سے، کیونکہ توکل اور قناعت وہ اوصاف حمیدہ ہیں کہ جن کی قرآن مجید اور حدیث نبوی میں تاکید آئی ہے اور ان ہی صفات حسنہ سے متصف ہو کر مسلمانوں نے حرص وہوس اور نفس پرستی جیسی بہیمانہ صفات سے پاک ہو کر فرشتوں سے بھی اوپر مقام پیدا کیا اور دنیا بھر میں ایسے مقبول ہوئے کہ مختلف ممالک کے لوگ مسلم فاتحین کو دعوت دے کر اپنے ملکوں میں بلاتے تھے اور ظالم بادشاہوں سے نجات حاصل کرتے تھے۔ نیز معلوم ہوتا ہے کہ معترضین نے توکل اور قناعت کے معنی ہی نہیں سمجھے۔ توکل کا مطلب یہ نہیں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ اور غیب سے

رزق کے منتظر رہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ فاعل حقیقی اللہ تعالےٰ ہے کوئی کام اس کی مشاورہ امداد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ آدمی خواہ کتنا زور لگائے جب تک اللہ کو منظور نہیں ہوگا وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اسلام نے توکل کی تعلیم اس لیے دی ہے کہ اپنی مادی اور روحانی ترقی کے لیے خوب محنت کرو لیکن جہاں تک نتائج کا تعلق ہے ان کو اللہ پر چھوڑ دو۔ اسی پر بھروسہ رکھو اور اسی کی امداد طلب کرو۔ اسی طرح قناعت کا مطلب یہ نہیں کہ تم روکھی سوکھی پر اکتفا کرو اور ہاتھ پاؤں ہلانا بند کر دو بلکہ قناعت کا مطلب یہ ہے کہ خوب کماؤ اور ترقی کرو لیکن اپنی ذات پر کم سے کم صرف کرو اور باقی جو کچھ بچ رہے اسے قوم کے مستحق افراد میں تقسیم کر دو۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے توکل اور قناعت جیسی صفات حسنہ کو اپنا کر نفسانیت کا قلع قمع کیا اور اپنی بے لوثی اور ایثار کی بدولت دنیا پر چھا گئے

اس میں شک نہیں کہ خانقاہوں میں قیام کے دوران جس طرح معلمین یعنی مشائخ عظام کو شدید مصروفیت کی وجہ سے رزق کمانے کی فرصت نہیں ہوتی تھی۔ متعلمین اور سالکین کو بھی ان خانقاہوں میں عارضی قیام کے دوران دیگر مشاغل کو ترک کر کے ہمہ تن اور ہمہ وقت اپنی دینی تعلیم اور روحانی تربیت میں منہمک رہنے کی ضرورت تھی اور یہ چیز کس فن اور کس پیشہ میں نہیں ہے۔ کیا آجکل کے ترقی اور تمدن کے زمانے میں تعلیم کے دوران طالب علموں کو بورڈنگ ہاؤس کے تنگ و تاریک کمروں میں نہیں رہنا پڑا اور دیگر تمام مشاغل کو ترک کر کے تعلیم اور صرف تعلیم کو پورا وقت نہیں دیا جاتا۔ اس کے بعد فنون یعنی ڈاکٹری، انجنیئرنگ اور وکالت وغیرہ میں مہارت حاصل کرنے کے لیے کیا ان کو ہمہ تن اور ہمہ وقت اپنے فن کے حصول میں مصروف نہیں ہونا پڑتا لیکن جب تعلیم و تربیت سے فراغت حاصل ہو جاتی ہے تو شادی بھی کی جاتی ہے بیاہ بھی کیا جاتا ہے، ملازمت کی جاتی ہے۔ مکان بنائے جاتے ہیں اور زندگی کی تمام سہولتیں بہم پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے بعینہٖ اسی طرح جب سالکین یعنی طالبان راہ خدا مشائخ عظام کے زیر نگرانی روحانی تعلیم و تربیت ختم کر کے قرب اور معرفت الٰہی کے بلند مراتب پر پہنچ جاتے تھے تو ان کو خلافت دی جاتی تھی اور مختلف

علاقوں میں بھیج کر ان کو ہدایت خلق کے لیے مامور کیا جاتا تھا۔ ان خانقاہوں میں بلاشبہ معلم حضرات نہ خود کوئی اور کام کر سکتے تھے نہ طالبانِ راہِ خدا کو تعلیم و تربیت کے دوران رزق کمانے دیتے تھے بلکہ توکل اور قناعت کی تلقین کرتے تھے تاکہ دنیاوی جاہ و جلال کی بجائے وہ درویشی کو شیوہ بنائیں اور آگے چل کر اسی بے لوثی اور بے غرضی سے اپنی اپنی خانقاہوں میں محض توکل علی اللہ پر طالبانِ راہِ خدا کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہوں جس طرح ان کے مشائخ ہوئے تھے۔

مشائخ عظام کیوں رزق کمانے سے پرہیز کرتے تھے:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خانقاہوں کے معلم حضرات یعنی مشائخ عظام کیوں روزی کمانے سے گریز کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ایسا کام اختیار کر لیا تھا کہ جسے اہم ترین، بلند ترین اور شریف ترین مشغلہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح انہوں نے ہدایتِ خلق اور اصلاحِ امت جیسی اہم ترین اور بلند ترین ذمہ داری اپنے سروں پر لے لی تھی اور یہ وہ کام تھا جو پورا وقت پوری ہمت اور پوری توجہ کا محتاج تھا۔ اگر مشائخ عظام خلقِ خدا کی تعلیم و تربیت کے ساتھ روزی کمانے میں بھی مصروف ہوتے تو وہ اپنے منصب میں کبھی کامیاب نہ ہوتے۔ اس واسطے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبردست قربانی دے کر اپنی ضروریات کو بالائے طاق رکھا اور فقر و فاقہ میں زندگی بسر کر کے اصلاحِ اُمت کا اہم فریضہ انجام دیا بعینہٖ اسی طرح مشائخ عظام نے فقر و فاقہ کو نازِ نعمت پر ترجیح دی اپنے آپ کو بال بچوں کو بھوکوں مارا، مخالفین کی طعن و تشنیع برداشت کی لیکن ہدایتِ خلق کے کام کو نہ چھوڑا اگر معترضین کے دل میں ذرا بھر انصاف ہو تو ان کو اُلٹا مشائخ عظام کی اُن قربانیوں اور کاوشوں کو سراہنا چاہیے کہ جب باقی لوگ دونوں ہاتھوں سے دولت جمع کرنے میں مشغول ہوتے تھے تو مخلصانِ خدا جنگلی پھلوں، سوکھے ٹکڑوں پر گزارہ کر کے نبوت کی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور سالکانِ راہِ خدا کی روحانی تربیت میں ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف ہوتے تھے۔ چنانچہ

یہ ان کی عظیم الشان قربانی تھی نہ کہ کاہلی اور بے کاری کہ املاک اور کوٹھیاں بنانے کی بجائے انہوں نے لوگوں کے کردار بلند کرنے، اصلاح نفس کرنے اور ان کو خدارسیدہ کرنے کے لیے زندگیاں وقف کر دی تھیں اور اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ اس کا نتیجہ یہ ظاہر ہوا ہے کہ جہاں دنیا کے دون کے طالبوں کی کمائی ہوئی دنیا نے ان کو فتنہ و فساد میں مبتلا کیا اور آپس میں لڑ مر کر انہوں نے اُمت محمدیہ کا شیرازہ بکھیر دیا۔ ان درویشوں اور فقر و فاقہ پر قناعت کر کے عوام کی اصلاح کرنے والوں نے اسلام کی جڑیں لوگوں کے دلوں میں اس قدر مضبوط کر دیں کہ آج تک اسلام قائم و دائم ہے۔

آج کل جب کہ حکومت کے پاس تیز سے تیز ذرائع آمد و رفت موجود ہیں اور کافی فوج اور پولیس بھی ہے لیکن لوگوں کے اعمال کیوں خراب ہیں اور لوگ قانون شکنی پہ کیوں آمادہ ہیں اس لیے کہ ان کے قلوب کی اصلاح نہیں کی جا رہی۔ اس کے برعکس جب قرون اولیٰ میں مشائخ عظام کا خانقاہی نظام زوروں پر تھا اور چپے چپے پر اولیاء کرام کے مرکز قائم تھے تو معاشرہ کی اس طرح اصلاح ہوتی تھی کہ ہر شخص خوفِ خدا اور ایثار و محبت کے جذبات میں آ کر حکومتِ وقت کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ لیکن آج کل معاشرہ کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ لوگوں کو قانون شکنی اور حکم عدولی میں مزہ آتا ہے لہٰذا اس دور میں بھی لوگوں کے قلوب کی اصلاح کے لیے خانقاہی نظام کی سخت ضرورت ہے اور جہاں جہاں اپنے محدود انداز میں امت کے بہی خواہ اس کام میں مشغول ہیں۔ ان پر طعن و تشنیع کی بجائے ان کے ہاتھ بٹانے کی ضرورت ہے۔

سماع صوفیہ پر اعتراض:

صوفیاء کرام اور مشائخ عظام پر سب سے زیادہ اعتراضات سماع کے بارے میں کیے جاتے ہیں اس لیے ہم کسی قدر شرح وبسط کے ساتھ اس مضمون پر بحث کریں گے تاکہ حق حق ہو جائے اور باطل باطل۔ اس مضمون میں پہلے ہم حقیقتِ سماع بیان کریں گے اس کے بعد سماع کے متعلق آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی بیان کریں گے اور ان کے متعلق مفسرین محدثین اور ائمہ مجتہدین کے اقوال بیان کریں گے اور آخر میں حضرت مشائخ چشت بلکہ مشائخ قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ کے وہ واقعات درج کریں گے جن میں ان حضرات کا سماع سننا ثابت ہوتا ہے۔

حقیقتِ سماع: ہم سب انسان ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ تمام انسانوں کے دل میں محبت کے جذبات موجود ہیں۔ لیکن یہ جذبات بعض لوگوں کے دل میں بہت زیادہ ہوتے ہیں بعض میں کم۔ جن لوگوں میں محبت کی کمی ہوتی ہے ان کی سب مذمت کرتے ہیں اور ان کو مردہ دل، مٹی کی دیوار، سنگدل وغیرہ القاب دیئے جاتے ہیں۔ یہ محبت صرف انسان کے دل میں نہیں ہے بلکہ جانور بھی اس سے بہرور ہیں اور اب تو سائنس کی نئی ایجادات نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ محبت نباتات اور جمادات میں بھی کارفرما ہے جیسے کشش ثقل (GRAVITY) اور کائنات کے مختلف ذرات مثل الیکٹرانس، پروٹرانس اور نیوٹرانس کے آپس کے ملاپ کشش اور جذب کے ناموں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور یہ ذرات کائنات کی ہر چیز میں موجود ہیں اور ان ہی وجہ سے کائنات کی ہر چیز میں حرکت پائی جاتی ہے اور دنیا کا پروگرام چل رہا ہے اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں جذب و محبت اس لیے کارفرما

ہے کہ خالق کائنات نے کائنات کو پیدا ہی اس غرض سے فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کُنتُ کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق (میں حسن و جمال اور کمالات کا ایک مخفی خزانہ تھا مجھے اس بات کا عشق ہوا کہ میں پہچانا جاؤں یعنی میرے حسن و جمال و کمالات کو پہچان کر لوگ مجھ سے محبت کریں) اس عشق و مستی کا ایک بار پھر اعادہ اس وقت ہوا جب حق تعالیٰ نے روحوں سے خطاب فرمایا اَلَستُ بِرَبِّکُم (کیا تمہارا رب نہیں ہوں) اس کے جواب میں روحوں نے جواب دیا قالوا بلیٰ (بے شک تو ہمارا رب ہے) یہ کہتے ہی مسلمانوں کی روحیں مست و سرشار ہو کر حق تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر گئیں۔

آئینِ محبت پہ قرآنِ عظیم کی مزید شہادت:

نیز حق تعالیٰ نے کلام پاک میں عشق و محبت کو آئین مذہب قرار دیا ہے۔ ایک جگہ فرمان ہوتا ہے: والذین آمنوا اشد حباً للّٰہ (جو لوگ ایماندار ہیں ان کے دل میں حق تعالیٰ کے لیے شدید محبت ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے دل میں حق تعالیٰ کی محبت نہیں ہے وہ ایماندار بھی نہیں ہے بے ایمان ہے۔ ایک جگہ فرمایا ہے: اِن کُنتُم تُحِبّونَ اللہ فاتبعونی یُحببکم اللہ (اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ یعنی تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے) اس آیت میں نہ صرف عاشقی کی تاکید کی گئی ہے۔ بلکہ معشوق و محبوب رب العلمین بننے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے وہ طریقہ کیا ہے اتباع رسولؐ ہے اتباع دو قسم کی ہوتی ہے۔ اتباع ظاہری یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری اعمال کا اتباع کرنا اور اتباع باطنی یعنی آپ کے باطنی مراتب مثل قرب و معرفت اور عشق و محبت الٰہی کی تمنا کرنا۔ صرف ظاہری اتباع پر اکتفا کرنا نصف سے زیادہ اسلام کو چھوڑ دینا ہے۔

احادیث میں عشق و محبت کی تاکید:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے الا لا ایمان لہ من لا محبۃ لہ۔

(خوب اچھی طرح سن لو کہ جس کے دل میں محبت نہیں ہے وہ ایماندار نہیں ہے) بلکہ بے ایمان ہے۔ یہ کلمات آپ نے تین مرتبہ دہرائے۔ نیز حدیث قدسی میں آیا ہے جسے امام بخاری و مسلم وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب میرا بندہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور نوافل یعنی زائد عبادات و ریاضت کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں اس کے قریب ہو جاتا ہوں حتیٰ کہ میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے دیکھتا ہے (بی یبصر) میں اس کے کان بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے سنتا ہے۔ (بی یسمع) میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے پکڑتا ہے (بی یبطش) میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے چلتا ہے (بی یمشی) اور میں اس کی زبان بن جاتا ہوں اور وہ مجھ سے بات کرتا ہے (بی ینطق) اور میں اس سے محبت کرتا ہوں اور مجھ سے جو کچھ طلب کرتا ہے دیتا ہوں۔ اس حدیث پاک میں بھی نہ صرف عشق و محبت الٰہی کی تاکید وارد ہوئی ہے بلکہ محبوب بننے اور اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہونے اور اس کی ذات میں فنا ہونے کا طریقہ بتایا ہے۔ یعنی ریاضت و مجاہدہ کرنا اور عشق الٰہی میں کوشاں رہنا۔

اب سماع صوفیہ کی حقیقت یہ ہے کہ کلام پاک میں احادیث میں اور دوسرے لوگوں کے اقوال و اشعار میں جو محبوب حقیقی کی مدح و ثنا بیان کی گئی اس کے سننے کا اہتمام کرنا اور آتش عشق الٰہی کے شعلوں کو اس قدر بھڑکانا کہ غیر اللہ کا وجود جل کر راکھ ہو جائے حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی قدس سرہٗ نے خوب فرمایا ہے ؎

سر و سامانِ وجودم شررِ عشق بسوخت ۔۔۔ زیر خاکستر دل سوزِ نہانم باقی است

امیر خسروؒ فرماتے ہیں ؎

روز یکہ ذرہ ذرہ شود استخوانِ من ۔۔۔ باشد ہنوز در دلِ ریشم ہوائے تو

ایک صاحب فرماتے ہیں ؎

مپنداری کہ عشق تو رود از دلِ عاشق ۔۔۔ چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد

اب زاہدانِ خشک سماع اور شعر و سخن سے اس لیے منع کرتے ہیں کہ اس سے

شہوانی جذبات اُبھرتے ہیں ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ کیا شہوانی جذبات کھانا کھانے سے نہیں اُبھرتے اور کیا آپ نے کھانا کھانا بند کر دیا ہے۔ ہرگز نہیں، کھانا کھایا جاتا ہے اور شہوانی جذبات اُبھرتے رہتے ہیں لیکن ان جذبات کی صحیح طور پر ورش کی جاتی ہے۔ یعنی شادی بیاہ کے ذریعے مشروع طریقے پر ان جذبات کو پورا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں عورت کے وجود سے بھی شہوانی جذبات اُبھرتے رہتے ہیں لیکن کون عقلمند ہے جو ان جذبات کو بند کرنے کی خاطر عورت کے وجود کو دنیا سے مٹانے کی کوشش کرتا ہے بعینہٖ سماع سن کر دل میں عشق و محبت کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں۔ لہٰذا جس طرح غذا سے پیدا شدہ شہوانی جذبات کو صحیح طور پر پورا کیا جا سکتا ہے اسی طرح سماع کے جذبات کا بھی صحیح استعمال کیا جا سکتا ہے یعنی حق تعالیٰ کے عشق و محبت اور قرب و معرفت میں ترقی کی جا سکتی ہے جو اسلام کی غرض و غایت ہے۔ بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو غذا سے جو جذبات پیدا ہوتے ہیں وہ خالص شہوت کے جذبات ہوتے ہیں اور ان کو غیر محرم کی بجائے محرم یعنی اپنی بیوی کے ذریعے پورا کیا جاتا ہے لیکن غذا کا کھانا ہرگز بند نہیں کیا جاتا لیکن سماع سے جو جذبات پیدا ہوتے ہیں وہ خالص شہوت پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ وہ حق تعالیٰ کے عشق و محبت کے جذبات بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن غذا سے پیدا شدہ جذبات عشق و محبت الٰہی سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ لہٰذا زاہدانِ خشک اگر جذبات کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو وہی جذبات ختم کریں جن سے خالص شہوت پیدا ہوتی ہے اور کھانا چھوڑ دیں۔ ان جذبات کو کیوں بند کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس میں عشق مجازی کے علاوہ عشق حقیقی بھی وافر در وافر ہوتا ہے چنانچہ شریعت نے نہ کھانا بند کرنے کا حکم دیا ہے نہ سماع سننے سے منع کیا ہے بلکہ ان دونوں چیزوں کے غلط استعمال سے منع کیا ہے۔

سماع سے عام طور پر کیوں پرہیز کیا جاتا ہے:

اگرچہ سماع بالمزامیر یعنی باجوں کے ساتھ سماع سننے کے واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی زندگی میں بے شمار ملتے ہیں لیکن پھر بھی بعض صحابہ کرام تابعین، تبع تابعین اور بعض مشائخ عظام نے سماع

سے پرہیز کیا ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض احادیث میں بجا طور پر اس لہو و لعب اور بے ہودہ کھیل تماشے اور غیر شرع اشعار سننے کی ممانعت آئی ہے۔ جو اُس زمانے میں بھی اور آج کل ہمارے زمانے میں بھی ہر شخص کے نزدیک بے ہودہ اور لغو ہیں مثلاً فلمی گانے اور سینما میں فلمی کھیل تماشا جس میں نامحرم عورتوں سے عشق و مستی کی داستانیں بیان کی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ سماع کی ممانعت میں بعض احادیث ایسی بھی آئی ہیں جو محدثین کے نزدیک ضعیف اور ظنی ہیں لیکن چونکہ ان ضعیف اور ظنی احادیث کے صحیح ہونے کا خفیف سا بھی امکان موجود ہوتا ہے اس لیے بعض صلحا ر نے جو فرمانِ نبوی کی بجا آوری میں کمر بستہ رہتے تھے۔ کمال احتیاط کے جذبہ میں آکر ان ضعیف اور ظنی احادیث کو بھی آنکھوں پر رکھا اور سماع ترک کر دیا۔ یہ احادیث کو کیا سنتِ نبوی کے پروانوں نے تو ایسا کمال کیا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کم کھانے کی ہدایت فرمائی تو انہوں نے کئی کئی روز کے مسلسل روزے یعنی صوم دوام (بغیر سحری و افطار شروع کر دیئے) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اگر جسم کے بالوں میں سے ایک بال بھی خشک رہ جائے تو غسل صحیح نہیں ہوتا اور جنابت دور نہیں ہوتی تو حضرت علیؓ نے سارا سر منڈوا دیا حالانکہ سر نہ منڈوانے کے باوجود بھی سر کے بالوں کو تر کیا جا سکتا تھا۔ اسی طرح جب حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں قرآنِ پاک کی یہ آیت نازل ہوئی۔ لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی (نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز سے اوپر اپنی آواز کو نہ جانے دو) تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کمال احتیاط سے منہ میں کنکریاں رکھ کر بات کرتے تھے۔ حالانکہ کنکریوں کے بغیر بھی اپنی آواز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے نیچے رکھ سکتے تھے۔ اسی طرح جب حضرت بایزید بسطامیؒ کو احادیث سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خربوزہ کس طرح کاٹ کر تناول فرمایا تو آپ نے خربوزہ کھانا ہی بند کر دیا اس وجہ سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی اور طریقہ سے خربوزہ کھاؤں اور خلافِ سنت کا مرتکب ہو جاؤں۔ ایک دفعہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک جگہ پر بیٹھ کر قضائے حاجت

فرماتی تھی۔ چنانچہ وہ صحابی جب ہی اس مقام سے گزرتے تھے تو اسی جگہ پر تھوڑی دیر بیٹھ جاتے تھے حالانکہ ان کو قضائے حاجت کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ محض سنت پر عمل کرنے کا شوق دامنگیر تھا۔

اسی وجہ سے بعض صلحا نے اُن ضعیف اور ظنی احادیث پر بھی عمل کیا جو سماع کی حرمت میں آئی ہیں اگرچہ ماہرینِ فن یعنی محدثین حضرات کے نزدیک وہ احادیث قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔ اسی طرح قرآنِ حکیم میں جو لہو الحدیث کی آیت کریمہ وارد ہوئی ہے اس میں ایک کافر نضر بن حارث کی ان لغویات سننے سے منع کیا گیا جن کا وہ اپنے گھر پر اس لیے اہتمام کیا کرتا تھا تاکہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جائیں۔ ہوا یہ تھا کہ اس نے ایران سے ایک گانے والی عورت منگوائی تھی اور رات بھر اس کے گانے کا انتظام کرتا تھا اور رستم واسفندیار کے قصے کہانیاں بیان کرتا رہتا تھا۔ حالانکہ رستم واسفندیار کے قصے سننا شرع میں منع نہیں ہے لیکن چونکہ اس شخص کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو ان دلچسپ مشاغل میں مشغول رکھا جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک سے باز رکھا جائے اس لیے قرآنِ عظیم میں بجا طور پر نضر بن حارث کی صحبت اور اس کے گھر پر گانا سننے کی ممانعت آگئی۔ لیکن سماعِ صوفیا اس کے بالکل برعکس ہے۔ صوفیائے کرام اس واسطے مجالسِ سماع منعقد نہیں کرتے کہ لوگوں کو اسلام سے منحرف کیا جائے بلکہ اس لیے کہ خدا اور رسولِ خدا کی محبت دلوں میں تازہ ہو۔

اب ہم پہلے وہ احادیث بیان کریں گے جن میں سماع کی ممانعت آئی ہے۔ اس کے بعد ان احادیث کے متعلق محدثین حضرات کی رائے پیش کریں گے۔ پھر ہم وہ آیات اور احادیث بیان کریں گے جن میں سماع سننے کی تاکید اور جواز ثابت ہے۔

آیات و احادیث در ممانعتِ سماع :

سب سے پہلے یہ بات واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ جن احادیث میں سماع کی ممانعت آئی ہے وہاں سماع کے لیے عربی زبان کا لفظ "غنا" استعمال کیا گیا ہے اور "غنا" عربی زبان میں اس گانے کو کہتے ہیں جو مغنیہ عورت یعنی پیشہ ور عورتیں

گاتی ہیں۔ اور بے پردہ اپنے حسن وجمال کی زیب وزینت دکھاتی پھرتی ہیں۔ ان کا گانا بلاشبہ حرام ہے لیکن اس بنا پر سماع صوفیاء کو حرام نہیں کہا جا سکتا۔

ممانعت سماع کی آیات:

ممانعت سماع میں پہلی آیت جو عام طور پر پیش کی جاتی ہے وہی لہو الحدیث والی آیت ہے جس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں۔ دوسری آیت جو عام طور پر پیش کی جاتی ہے۔ یہ ہے۔ الشعراء یتبعھم الغاوٗن (شعراء شیطان کی پیروی کرتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے)

لیکن یہ آیت پیش کرنے والے عام طور پر یہ دیکھنا بھول جاتے ہیں کہ اس آیت کے آخر میں اللہ تعالٰی نے کیا فرمایا ہے آگے یہ آتا ہے کہ الا الذین آمنوا وعمل الصالحات (یعنی وہ شعراء اس زمرہ میں نہیں آتے جو ایماندار یعنی مومن ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں) اس سے ظاہر ہے کہ اس آیت میں بھی ان ایام جاہلیت کے شعراء کی مذمت آئی ہے۔ جو خلاف شرع کلام کہتے تھے۔ اگر شعر گوئی کی مطلقاً مذمت مقصود ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابی حضرت حسان بن ثابتؓ اور دیگر شعراء کا کلام کیوں سنتے۔

ممانعت سماع کی احادیث:

ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو لڑکیاں دف بجا کر گانا گا رہی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے تھے لیکن جب حضرت ابوبکرؓ آئے تو فرمایا رسولؐ اللہ کے گھر میں شیطانی مزمار۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر انہیں چھوڑ دو۔ ہر قوم کی عید ہوتی ہے آج ہماری بھی عید ہے بعض لوگ اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے گانے بجانے کو شیطانی کام قرار دیا۔ اس لیے حرام ہے لیکن وہ یہ غور نہیں فرماتے ہیں کہ شارع اسلام حضرت ابوبکر صدیقؓ نہیں یا رسولؐ اللہ ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود گانا سُن رہے ہیں اور باجے کے ساتھ سن رہے ہیں اور پھر حضرت ابوبکر صدیق کو منع بھی فرما رہے ہیں کہ ان کو مت چھیڑو، تو اور کون ہے جو گانے کو حرام کہے۔ منکرین سماع ابوامامہ کی روایت کردہ حدیث بھی پیش

کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر وہ شخص جو گانے میں اپنی آواز کو اونچا کرتا ہے اس پر اللہ تعالےٰ دو شیطان مسلط کر دیتا ہے ایک ایک کندھے پر اور دوسرا دوسرے کندھے پر۔ اول تو اس حدیث کو محدثین حضرات نے قبول ہی نہیں کیا کیونکہ فنِ حدیث کے مطابق اس کی اسناد متصل نہیں ہیں. جیسا کہ شیخ عبدالرحیم عراقیؒ اور مجدالدینؒ نے اپنی کتاب صراطِ مستقیم میں فرمایا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس حدیث کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو پہلی حدیث سے اس کا تعارض ہوتا ہے حالانکہ ابوامامہ کے مقابلے میں حضرت عائشہ جنہوں نے پہلی حدیث بیان فرمائی ہے زیادہ ثقہ راوی ہیں تیسری بات یہ ہے کہ ابوامامہ کی حدیث میں آواز کو حد سے زیادہ بلند کرنے کی مذمت آئی ہے نہ کہ گانے کی۔ اگر گانے کی مذمت ہوتی تو بے شمار ایسی احادیث موجود ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا گانا سننا ثابت ہے۔ بلکہ اس حدیث سے بھی گانے کی اجازت لیکن زیادہ بلند آواز سے گانے کی مذمت ثابت ہے۔

ایک اور حدیث بھی پیش کی جاتی ہے جو حضرت جابرؓ سے مروی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے شیطان نے نوحہ کیا اور گایا ہے۔ اس حدیث میں بھی نوحہ کرنے اور ریاکاری اور مکر و فریب سے گانے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے نہ کہ اس گانے کی جس میں خدا اور اس کے رسولؐ کی تعریف کی جائے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ باجے کی آواز سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے دیں اور ایک صحابی کو جو ساتھ تھے فرمایا کہ جب آواز ختم ہو جائے تو مجھے بتانا۔ اوّل تو اس حدیث کو محدثین حضرات نے تسلیم نہیں کیا۔ مثلاً ابو داؤد کہتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے۔ یعنی محدثین حضرات نے اس کا متفقہ طور پر انکار کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس کی صحت کا احتمال بھی کر لیا جائے تو الٹا یہ ظاہر ہوتا ہے کہ باجے کا سننا حرام نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو حکم دیا کہ سنتے رہو اور جب بند ہو جائے تو مجھے بتانا۔ اگر اس کا سننا مطلق حرام ہوتا تو شانِ نبوت کے لیے یہ کب گوارا تھا کہ خود تو پرہیز کریں اور دوسروں کے لیے جائز

قرار دیں۔ البتہ کانوں میں انگلیاں دینے کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی آ رہی ہو گی یا آپ پر کوئی خاص حالت طاری ہو جسے آپ منقطع نہ کرنا چاہتے تھے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات مجھ پہ یہ حالت طاری ہوتی ہے کہ جو شخص میرے سامنے یا اللہ کہتا ہے تو جی میں آتا ہے کہ اس کے سر پہ ڈنڈا ماروں اور بعض اوقات یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کے منہ میں شکر دے دوں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ راستے میں میں ایسی حالت میں مست ہو کر چلتا ہوں کہ میں تمنا کرتا ہوں کہ مجھ پہ السلام علیکم کوئی نہ کہے کیونکہ اس کا جواب بھی میں نہیں دے سکتا۔

بخاری شریف میں ایک روایت ہے کہ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میری امت میں ایسی جماعت ہو گی جو عورتوں، ریشم کے کپڑوں، شراب، معازف یعنی باجوں کو حلال سمجھے گی"۔ اس حدیث کے ایک راوی صدقہ بن خالد ہیں۔ علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ صدقہ بن خالد میں اتصال نہیں۔ یہ بخاری کی تعلیقات میں سے ہے جو حجت اور دلیل نہیں ہے۔ علامہ یحییٰ بن معین جو فن رجال کے امام ہیں۔ فرماتے ہیں کہ صدقہ بن خالد روایت میں مضبوط نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس میں عورتوں سے بھی پرہیز لازم آیا ہے لیکن اس سے تمام عورتوں سے پرہیز ضروری نہیں۔ اپنی بیوی یا لونڈی سے پرہیز کیسے ہو سکتا۔ اسی طرح معازف سے بھی پرہیز آیا ہے۔ یعنی وہ باجے جو لہو و لعب کے طور پہ بجائے جائیں اور ان میں غیر شرع امور یعنی شراب نوشی اور فحاشی شامل ہو۔ اگر بالعموم باجوں کی ممانعت آتی تو پھر شادی بیاہ اور جنگ جہاد اور خوشی کے موقعوں پر احادیث میں ان کی اجازت کیوں آتی۔ ظاہر ہے کہ سماع صوفیہ میں نہ شراب کے ساتھ گانا ہوتا ہے نہ فحاشی کے ساتھ۔

منکرین سماع حضرت ابن مسعود کا یہ قول پیش کرتے ہیں کہ غنا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔ اس حدیث میں بھی لفظ غنا سے مراد وہی ناجائز گانا ہے جو مغنیہ یا رنڈیوں سے سنا جاتے اگر مرد بھی ایسا فحش گانا گائے تب بھی ناجائز ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے بلکہ ایک صحابی کا قول ہے جو محض گانوں کے متعلق ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ غنا حرام ہے اور اس کے ساتھ لذت حاصل کرنا کفر ہے۔ اس پر بیٹھنا فسق ہے۔ شیخ الحدیث علامہ احمد سعید کاظمی مقالات کاظمی میں فرماتے ہیں کہ اولاً تو یہ حدیث کسی صحیح سند سے حضور اکرمؐ تک مرفوع نہیں ہے۔ دوم یہ کہ اگر اس سے مطلق غنا کو حرام ثابت کیا جائے تو یہ حدیث دوسری احادیث صحیحہ مرفوعہ کے معارض ہوگی جن میں صراحۃً جواز غنا پر دلالت پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے ایسی احادیث بیان کی ہیں جن میں غنا کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس حدیث کے متعلق علامہ موصوف نے آگے چل کر لکھا ہے کہ اس روایت کو دیکھ کر طبیعت تسلیم نہیں کرتی کہ افصح العرب والعجم کی حدیث ہو کیونکہ اس میں گانے میں لذت حاصل کرنے والے کو کافر کہا گیا ہے اور اس میں بیٹھنے والے کو فاسق کہا گیا ہے۔ اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ کفر کے بعد ہلکے درجے میں آکر فاسق کیسے کہلاتا ہے۔ بس یہ روایت نہ روایۃً درست ہے نہ درایۃً اس لیے اس کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا گستاخی اور سوء ادبی کے مترادف ہوگا۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا میں نے تم کو دو چیزوں سے منع کیا ایک نوحہ کی آواز سے ایک غنا کی آواز سے۔ اس حدیث کے متعلق علامہ احمد سعید کاظمی فرماتے ہیں کہ اس روایت کا کسی حدیث کی کتاب میں نام و نشان تک نہیں ہے۔ اگر فرض محال یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس میں ماضی کا صیغہ ہے یعنی میں نے تم کو دو چیزوں سے منع کیا تھا۔ اسی طرح حضور اکرمؐ ایک حدیث میں فرماتے ہیں کہ میں نے تم کو زیارتِ قبور سے منع کیا تھا اور وہ حکم بعد میں منسوخ ہو گیا۔ اس لیے ممکن ہے معترض کی یہ حدیث اسی قبیل سے ہو۔

اب ہم وہ آیات و احادیث پیش کریں گے جن سے سماع کا جواز ثابت ہے۔

آیاتِ جوازِ سماع : قرآن مجید کے ساتویں پارے کے شروع میں اللہ تعالےٰ

فرماتے ہیں۔ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ (جب مسلمان لوگ قرآن کی آیات سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ اپنے رب کو پہچانتے ہیں اور اس کا مشاہدہ کرتے ہیں)

یہ تو قرآن مجید کی آیات سننے کا اثر ہے کہ مومنین کی آنکھوں میں آنسوؤں کے طوفان برپا ہو جاتے ہیں اب ظاہر ہے کہ کلام پاک میں حق تعالےٰ کی مدح وثنا وادِ ہوئی عشقیہ کلام قرآن پاک میں بہت کم پایا جاتا ہے لیکن مجالس سماع میں شعراء کرام کا عشقیہ کلام پیش کیا جاتا ہے تو عشاق تڑپ تڑپ کر جان دے دیتے ہیں۔

ایک اور آیت یہ ہے فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ (آپ میرے ان بندوں کو بشارت دے دیں جو قول کو سنتے ہیں اور اس کی عمدہ پیروی کرتے ہیں)

حضرت شیخ فخر الدین زرادیؒ اپنے رسالہ سماع میں لکھتے ہیں: کہ اس آیت میں لفظ "قول" تعمیم و استغراق کا مقتضی ہے۔۔۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قول سے مراد جنس قول ہے جو کلام باری تعالےٰ اور کلام مخلوق دونوں کو عام ہے۔

جوازِ سماع احادیث نبویؐ کی رُو سے:

قرآن عظیم کے بعد دوسری چیز جس پر ایمان کا دارومدار ہے۔ حدیث نبویؐ ہے۔ احادیث میں کثرت سے سماع کی حِلّت (جائز ہونا) کا ثبوت موجود ہے۔ نیز بعض احادیث میں اس کی مذمت بھی آئی ہے۔ لیکن محدثین کے نزدیک یہ احادیث غیر معتبر اور موضوع (جعلی) ہیں، اس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آرہی ہے۔ اس وقت قارئین کے سامنے وہ احادیث نقل کی جاتی ہیں جو صحاح ستہ میں درج ہیں اور جن کے صحیح ہونے میں کسی مذہبی فرقہ کے لوگوں کو اعتراض نہیں۔

(۱) صحیح بخاری میں ربیع بنت معوذ بن عفراء سے روایت ہے کہ جب میری شادی ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اس وقت چند لڑکیاں دف بجا کر گا رہی تھیں جب ایک لڑکی نے یہ مصرعہ گایا کہ وَفِیْنَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ (ہمارے

درمیان ایک نبی ہے جو کل کی باتیں بتاتا ہے) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مت کہو اور جو گیت تم پہلے گا رہی تھیں وہی گاتی رہو۔" اب غور کا مقام ہے کہ اگر قرآن شریف کی مذکورہ آیت میں لہو الحدیث سے مراد ہر قسم کا گانا ہوتا تو آپ اس شادی کی مجلس میں گانا کیوں سنتے رہتے۔ نیز آپ کے دُف کے ساتھ گانا سننے سے سماع بامزامیر بھی جائز ہو جاتا ہے کیونکہ دُف بھی تو آلاتِ غنا میں سے ایک آلہ ہے چنانچہ یہ حدیث سماع بالمزامیر کی کھلی دلیل ہے۔

(۲) صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک انصار کی شادی ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ساتھ کوئی کھیل تماشا نہیں تھا۔ کیونکہ انصار لوگ کھیل تماشے سے بڑی دلچسپی رکھتے ہیں۔ لیجئے اس حدیث میں تو کھیل تماشا بھی جائز ہوا جس کی بعض علماء نے آیت لہو الحدیث کی رُو سے غلط مذمت کی ہے۔ معلوم نہیں یہ لوگ کس وجہ سے شادی بیاہ کے موقعوں پر گانے بجانے کو بُرا کہتے ہیں۔ جب شادی کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیل تماشا کے طور پر گانا جائز رکھا تو پھر کسی عالم کی کیا مجال ہے کہ اولیاء کرام اور ان کے مریدین کی ان مجالس سماع کو خلافِ شرع قرار دے جو بطورِ خاص ذکرِ حبیب اور عشقِ حبیب میں منعقد کی جاتی ہیں نہ کہ بطور کھیل تماشا،

(۳) صحیح بخاری کے علاوہ حدیث کی ایک اور کتاب ابنِ ماجہ ہے جو صحاح ستہ (چھ مستند کتابیں) میں شامل ہے۔ ابنِ ماجہ میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک رشتہ دار لڑکی کو انصار میں بیاہ دیا۔ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو دریافت فرمایا کہ "ان کے ساتھ کوئی گانے والا بھی تھا یا نہیں۔ کیوں نہ تم نے ایک گانے والا شخص ساتھ کر دیا۔" اس صحیح حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ "لہو الحدیث" سے عام گانا مراد نہیں بلکہ کافر نضر بن حارث کا اسلام کے خلاف پراپیگنڈہ جیسی حرکات مراد ہیں۔

(۴) صحیح ابنِ حبان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میرے زیرِ پرورش ایک

لڑکی تھی جس کو میں نے انصار میں بیاہ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی گانے والا کیوں نہ ساتھ بھیجا۔ انصار لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں۔

(۵) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دنوں میں میرے پاس دو لڑکیاں کچھ گا رہی تھیں اور دف بجا رہی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ آئے اور لڑکیوں کو ڈانٹنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر منہ سے ہٹا کر فرمایا: ابوبکر ان کو کچھ نہ کہو۔ ہر قوم کی عید ہوتی ہے جس کی وہ خوشی مناتے ہیں۔ آج ہماری بھی عید ہے یہ سماع بالمزامیر نہیں تو اور کیا ہے۔

(۶) حدیث کی کتب ترمذی، مسند امام احمد، سنن نسائی اور ابن ماجہ میں حاطب جمحیؓ سے مسلسل روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال اور حرام کے درمیان یہ فرق ہے کہ جائز اور شرعی نکاح میں دف بجائے جاتے ہیں اور گیت گائے جاتے ہیں۔ اگر گانے کے ساتھ باجے بجانا حرام ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکاح میں باجوں کو کیوں جائز فرماتے۔

(۷) اسی مضمون کی ایک اور مستند حدیث حضرت عائشہ رضؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت ربیع بنت معوذ سے منقول ہے۔

(۸) جامع ترمذی میں حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح کا اعلان کیا کرو۔ عقد نکاح مسجد میں ہوا کرے اور دف بجایا جائے۔ اس حدیث پاک کی رو سے تو دف یعنی باجوں کا مسجد میں بجانا بھی جائز ہوا۔ لیکن مولوی صاحبان نہیں مانتے۔

(۹) حضرت خوات بن جبیر سے روایت ہے کہ ہم حضرت عمر رضؓ کے ساتھ حج کو جا رہے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی ساتھ تھے۔ حضرت عمر رضؓ نے حضرت ابو عبیدہ رضؓ سے گانے کی فرمائش کی۔ ابو عبیدہ گاتے رہے حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔ حضرت عمر رضؓ نے فرمایا۔ اب بس کرو۔ ہم نے گاتے گاتے صبح کر دی ہے۔

(۱۰) ایک رات حضرت عمرؓ کا گزر ایک خیمہ پر ہوا جس کے اندر کوئی شخص گا رہا تھا ؎

علیٰ محمد صلوٰۃ الابرار صلی علیہ المصطفون الاخیار

قد کنت قواما بکار الاسحار یالیت شعری و المنایا اطوار

یہ سن کر حضرت عمرؓ پر گریہ طاری ہوا اور باآواز بلند روئے۔ مکرر فرمائش کی اور مکرر گریہ فرمایا اس کے بعد فرمایا کہ ابیات میں عمرؓ کا نام بھی شامل کر لو اور یہ کہو ؎

وعمر فا غفر لہ، یا غفار

(۱۱) ایک حدیث میں آیا ہے کہ حبشی لوگ مسجد نبوی میں گا رہے تھے اور ناچ رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو اوپر اٹھا کر یہ تماشا دکھایا۔ اس حدیث کی رو سے بھی مسجد میں گانا، باجا بجانا اور ناچنا جائز ہوا۔

(۱۲) ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن عباسؓ کے ساتھ جا رہے تھے راستے میں بانسری کی آواز سنائی دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کانوں میں انگلیاں دے دیں اور حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا کہ جب آواز بند ہو مجھے بتانا۔ اس حدیث سے عام لوگ بانسری کی آواز کو ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن اولیاء کرام اسی حدیث سے جوازِ سماع بالمزامیر نکالتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر مزامیر (بانسری) کا سننا حرام ہوتا تو ایک نبی کی شان کے شایان شان نہیں تھا کہ خود تو کانوں میں انگلی دے دیتے اور ایک صحابی کو فعلِ حرام کا مرتکب ہوتے دیتے۔ امام غزالی اور دیگر اولیائے کرام نے کانوں میں انگلیاں دینے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل ہو رہی ہوگی یا کوئی خاص حالت طاری ہوگی جس میں بانسری کی آواز کو خلل انداز ہونا پسند نہ فرمایا۔

(۱۳) بعض احادیث میں سارنگی کی ممانعت آئی ہے اس سے یار لوگوں نے جملہ آلاتِ سماع اور بعض نے صرف سارنگی کو حرام قرار دے دیا ہے۔ حضرت خواجہ غلام فریدؒ سے جب کسی نے یہ مسئلہ دریافت فرمایا، تو آپ نے جواب دیا کہ نہ سماع حرام ہے نہ مزامیر حرام ہیں بلکہ جب سماع اور مزامیر کے ساتھ کوئی غیر شرعی عوارض شامل ہو جاتے ہیں

تو یہ فعل حرام ہو جاتا ہے مثلاً زمانۂ جاہلیت میں عرب لوگ شراب کی محافل میں سارنگی بجایا کرتے تھے۔ جب شراب حرام ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سارنگی کا بجانا بھی منع کر دیا تاکہ شراب کی یاد تازہ نہ ہو۔ لیکن ہمارے ملکوں میں شراب کی مجالس میں کون سارنگی بجاتا ہے۔ ہمارے لیے سارنگی اور شراب میں کوئی نسبت ہی نہیں۔

حرمتِ سماع والی احادیث کے متعلق محدثین کی رائے:

جن احادیث سے بعض فقہا نے سماع کو حرام قرار دیا ہے۔ ان کے متعلق (۱) امام نوویؒ کا فتویٰ یہ ہے کہ "یہ تمام روایات بے بنیاد ہیں۔ (۲) امام سخاویؒ اپنی کتاب مقاصد حسنہ میں فرماتے ہیں کہ "جن احادیث سے فقہا سماع کو حرام کہتے ہیں ان کی کوئی اصلیت نہیں پائی جاتی" (۳) امام ابن حجر عسقلانیؒ شارح حدیث بخاری اپنی کتاب فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ سماع کے حرام ہونے میں جو احادیث متاخرین نے بیان کی ہیں وہ محض گپیں ہیں۔ اگر اس بارے میں کوئی صحیح حدیث ہوتی تو ضرور مجتہدین عظام اس کو اپنا دستور العمل بناتے" اس سے ظاہر ہے کہ حرمتِ سماع کے بارے میں نہ کوئی آیتِ قرآن ہے نہ کوئی مستند حدیث ہے۔ یہ کسی ان پڑھ کا قول نہیں ہے بلکہ امام نوویؒ، امام سخاویؒ اور امام ابن حجر عسقلانیؒ جیسے جلیل القدر محدثین کے اقوال ہیں معترضین کو ذرا ہوش سے کام لینا چاہیے۔

حرمتِ سماع کی احادیث کے متعلق ائمہ مجتہدین کی رائے:

محدثین کے علاوہ ائمہ اربعہ یعنی حضرت امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے بھی ان حدیث کو معتبر نہیں مانا۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ یہ احادیث بعض متاخرین نے بیان کی ہیں۔ جن کو صحیح و سقیم میں تمیز کا ملکہ نہیں تھا۔ ان احادیث کی تردید میں ابن عربی مالکی نے لکھا ہے کہ حرمتِ سماع کے بارے میں ایک بھی حدیث صحیح نہیں ہے اس بارے میں جو احادیث منقول ہیں وہ سب کی سب موضوع (جعلی) ہیں۔ ابن طاہر کا بھی یہی قول ہے بعض اجل علمائے شافعیہ کا یہ قول ہے کہ اس قسم کی احادیث صرف منکرین کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں

حضرت علقبہؒ کا سماع:

حضرت علقبہؒ فرماتے ہیں ایک دن میں نے شعر سن کر اس زور سے تالی بجائی کہ انگلی سے خون نکل آیا

استاذ الائمہ و المحدثین حضرت امام ابراہیم بن سعدؒ کا سماع:

امام شافعیؒ اور امام بخاری جیسے جلیل القدر علماء کے استاذ امام ابراہیم بن سعدؒ اپنے شاگردوں کو محظوظ اور ان کے قلوب کو نرم کرنے کے لیے حدیث سنانے سے پہلے سماع سنایا کرتے تھے اور ان کے سماع میں دف بجایا جاتا ہے۔ یہ سماع بالمزامیر پر کھلی شہادت ہے۔ امام بخاری اور امام شافعی کے استاد سے زیادہ کس کی شہادت درکار ہے۔

رئیس المحدثین حضرت امام شعبہ کا سماع سننا مزامیر کے ساتھ:

حضرت ابوطالب مکیؒ اپنی کتاب قوت القلوب میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام شعبہ نے جو بڑے محدث تھے، منہال کے گھر پر تنبور کے ساتھ گانا سنا۔

صحابہ کرام کا سماع:

ماوردی حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ سے حکایت کرتے ہیں کہ ان دونوں نے حضرت عبداللہ بن جعفر طیار (حضرت علیؓ کے بھتیجے) کے ساتھ عود پر گانا سنا۔ عود ایک آلۂ سماع ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن جعفرؓ اپنی لونڈیوں سے تار والے باجے کے ساتھ گانا سنتے تھے تو آپ کے چچا حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی ساتھ ہوتے تھے ایک دفعہ جب کسی جنگ کے بعد گانے والی عورتیں قید ہو کر آئیں تو امیر المومنین نے حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب کے حوالہ کیا کیونکہ ان کو گانا بہت پسند تھا۔

آنحضرتؐ کے صحابی حضرت حسان بن ثابتؓ کا سماع بالمزامیر:

ابوالفرج اصفہانی روایت کرتے ہیں کہ مشہور صحابی حسان بن ثابت شاعر مزامیر کے ساتھ گانا سنتے تھے۔ ابوالعاص مبرد نے بھی حضرت حسان بن ثابتؓ کے متعلق یہی روایت بیان کی ہے۔

رسُول اللہ صلعم کا سماع اور وجد:

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت جبرائیلؑ نے امت کے مساکین کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی تو آپ نے فرطِ مسرت میں آکر گانے والا بلایا۔ اس نے گانا سنایا جس سے آپ پر وجد طاری ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کے کندھے سے چادر گر گئی۔ آپ نے اس چادر کے ٹکڑے کیے اور حاضرین میں تقسیم کر دیئے۔ اس پر امیر معاویہؓ نے کہا۔ ما احسن لعبک یارسول اللہؐ (یارسول اللہؐ آپ کا لہو و لعب کیا ہی اچھا تھا)، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے معاویہ جو شخص ذکرِ محبوب سن کر وجد و حرکت میں نہیں آتا وہ صاحبِ کرامت نہیں۔"

دیگر صحابہ جنہوں نے سماع سُنا:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قادری اپنی کتاب مدارج النبوت میں تحریر فرماتے ہیں کہ جن صحابہ کرام نے سماع سُنا ہے اُن میں حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ ابن جعفرؓ، حضرت ابومسعود انصاری، حضرت سعید ابن مسیبؓ، حضرت سعید بن جبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عمر بن عاص اور حضرت حسان بن ثابتؓ شامل ہیں۔ یہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قادری کی تحقیق ہے۔

حضرت عمرؓ کا غنا پر سکوت:

ایک دفعہ حضرت عمرؓ اپنے عہد خلافت میں جا رہے تھے کہ کانوں میں مزامیر کی آواز سنائی دی۔ فرمایا، یہ کیا ہے۔ لوگوں نے جواب دیا کہ ختنہ کی تقریب ہے۔ یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے اور منع نہ فرمایا۔ اس قسم کی مثالیں دیکھ کر فقہا نے لکھا ہے کہ عید، نکاح، ختنہ وغیرہ خوشی کے موقعوں پر سرود جائز ہے۔ اچھا اب جب مسلمانوں کو اپنے تہوار اور شادی بیاہ اور خوشی منانے کے لیے سرود جائز ہے تو جو خاصانِ خدا عشق و محبت الٰہی میں ڈوبے ہوئے ہیں کیا ان کو دل کی آگ ٹھنڈا کرنے اور خدا اور رسولؐ کے عشق میں نعرے مارنے اور ذوق و شوق کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ یہ تو شادی بیاہ ختنہ

وغیرہ کی خوشی سے بھی بڑھ کر خوشی کا مقام ہے۔ یہاں عشق الٰہی کا جوش و خروش سوز و گداز اور ولولہ کارفرما ہوتا ہے اور عشاق محبوب حقیقی پر جان قربان کرنے کو تیار ہوتے ہیں نہ کہ شادی و ختنہ کی خوشی منا رہے ہوتے ہیں۔ کس قدر غضب ہے ظلم ہے اور اندھیر ہے کہ عشق مولا میں آہ بھرنے اور گریہ و زاری کی بھی یہ لوگ اجازت نہیں دیتے۔ سنگدلی اور کج فہمی نہیں تو اور کیا ہے۔

دلائل قرآن، حدیث، عمل صحابہ کرام، ائمہ مجتہدین و محدثین کے بعد اب

مختلف سلاسل کے مشائخ عظام اور سماع:

ہم صرف سلسلہ چشتیہ کے نہیں بلکہ دیگر تمام روحانی سلاسل کے مشائخ عظام کا سماع کے متعلق موقف بیان کرتے ہیں تاکہ معترضین حضرات یہ کہنے سے باز آجائیں کہ صرف مشائخ چشتیہ نے سماع کو جائز قرار دیا ہے۔ باقی سب کے نزدیک حرام ہے۔

حضرت سید علی ہجویری داتا گنج

حضرت داتا گنج بخش سیدّ علی ہجویری لاہوریؒ اور سماع:

بخش لاہوری قدس سرہٗ کے تبحر علمی، پابندی شریعت اور باطنی کمالات سے کون واقف نہیں۔ آپ بھی سماع سنتے تھے۔ نیز آپ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں حقیقت سماع، جواز سماع اور آداب سماع پر گیارہ مستقل باب باندھے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی سننا چاہتا ہے۔ وہ ابو موسیٰ اشعریؓ کی آواز سنے۔ نیز روایات میں آیا ہے کہ بہشت میں بھی اہل بہشت کے لیے سماع ہوگا اور اس طرح ہوگا کہ ہر درخت سے مختلف نغمات اور مختلف سرود جاری ہوں گے جس سے سننے والوں پر محویت طاری ہو جائے گی۔ ابراہیم خواصؒ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ غلہ اٹھاتے وقت دو اونٹوں کا بوجھ ایک اونٹ پر لاد گیا۔ اور حدی خوان کی آواز سے مست ہو کر اونٹ جلدی منزل مقصود پر پہنچ گیا لیکن جاتے ہی مر گیا۔ ایک دفعہ ایک آدمی اونٹوں کو پانی پلاتے

وقت حدی گا رہا تھا۔ حدی کی آواز سے اونٹ اس قدر مست ہوئے کہ پانی پینا ترک کر دیا۔ حالانکہ وہ تین دن کے پیاسے تھے۔ عراق میں لوگ ہرن پکڑنے کے لیے ایک خاص قسم کا گیت گاتے ہیں جسے سن کر ہرن اس قدر مست اور بے خود ہو جاتا ہے کہ لوگ جا کر پکڑ لیتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی لوگ گیت گا کر ہرن پکڑ لیتے ہیں۔ یہ بات تو عام ہے کہ جب چھوٹے بچے روتے ہیں تو ماں ان کو گہوارے میں ڈال کر لوری دیتی ہے۔ جس سے ان کو لذت محسوس ہوتی ہے اور سو جاتے ہیں۔

کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج صاحبؒ مزید لکھتے ہیں:

جو شخص خوش آواز سن کر کہتا ہے کہ مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تو وہ یا تو جھوٹ بولتا ہے یا منافق ہے یا بے حس ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت داؤد علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے خوش آواز دی تھی۔ جب آپ نغمات الاپتے تھے تو جنگلی جانور، پرندے، انسان سب جمع ہو جاتے تھے۔ جو لوگ ایک دفعہ نغمات سن لیتے تھے ایک ماہ تک کھانا نہیں کھاتے تھے۔ بچے رونا اور دودھ پینا بند کر دیتے تھے۔ جب مجلس برخواست ہوتی تھی تو کئی آدمی مردہ پائے جاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مجلس میں سات سو عورتیں مردہ پائی گئیں اور دو ہزار پرندے مردہ نکلے۔"

کتاب مذکورہ میں حضرت داتا صاحبؒ نے سماع کے متعلق اولیاء کرام کے بیشمار اقوال نقل کیے ہیں جو طوالت کے خوف سے یہاں درج نہیں کیے جاتے مختصر یہ ہے کہ:

"سماع علامت مہجوری ہے اور اس میں مشاہدہ محال ہے لیکن بعض حضرات نے سماع کو علامت حضوری اور وصال تصور کیا ہے۔ کیونکہ سماع میں سالک دوست میں مستغرق ہو جاتا ہے اور جب تک محویت کامل نہ ہو محبت کامل نہیں ہوتی۔"

کتاب مذکور میں حضرت داتا صاحبؒ نے آدابِ سماع بیان فرماتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) جب تک شوق زیادہ نہ ہو سماع نہ سنے (۲) سماع کو عادت نہ بنائے اور

کافی وقفوں کے بعد سنے تاکہ سماع کی تعظیم دل سے نہ جاتی رہے (۳) محفل سماع میں کسی بزرگ کا ہونا ضروری ہے۔ (۴) مجلس سماع میں عوام کا داخلہ نہ ہو (۵) قوال باادب ہوں (۶) دل تمام اشغال سے خالی ہوں اور طبیعت جمع ہو (۷) تکلف نہ ہو (۸) جب تک کیفیت طاری نہ ہو بناوٹی طور پر کیفیت نہیں لانی چاہیے (۹) جب کیفیت پیدا ہو اُسے تکلف سے روکنا نہیں چاہیے (۱۰) طبیعت قابو میں رکھنی چاہیے۔ اگر قابو سے نکل جائے تو معذور ہے۔ (۱۱) قوالوں کو نہ ٹوکے نہ فرمائش کرے (۱۲) جب کسی پر حال طاری ہو تو تکلف سے خود حال میں نہ آئے بلکہ ضبط اور استقلال سے کام لے (۱۳) سلطان وقت (وارداتِ سماع) کی قدر کرے تاکہ برکات حاصل ہوں اور میں علی بن عثمان الجلابی یہ پسند کرتا ہوں کہ مبتدیوں کو سماع سے پرہیز لازم ہے تاکہ ان کی طبیعت پراگندہ نہ ہو۔"

حضرت امام غزالیؒ اور سماع:

حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ نے حقیقتِ سماع، جوازِ سماع، برکاتِ سماع اور آدابِ سماع پر اپنی کتاب احیاء العلوم میں مفصل بحث کی ہے اس کے علاوہ آپ نے سماع پر ایک علیحدہ رسالہ بھی لکھا ہے حقیقتِ سماع کے متعلق آپ فرماتے ہیں:

"اے عزیز! اس بات کو جان اور اس حال کو پہچان کہ آدمی کے دل میں حق تعالیٰ کا ایک بھید پوشیدہ ہے جیسے آگ، لوہے اور پتھر کے درمیان ہے جس طرح لوہا پتھر پر مارنے سے وہ آگ نکلتی ہے اور صحرا میں لگ جاتی ہے اسی طرح اچھی اور موزوں آواز سننے سے آدمی کے دل کو جنبش ہوتی ہے اور بے اختیار اس کے دل میں ایک چیز پیدا ہوتی ہے جس سے اُسے عالمِ علوی اور عالمِ ملکوت کے ساتھ ایک مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ عالمِ علوی کیا ہے۔ عالمِ حسن و جمال ہے۔"

امام غزالیؒ حلت و حرمتِ سماع کے متعلق فرماتے ہیں:

"اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ سماع حرام ہے یا حلال۔ جس عالم نے حرام کہا ہے وہ فقط اہلِ ظاہر ہے۔ کیونکہ اس پر یہ بات منکشف ہی نہیں ہوتی کہ خدا کی محبت اس کے دل میں نزول کرتی ہے۔ جوازِ سماع کے متعلق امام غزالیؒ نے وہ تمام

احادیث نقل کی ہیں جو پہلے اس کتاب میں درج ہو چکی ہیں اس کے علاوہ آپ نے لکھا ہے کہ :

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے تو مدینہ کے لوگوں نے آپ کا استقبال کیا اور دف بجا بجا کر خوشی میں یہ گایا ۔

طَلَعَ البدرُ علینا من ثنیات الوداع وَجَبَ الشکر علینا ما دعی للہ داع

(طلوع ہوا ہم پر چودھویں کے چاند (آنحضرتؐ) اور شکر واجب ہوا اور قبول ہوئی ہماری دعا)

اسی طرح عید کے دن خوشی کرنا اور سماع سننا بھی درست ہے۔

شرائط سماع :

امام غزالیؒ نے سماع کے لیے جو شرائط مقرر کی ہیں حسب ذیل ہیں :

(۱) عورت یا مرد (بے ریش لڑکا) سے سماع نہ سُنے (۲) سرود کے ساتھ رباب و چنگ بربط اور نائے عراقی نہ ہو کیونکہ ان کی ممانعت آئی ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ شراب نوشوں کی عادت ہے اور یہ چیزیں شراب کی یاد دلاتی ہیں لیکن طبل شاہین اور دف اگرچہ اس میں جلاجل (جھانجھ) بھی ہوں جائز ہیں۔ کیونکہ ان کا بجانا شراب خوروں کی عادت نہیں۔ بلکہ دف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بجایا گیا ہے۔ شاہین کے حلال ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ سنتے رہو جب آواز بند ہو جائے تو مجھے بتانا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کانوں میں انگلی دینا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ پر اس وقت کوئی بہت بزرگ حال طاری ہو جو شاہین کی آواز سے موقوف ہو جاتے (۳) سماع میں کلام فحش اور غیر شرع نہ ہو۔ (۴) سننے والے ہم مشرب اور اہل اللہ ہوں (۵) سماع ایسی جگہ ہونا چاہیے جہاں عوام کا گزر نہ ہو (۶) وقت ایسا ہونا چاہیے کہ جس میں کوئی شرعی مجبوری نہ ہو مثلاً نماز کا وقت نہ ہو بلکہ ہر طرف سے فارغ ہو کر اطمینان سے سماع سنے اور متوجہ الی اللہ ہو۔

مقاماتِ سماع :

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ سماع میں تین مقام ہیں پہلا مقام فہم ہے یعنی کلام کا سمجھنا، دوسرا مقام وجد ہے۔ یعنی حال کا طاری ہونا، تیسرا مقام حرکت ہے یعنی رقص کرنا۔

بعض صحابہ کا رقص :

امام غزالیؒ رقص کو مباح کہتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں حبشیوں کا رقص دیکھا اور دف کے ساتھ گانا سنا۔ نیز امام موصوف فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تجھ سے تو حضرت علیؓ نے خوشی میں آکر رقص کیا اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسینؓ سے فرمایا کہ صورت اور سیرت میں تم میری طرح ہو تو انہوں نے بھی خوشی میں آکر رقص کیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارث سے فرمایا تو میرا مولا (غلام) اور بھائی ہے تو انہوں نے خوشی میں آکر رقص کیا۔

حضرت غوث الاعظمؒ اور سماع :

عام لوگوں کا خیال ہے کہ قادریہ سلسلہ میں سماع ناجائز ہے۔ ان کو معلوم نہیں کہ سلسلہ عالیہ قادریہ کے سردار حضرت غوث الاعظم قدس سرہ نے سماع کو جائز قرار دیا ہے۔ قادری بزرگوں کی روایات سے ثابت ہے کہ حضرت غوث الثقلینؓ نے خود بھی سماع سنا ہے اور اپنے سلسلہ کے لوگوں کے لیے اپنی مشہور و معروف کتاب غنیۃ الطالبین میں آدابِ سماع پر ایک مستقل باب تحریر فرمایا ہے۔ اگر آپ کے نزدیک سماع حرام ہوتا تو آپ آدابِ سماع کیوں تحریر فرماتے کتاب مذکور میں آپ لکھتے ہیں کہ :

"فقیر کو چاہیے کہ گانا سننے کے لیے اپنے آپ کو عمداً آمادہ نہ کرے۔ اگر مجلس سماع پر گزر ہو تو ادب سے بیٹھے اور اپنے دل کو پروردگار کی یاد میں مشغول کرے۔ اور دل کو غفلت اور فراموشی (ذکر اللہ کو بھولنا) سے محفوظ رکھے۔ ۔ جب مشائخ مجلس سماع میں موجود ہوں تو ہر فقیر کو حتی الامکان سکون سے شیخ کا ادب ملحوظ رکھنا

چاہیے۔ اگر اس پر حال کا غلبہ ہو تو باندازۂ غلبہ وہ حرکت کر سکتا ہے۔ لیکن حال فرو ہونے پر سکون سے بیٹھے اور شیخ کا ادب لازم رکھے اور فقیر کو لازم ہے کہ کلام کی فرمائش نہ کرے۔ اگر کسی فقیر پر وجد طاری ہو اور وہ رقص کرے تو سب فقیر اس کی موافقت میں کھڑے ہو جائیں۔ جس شخص کا حال بناوٹی ہو اس کی چشم پوشی کرنی چاہیے۔ اگر اس کو آگاہ کرنا ضروری سمجھے تو قوتِ قلب سے (یعنی باطنی توجہ سے) اس کو آگاہ کرے نہ کہ زبان سے۔"

اس کے بعد حضرت غوث الاعظمؒ نے اس خرقہ کے آداب بیان فرمائے ہیں جو حالتِ وجد میں فقرا، قوالوں کی طرف پھینکتے ہیں۔

حضرت غوث الاعظمؒ کا خود سماع سننا:

حضرت شاہ ابوالمعالی قادریؒ لاہوری کا شمار سلسلۂ عالیہ قادریہ کے جلیل القدر مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ اپنی کتاب تحفۂ قادریہ میں لکھتے ہیں:

"حضرت شیخ عمر بزازؒ، شیخ علیؒ، شیخ بقاؒ، شیخ ابوسعید قیلویؒ اور دیگر مشائخ اکھٹے ہو کر بقصد زیارت حضرت شیخ محی الدین ابومحمد عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں آئے اور حضرت غوث الثقلین نے قوالوں کو بلا کر سماع کی فرمائش کی۔ سماع سنتے ہی حضرت غوث الاعظمؒ جوش میں آگئے اور کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے۔ مشائخ مذکور بھی شیخ کی تعظیم میں کھڑے ہو گئے۔ حضرت غوث الاعظمؒ وجد کی حالت میں ہوا میں اُڑ کر نظروں سے گم ہو گئے۔ اس کے بعد لوگوں نے آپ کو اس مدرسہ میں پایا جو آپ نے تعمیر کرایا تھا۔ اس وقت علماء نے آپ سے سوال کیا کہ سماع میں حالتِ ذوق پیدا ہو، اور تلاوتِ قرآن میں نہ ہو اس کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ یہ حالت دو چیزوں سے ہوتی ہے ایک سخن خوش، دیگر ذکرِ عشق، اگر خوش الحان اور صاحبِ دل قاری معنی سمجھ کر سورۂ یوسف پڑھے تو سامعین کو ذوق ہوتا ہے۔ لیکن قرآنِ مجید میں پند و نصائح اور قصص پڑھنے سے خوف طاری ہوتا ہے۔"

اس کے بعد کتاب مذکور میں حضرت شاہ ابوالمعالیؒ فرماتے ہیں کہ:

"میں نے حضرت امام عبداللہ یافعی قدس سرہٗ کی تصانیف میں دیکھا ہے کہ

حضرت غوث الاعظمؒ کے پوتے شیخ جمال اللہ اس وقت زندہ تھے۔ میں نے علمائے بغداد سے ان کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ یہ اپنے دادا کے ہم شکل ہیں۔ ان کا نام شیخ عبدالرزاق بھی ہے۔ ہم نے اکثر ان کو بسطام کے جنگل میں اور کبھی کبھی بسطام کے شہر میں دیکھا ہے۔ ہم نے ان کی عمر دریافت کی تو فرمایا کہ انسانِ کامل کی حیات و ممات یکساں ہے معلوم نہیں کس قدر باقی ہے۔ البتہ ایک دفعہ میرے جدِ امجد سید محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ نے بموقعہ سماع حالتِ وجد میں فرطِ عنایت میں مجھ کو بغلگیر کر کے فرمایا تھا کہ اے جمال اللہ عیسیٰ علیہ السلام کو میرا سلام کہنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھوں گا۔"

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور سماع:

عام طور پر یہ بھی مشہور ہے کہ سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں سماع ممنوع ہے۔ حالانکہ سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے سربراہ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہٗ نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب عوارف المعارف میں سماع، آدابِ سماع اور جوازِ سماع پر چار مستقل باب باندھے ہیں۔ تفصیل کے خواہاں حضرات اصل کتاب کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ یہاں کتاب مذکور سے چند اقتباس پیش کیے جاتے ہیں۔

ـــہ حضرت امام عبداللہ یافعیؒ کا شمار اکابر اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ آپ قطب مکہ تھے اور مکہ معظمہ میں قیام پذیر تھے حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین اوچی کو ایک خرقۂ خلافت حضرت امام عبداللہ یافعیؒ سے بھی ملا تھا۔ حضرت خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ کو "چراغ دہلی" کا خطاب حضرت امام عبداللہ یافعیؒ کا دیا ہوا ہے۔ آپ نے مخدوم جہانیاں سے فرمایا کہ اس وقت خواجہ نصیر الدین "چراغ دہلی" ہیں۔ چنانچہ جب حضرت مخدوم جہانیاں حج سے واپس آئے تو دہلی جا کر سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے مرید ہوئے اور خلافت حاصل کی۔ امام عبداللہ یافعیؒ متعدد کتب کے مصنف ہیں۔ تاریخ امام عبداللہ یافعیؒ تصوف کی مشہور کتاب ہے۔

حضرتِ شیخ کا قرآن سے اخذِ جوازِ سماع :

عوارف المعارف کے بائیسویں باب میں آپ نے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات نقل کی ہیں جن میں سماع کی تعریف اور تاکید آئی ہے۔ حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ آیۃ فَبَشِّرْ عِبَادِیْ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ (بس خوشخبری دو میرے ان بندوں کو جو قول سنتے ہیں اور اس میں جو چیز احسن ہے اس کی پیروی کرتے ہیں) اسی آیت میں آگے لکھا ہے کہ اولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدَاھُمُ اللّٰہُ (وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے راہِ راست دکھایا ہے) نیز حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ آیۃ واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع (جب وہ لوگ اس چیز کو سنتے ہیں جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ پر نازل ہوئی ہے تو ان کی آنکھوں میں آنسو اُبل پڑتے ہیں۔

"ایک اور آیت میں اللہ تعالٰے فرماتے ہیں تَقْشَعِرُّ فیہ جلود الذین یخشون ربھم (حق تعالٰے کے ڈر سے ان کی کھال کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں) حضرتِ شیخ نے جوازِ سماع میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے گشت کے دَوران جب ایک آیت قرآن سنی تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پس سماع اللہ تعالٰی کی رحمت کو کھینچتا ہے"۔ آیات قرآن کے بعد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ نے وہ احادیثِ نبویؐ نقل کی ہیں جن سے سماع ثابت ہے۔

احادیثِ نبوی کی رُو سے حضرت شیخ شہاب الدینؒ کا اخذ جوازِ سماع :

اس باب میں آپ نے وہ تمام احادیث نقل کی ہیں جو پہلے اس کتاب میں درج ہو چکی ہیں۔ اگر سلسلہ سہروردیہ میں سماع حرام ہوتا تو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ قرآن وحدیث سے اس کا جواز کیوں نکالتے۔

وجد و حال حضرت شیخ کی نظر میں :

عوارف المعارف کے تیسویں باب میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی

قدس سرہٗ نے سماع کے وجد وحال کا ذکر کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:
"نغمات سے روح کو لذت حاصل ہوتی ہے اور یہ میلان فطرتی ہے۔ اس وجہ سے سماع سننے والوں پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ ۔ ۔ شیخ ابوبکر کتانیؒ فرماتے ہیں کہ عوام کا سماع طبیعت کی مطابقت سے ہے۔ مریدوں کا سماع خوف ورجا سے ہے اولیا کا سماع نعمتوں کے دیکھنے سے ہے۔ عارفین کا سماع مشاہدہ ہے اور اہل حقیقت کا سماع کشف وعیاں ہے۔"

شیخ الشیوخ کے ہاں آداب سماع: کتاب مذکور کے پچیسویں باب میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے آداب سماع بیان فرمائے ہیں جو تقریباً وہی ہیں جو امام غزالیؒ نے بیان فرمائے ہیں اس لیے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ائمہ اربعہ اور سماع: حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قادریؒ اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں کہ:

امام ابوحنیفہ اور سماع: امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوری سے سماع کے متعلق سوال کیا گیا تو دونوں نے جواب دیا کہ "سماع نہ گناہ کبیرہ ہے نہ گناہ صغیرہ۔ بلکہ جائز ہے۔" اور یہ بھی نقل ہے امام ابوحنیفہؒ کا ایک پڑوسی تھا جو ہر روز گایا کرتا تھا اور امام صاحب اس کا گانا سنا کرتے تھے۔ ایک رات امام نے اس کی آواز نہ سنی۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ قید ہو گیا ہے۔ یہ سن کر امام صاحب خود قید خانہ کے حاکم امیر عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی سفارش کی۔ حاکم نے اس کا نام دریافت کیا تو امام صاحب نے فرمایا اس کا نام عمر ہے۔ حاکم نے حکم دیا کہ عمر نامی جتنے قیدی ہیں سب آزاد کر دیئے جائیں۔ جب عمر رہا ہو گیا تو امام صاحب نے اُسے فرمایا کہ جس طرح پہلے گاتے تھے اب بھی گایا کرو۔

علامہ نابلسیؒ اور سماع: علامہ عبدالغنی نابلسیؒ جو مشہور حنفی بزرگ اور علامہ شامیؒ کے استاد ہیں لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے

امام ابو حنیفہ کا سماع سننا ثابت ہے۔ اس لیے اگر آپ کے نزدیک گانا ناجائز نہ ہوتا تو آپ عمر قوال کی سفارش نہ کرتے اور نہ اُسے گانے کی فرمائش کرتے۔ بلکہ منع کرتے۔

علامہ ملّا علی قاری حنفی اور سماع:

علامہ ملّا علی قاری حنفی اپنے "رسالہ سماع" میں فرماتے ہیں کہ "امام یوسف (امام اعظم کے شاگرد) جب ہارون الرشید کی مجلسِ سماع میں جاتے تھے تو آپ پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ جب لوگ آپ سے جوازِ سماع کے بارے میں سوال کرتے تو آپ امام ابوحنیفہ کا وہی قصہ بیان کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر سماع حرام ہوتا تو ہمارے امام اپنا وقت گانے میں کیوں ضائع کرتے۔"

علامہ شامی حنفیؒ اور سماع:

علامہ شامی حنفیؒ اپنی کتاب علی درالمختار میں لکھتے ہیں کہ: اس سے ثابت ہوا کہ "آلہ لہو بذاتہٖ حرام نہیں بلکہ جب اس سے لہو کا قصد کیا جائے تو بلحاظ قصد حرام ہے خواہ یہ قصد سامع کی طرف سے ہو خواہ گانے والے کی طرف سے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اسی آلہ کو بعینہٖ بجانا کبھی حلال ہوتا ہے کبھی حرام ہوتا ہے۔ نیت کے اختلاف کی وجہ سے۔ اس میں سادات صوفیہ کرام کے لیے دلیل ہے۔ جن کے مقاصدِ سماع اس جلیل القدر ہیں کہ جن کو وہی خود بخوبی جان سکتے ہیں۔ پس معترض کو اعتراض میں دلیری اور جلد بازی نہیں کرنی چاہیے تاکہ ان کی برکت سے محروم نہ رہے کیونکہ وہی خالص اخیار اور نیک بندگانِ خدا ہیں۔ خدا ان کی وساطت سے ہمیں امداد کرے اور ہم پر ان کی دعائیں اور برکات نازل کرے۔"

امام مالکؒ اور سماع:

امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ سماع کے متعلق اہلِ علم کا کیا خیال ہے تو آپ نے فرمایا کہ "میرے علاقے میں (آپ ہمیشہ مدینہ منورہ میں رہے) اہلِ علم اس کا انکار نہیں کرتے بلکہ جائز سمجھتے ہیں۔ اور اس کو بُرا سمجھنے والے عام لوگ یا تو جاہل ہیں یا عراق کے باشندے ہیں جن کی طبائع سخت ہیں۔" ابن حمدونؒ نے اپنی کتاب تذکرہ اور علامہ ابوالفرجؒ نے اپنی کتاب

آغانی میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ کے سامنے ایک آدمی گاتا ہوا گزرا تو آپ نے اس کے کلام کی تصحیح فرمائی۔ علامہ عیسےٰ بن عبدالرحیم رسالہ سماع میں لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ نے گانا سنا اور خود بھی گایا۔

امام شافعیؒ کا سماع سننا:

امام غزالی احیاالعلوم میں لکھتے ہیں کہ: امام شافعی کے مذہب میں راگ ہرگز حرام نہیں۔ علامہ یونس بن عبدالعلی کہتے ہیں کہ امام شافعی سے پوچھا گیا کہ اہل مدینہ راگ کو مباح اور جائز خیال کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ علمائے عرب سے ایسا کون ہے جو راگ کو مکروہ سمجھے امام احمد غزالی بوارق السماع میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی نے ایک گانے والی عورت سے راگ سنا اور جب سن چکے تو اپنے ساتھی علامہ یونس بن عبدالعلی سے کہا کہ کیا تم راگ سن کر خوش ہوئے۔ اس نے کہا نہیں۔ اس پر امام موصوف نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو تمہاری حس صحیح نہیں۔"

امام احمد بن حنبلؒ اور سماع:

امام احمدؒ اپنی مشہور کتاب مسند امام احمد میں روایت کرتے ہیں کہ حبشی لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دف بجا رہے تھے، ناچ رہے تھے اور یہ گا رہے تھے ؎

رسولٌ محمدٌ عبدٌ صالحٌ

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم کیا کہہ رہے ہو تو انہوں نے کہا ؎

رسولٌ محمدٌ عبدٌ صالحٌ

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ناچنا، دف بجانا، گانا اور ناچ دیکھنا جائز ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے بروایت صحیح ثابت ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے صالحؒ کے پاس گانا سنا اور شرح مقنع میں امام احمدؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے قوال کو گاتے سنا اور انکار نہ کیا اس پر آپ کی بیٹی صالحہؒ نے کہا کہ آپ تو اس کو برا سمجھتے تھے۔ آپ نے جواب دیا کہ لوگ برائی کی آمیزش سے سنتے ہیں۔" ختم ہوا شیخ عبدالحق کی کتاب مدارج النبوۃ کا اقتباس۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور سماع:

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قادری اپنے رسالہ نکات میں تحریر فرماتے ہیں:

نکتہ: جاہل کیست (جاہل کون ہے) جواب جاہل آنکہ سماع مطلق را بحر حال، در ہر وقت از ہر کس اندک و بیش حرام داند و فاسق آنکہ مطلق آں را حلال داند (جاہل وہ ہے جو مطلق سماع کو ہر حال میں ہر وقت میں اور ہر شخص کے لیے خواہ کم ہو یا زیادہ حرام سمجھے اور فاسق وہ ہے جو مطلق سماع کو حلال سمجھے (یعنی بلا شرائط) اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ ہر قسم کا سماع حلال ہے نہ ہر قسم کا سماع حرام ہے بلکہ حرام چیزوں کی آمیزش سے حرام ہو جاتا ہے اور حرام چیزوں کو خارج کرنے سے حلال ہو جاتا ہے:

امام یوسفؒ اور امام محمدؒ کا سماع:

لطائف اشرفی (ملفوظات حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ جو غوث وقت تھے) میں لکھا ہے کہ امام یوسف سے مسئلہ سماع کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جائز ہے۔ امام محمدؒ بھی سماع کو جائز سمجھتے ہیں۔ فتاویٰ تتارخانیہ میں ان دونوں حضرات سے جوازِ سماع ثابت ہے:

مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ اور سماع:

مولانا عبدالحی لکھنوی فرنگی محلی اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں کہ:

"قول فیصل اس بات میں جو احادیث پر مبنی ہے یہی ہے کہ نفس سماع عموماً ممنوع نہیں۔ بلکہ اس کی حرمت یا کراہت بوجہ عوارض خارجہ عارض ہوتی ہے:

فتاویٰ خیریہ اور سماع:

فتاویٰ خیریہ میں لکھا ہے کہ:

"جو شخص سماع حلال کو حرام کہے وہ گمراہی میں پڑ گیا اور عقوبت و نکال کا مستحق ہے۔ اس لیے کہ سماع حرام نہیں۔

اہلِ حدیث کے امام قاضی محمد بن علی شوکانی یمنیؒ اور سماع:

اہلِ حدیثوں کے امام حضرت قاضی محمد بن علی شوکانی یمنیؒ نے سماع پر ایک مدلل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے۔

ابطال دعویٰ اجماع۔ اس رسالہ میں آپ نے احادیث نبوی سے ثابت کیا ہے۔ سماع جائز ہے آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ سے کوئی بات راگ کے حرام ہونے میں نہیں آئی بلکہ دونوں نے راگ سننا ثابت کیا ہے۔ امام موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

عبداللہ بن جعفرؓ ابن ابوطالب سماع سنتے تھے اور اپنی خوش الحان لونڈیوں سے تار والے ساز کے ساتھ امیر المومنین حضرت علیؓ کے زمانہ خلافت میں گانا سنا کرتے تھے۔ قاضی شریح، سعید ابن مسیّب، عطا ابن رباح، اور امام زہری، اور امام شعبیؒ سے بھی یہی منقول ہے"

استاذ العلماء والمحدثین امام ابراہیم بن سعد مدنی اور سماع:

حضرت امام ابراہیم بن سعد مدنیؒ امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ۔ امام احمد اور امام شعبہ کے استاد ہیں۔ اور بڑے بلند پایہ محدث ہیں۔ کتاب میزان الاعتدال جلد اول۔ مدارج جلد اول اور احیاء العلوم جلد چہارم میں لکھا ہے کہ:

استاذ الائمہ حضرت امام ابراہیم بن سعد مدنیؒ عود (یعنی باجا) کے ساتھ گانا سنتے تھے۔ جب آپ بغداد تشریف لائے تو ہارون الرشید سے کہا کہ عود منگواؤ۔ ہارون نے کہا کہ کیا خوشبودار لکڑی مطلوب ہے۔ انہوں نے فرمایا نہیں عودِ طرب۔ ہارون الرشید نے باجا منگوایا اور حضرت ابراہیم بن سعدؒ نے اس کے ساتھ گانا گایا۔ اس پر ہارون الرشید نے دریافت کیا کہ کیا مدینہ میں اس کا کوئی منکر ہے آپ نے فرمایا کہ جس دل پر خدا نے مہر لگا دی ہو وہی منکر ہو گا:

امام احمد غزالیؒ اور سماع:

امام محمد غزالیؒ کے چھوٹے بھائی امام احمد غزالیؒ نے جن کا شمار اکابر مشائخ میں ہوتا ہے سماع پر ایک رسالہ لکھا ہے کہ جس میں ثابت کیا کہ احادیث کی رُو سے سماع حلال ہے۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ سماع فعل رسول ہے اور فعل رسول کو حرام کہنے والا بالاجماع کافر ہے۔

شیخ الشیوخ حضرت ضیاء الدین ابو النجیب سہروردیؒ اور سماع:

حضرت شیخ الشیوخ ابو النجیب سہروردیؒ

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کے چچا اور مشائخ متقدمین میں سے ہیں آپ کا مقام اس قدر بلند ہے کہ حضرت خواجۂ بزرگ خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ نے ایک مدت تک بغداد میں آپ کی صحبت میں رہ کر فیوض حاصل کیے۔ حضرت شیخ ضیاء الدین ابوالنجیبؒ نے اپنی مشہور کتاب "آداب المریدین" میں سماع پر ایک مستقل باب لکھا ہے اور آداب سماع بیان فرمائے ہیں۔

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی سہروردیؒ کا سماع و رقص:

کتاب مراۃ الاسرار میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ بہاؤ الحق والدین زکریا ملتانی قدس سرہٗ نے بھی سماع سنا ہے۔ ایک دفعہ جب عبداللہ رومی قوال نے آپ کے سامنے عرض کیا کہ مجھ سے حضرت شیخ شہاب الدین قدس سرہٗ نے بھی قوالی سنی تھی آپ کو سنانے آیا ہوں تو آپ نے فرمایا اگر میرے شیخ نے سماع سنا ہے تو میں بھی سنتا ہوں اس کے بعد عبداللہ رومی نے یہ غزل گائی ؎

عاشقاں کز شراب ناب خورند — از پہلوئے خود کباب خورند

(عاشق لوگ جب شراب عشق پیتے ہیں تو اپنے پہلو سے کباب (سوختہ دل) کھاتے ہیں)، تو اس پر آپ کو وجد آگیا اور چراغ بجھا کر آپ نے رقص فرمایا۔ صبح کے وقت آپ کے قوال کو خلعت کے علاوہ بیس روپے نقد عطا فرمائے۔

حضرت شیخ حمید الدین ناگوری سہروردی اور سماع:

حضرت شیخ حمید الدین ناگوری سہروردیؒ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہ فی الہند تھے۔ آپ کا شمار جلیل القدر مشائخ میں ہوتا ہے۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہٗ کے دوست تھے اور دونوں حضرات مل کر خوب مجالس سماع گرم کیا کرتے تھے۔ بلکہ آپ نے کوشش تمام کے ساتھ سماع کو تربیت دی اور آجکل جو باقاعدہ سماع ہم سنتے ہیں آپ کا مرتب شدہ ہے۔ جب مولانا احمد جام کی غزل ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را — ہر زماں از غیب جان دیگر است

پر حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کا وصال ہوا تو حضرت قاضی حمید الدین ناگوری شریکِ محفل تھے۔

حضرت شیخ فخر الدین عراقی سہروردیؒ:

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے مرید اور داماد حضرت شیخ فخر الدین عراقیؒ بھی اہلِ سماع تھے۔ جب آپ نے ملتان میں رہ کر غزلیں لکھیں اور وہ غزلیں قوالوں نے شہر میں گانا شروع کیا تو مخالفین نے حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ کی خدمت میں شکایت کی لیکن آپ نے درگزر فرمایا:

حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ سہروردی اور سماع:

حضرت شیخ سعدی شیرازی جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے مرید و خلیفہ ہیں سماع کے دلدادہ تھے۔ آپ کے یہ اشعار آپ کے ذوقِ سماع پر دلالت کرتے ہیں ؎

مکن عیب درویش حیران و مست — کہ غرق است ازاں مے زند پا و دست

نہ بینی شتر را بر حدائے عرب — کہ چونش برقص اندر آرد طرب

(اونٹ حدی کی آواز سے مست ہو جاتا ہے اور خوشی اور وجد میں آتا ہے)

سماع کے متعلق آپ کے صریح الفاظ ملاحظہ ہوں ؎

سماع اے برادر بگویم کہ چیست — مگر مستمع را بدانم کہ کیست

گر از برج معنی بود طیر او — فرشتہ فرو ماند از سیر او

جہاں پر سماع است و مستی و شور — ولیکن چہ بیند در آئینہ کور

نہ بم داند آشفتہ ساماں نہ زیر — با آواز مرغے بنالد فقیر

حضرت مخدوم جہانیاں اُوچی سہروردیؒ:

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت قدس سرہٗ بڑے عالم و فاضل اور جلیل القدر مشائخ میں سے تھے۔ آپ کے اہلِ سماع

ہونے کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ آپ چشتیہ سلسلے میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہ کے خلیفہ تھے جو اہتمام کے ساتھ سماع سنتے تھے۔

حضرت شاہ نعمت اللہ سہروردی ملتانیؒ اور سماع:

حضرت شاہ نعمت اللہ سہروردی ملتانیؒ فرماتے ہیں کہ:

"عارف کامل کے لیے سماع فرض ہے اور سچے طالبانِ خدا کے لیے سماع مفید اور سنت مشائخ ہے۔ غافلین کے لیے جواز کار و اشغالِ الٰہی پر مداومت نہیں کرتے سماع بدعت اور مضر ہے"

قادری بزرگان حضرت میاں میر لاہوری، حضرت ملّا شاہ بدخشی، شاہ ابوالمعالی کا سماع

دارا شکوہؒ اپنی کتاب سکینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت میاں میر لاہوریؒ اور آپ کے دونوں خلفاء یعنی حضرت ملّا شاہ بدخشی اور حضرت شاہ ابوالمعالیؒ قادری سماع کے بیحد مشتاق تھے اور ان کے ہاں مجالس سماع بڑے ذوق و شوق سے منعقد ہوا کرتی تھیں۔

مشائخ نقشبندیہؒ اور سماع

مشائخ قادریہ اور سہروردیہ سے جوازِ سماع ثابت کرنے کے بعد اب ہم حضرات مشائخ نقشبندیہؒ کے ذوقِ سماع کو بیان کرتے ہیں تاکہ معترضین یہ نہ کہنے کے قابل رہیں کہ صرف مشائخ چشتیہ نے سماع کو جائز قرار دیا ہے باقی کسی نے نہیں دیا۔

حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ اور سماع :

خواجۂ بزرگ حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند جو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے سردار ہیں سماع کے متعلق فرماتے ہیں کہ "من نہ این کار میکنم نہ انکار مے کنم" (یعنی نہ میں سماع سنتا ہوں نہ اسے حرام کہتا ہوں) اس سے ظاہر ہے کہ آپ منکر سماع نہیں ہیں۔ آپ کے سماع نہ سننے کی وجہ یہ ہے کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا تعلق چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے جو نہایت خاموش طبیعت تھے۔ اس سلسلے میں ذکر جہری کی بجائے ذکر خفی مروج ہے اور خاموشی میں ان کے مراتب طے ہوتے ہیں۔ مرزا مظہر جانجاناں دہلویؒ سے کسی نے پوچھا کہ نسبتِ چشتیہ اور نسبتِ نقشبندیہ میں کیا فرق ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ نسبتِ چشتیہ کا نشہ شراب کا سا ہے اور نسبتِ نقشبندیہ کا نشہ افیون کی پینک کی طرح ہے کہ اس سلسلے میں جوش و خروش کی بجائے خاموشی سے مراتب طے ہوتے ہیں۔

حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندیؒ اور سماع :

حضرت خواجہ محمد پارساؒ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اکابر مشائخ میں سے ہیں اور حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرہٗ کے خلیفۂ اعظم ہیں آپ کا مقام اس قدر بلند ہے کہ حضرت خواجۂ بزرگ نے آپ کو برزخ کا لقب عطا فرمایا

تھا۔ یاد رہے کہ بُرخ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمّت میں ایک بزرگ تھے جو مستجاب الدعوات تھے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے دعا منگوایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت اویس قرنیؒ کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کا بُرخ فرمایا تھا۔ حضرت خواجہ محمد پارساؒ فرماتے ہیں کہ:

"حق تعالےٰ عاشق کے دل میں ایک مسرت رکھی ہے اور ایک گوہر امانت پیدا کیا ہے کہ آواز دلکش اس گوہر کو ہلا دیتی ہے اور آدمی کے دل میں وہ چیز پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کو اس میں کچھ اختیار نہیں۔ اس کو وجد کہتے ہیں۔ ایسے وقت میں اگر اس کو مکاشفہ ہو اور راگ کے الفاظ اس کی زبان سے نکلیں تو یہ ایک احوالِ لطیف ہوتا ہے۔ اس کو نقد وجد کہتے ہیں۔ وجد میں اس کا دل ایسا پاک وصاف ہو جاتا ہے جیسے آگ میں چاندی اور وہ تمام کدورتیں جاتی رہتی ہیں جو بہت ریاضتوں سے بھی دور نہ ہوں"

مولانا عبدالرحمٰن جامی نقشبندیؒ اور سماع:

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کا شمار اکابر مشائخ نقشبندیہ میں ہوتا ہے

آپ سماع کے بڑے شائق تھے اور اکثر مجالس سماع منعقد کیا کرتے تھے۔ مثنوی یوسف وزلیخا لکھتے وقت جو آپ کی حالت ہوتی تھی بیان سے باہر ہے آپ خود فرماتے ہیں کہ اس وقت مجھ پر ایسا حال طاری ہوتا تھا کہ جس میں سماع کے سوا میری کوئی چیز معاون ثابت نہیں ہوتی تھی۔ آپ کے ذوقِ سماع کا اندازہ آپ کے اشعار ذیل سے بخوبی ہو سکتا ہے ؎

منع سماع ونغمہ ونے میکند فقیہ ۔۔۔ بیچارہ پے نہ بردہ بسرِ لغنت فیہ

مے دہ بہ بانگِ نے کہ ندارم زغیرتِ عشق ۔۔۔ پروائے ریشِ محتسب وسبت فقیہ

واعظ بطعنِ بادہ پرستاں زباں کشاد ۔۔۔ یارب تو ئی پناہِ من از شرآں سفیہ

جامی حریم کوئے مغاں کعبۂ صفا است ۔۔۔ طوبیٰ لساکنہ وبشریٰ لنزائرہ

حضرت مولانا خواجگی اور مولانا ہبیدی نقشبندی کا سماع:

حضرت مولانا خواجگیؒ اور مولانا ہبیدیؒ

جن کا شمار اکابر مشائخ نقشبندیہ میں ہوتا ہے اور جو حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے خلیفہ مولانا محمد قاضی کے خلیفہ ہیں۔ اپنے بعض مریدین کو ذکر جہری اور سماع سننے کا حکم دیتے تھے اور بعض کو رقص و سرود کا حکم دے دیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ:

"ہمارے خواجگان (نقشبندیہ) کا طریقہ صحو و سکر، سکون و اضطرار، اور جہر و خفا ہے۔ مبتدی و متوسط کے مناسب حال اخفا ہے اور منتہی کے مناسب حال اظہار ہے۔"

حضرت مجددِ الف ثانیؒ اور سماع:

حضرت مجدد الف ثانیؒ نقشبندی قدس سرہٗ بڑے پابند شریعت تھے۔ مولوی نعیم الدین اپنی کتاب معمولات مظہریہ میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں یہ شکایت پیش کی کہ خواجہ ابو ہاشم کسمیؒ جو آپ کے خلیفہ اور جامع مقامات امام ربانی ہیں سماع سنتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ تجھے ان سے کیا کام۔ وہ مرتبہ کمال پر پہنچ چکے ہیں۔ میرے ساتھ بھی ان کو اختلاف جائز ہے۔ جب میں ان کے حال سے تعرض نہیں کرتا تو کسی اور کی کیا مجال کہ ان کے حال پر معترض ہو۔

حضرت امیر ابو العلی نقشبندیؒ اور سماع:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب انفاس العارفین میں فرماتے ہیں کہ سلسلہ ابو العلائی کے بانی مبانی سماع سنتے تھے۔ کتاب مذکور میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ:

"آپ کا سلسلہ دو طریقوں سے حضرت خواجہ عبید اللہ احرار نقشبندیؒ سے جا ملتا ہے آپ کی بیعت سلسلۂ نقشبندیہ میں اپنے خالو خواجہ یحییٰؒ کے ساتھ بھی جو حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے فرزند و خلیفہ تھے۔ ملا عمر جنہوں نے شرح ملا پر حاشیہ لکھا ہے بھی ابو العلائی تھے اور امیر ابو العلی کے خلیفہ خواجہ ولی محمدؒ کے مرید تھے۔۔۔ امیر ابو العلی بڑے ذوق و شوق سے سماع سنتے تھے۔ کبھی آپ کا سماع مزامیر کے ساتھ ہوتا تھا کبھی بغیر مزامیر۔"

شاہ ولی اللہ صاحب کتاب مذکور میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ: "قوالطف اللہ

اپنی کتاب جامع مقامات ابوالعلیٰ میں لکھتے ہیں کہ: حضرت امیر کے حاضرین پر ہمیشہ بے اختیار وجد طاری رہتا تھا یوں نہیں کہ ان کی محفل میں کوئی خلاف شرع ارتکاب کرے اور مزامیر یا سرود کی آواز پر رقص کرے۔ آپ مزامیر کو بھی حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ کے اس فرمان کے مطابق کبھی کبھی سن لیتے تھے کہ "من نہ انکار میکنم نہ ایں کارمیکنم"

یاد رہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم نقشبندی ؒ نے حضرت شاہ ابوالعلیٰ سے بھی خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ شاہ عبدالرحیم صاحبؒ نے بھی انفاس العارفین میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ امیر ابوالعلیٰ سماع سنتے تھے۔ نیز آجکل بھی اس سلسلہ عالیہ کے جتنے مشائخ اور مریدین ہیں سب اہلِ سماع ہیں اور مزامیر کے ساتھ سماع سنتے ہیں اور رقص کرتے ہیں۔ لاہور میں احقر راقم الحروف نے بارہا ان کی مجالس میں شمولیت کی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی اور سماع:

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ حضرت مرزا مظہر جانان جاناں دہلوی نقشبندیؒ کے خلیفہ اور تفسیر مظہری اور ارشاد الطالبین کے مصنف ہیں۔ آپ نے سماع پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے۔ مسئلۃ السماع۔ اس رسالہ میں آپ نے نہایت فاضلانہ طریق پر سماع کی حلت اور حرمت میں جو احادیث ہیں۔ ان پر بحث کی ہے اور محدثین حضرات کے حوالہ جات دے کر ثابت کیا ہے کہ حرمت سماع کی تمام تر احادیث موضوع یا ضعیف ہیں۔ آپ نے اس رسالہ میں امام غزالی کا وہ قول بھی نقل کیا ہے جس میں امام صاحب فرماتے ہیں کہ:

"راگ کی حرمت (حرام ہونا) پر جو احادیث آئی ہیں وہ اس گانے کے متعلق ہیں جو شہوت اور عشق بازی سے دل کی شیطانی مرادیں پوری کرتا ہے لیکن وہ گانا جو خدا تعالےٰ کی محبت میں ہو وہ محبوب ہے اور عبادت ہے اور وہ گانا جو نہ شیطان کی مراد پوری کرے، نہ خدا کی محبت میں وہ مباح ہے۔ جیسے شادی کے موقعوں پر گانا سننا جس سے خوشی بڑھتی ہے اور وہ گانا بھی مباح ہے جو عید کے دن یا

نکاح کے موقعہ پر گایا جائے اور کسی بچھڑے ہوئے عزیز کی آمد پر اور ولیمہ کی دعوت پر، اور بچے کی پیدائش پر اور عقیقہ اور ختنہ کے دن اور حفظِ قرآن کی آمین کے دن وغیرہ وغیرہ پر گایا جائے۔ اس قول کو اکثر علمائے حنفیہ نے بھی اختیار کیا ہے:۔ اس کے بعد حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندیؒ حنفی کتابوں یعنی خزانہ، کافی اور امتناع کے حوالجات پیش کر کے ثابت کرتے ہیں کہ خوشی کے موقعوں پر گانا بجانا مباح ہے اور خدا تعالےٰ کی محبت میں سماع سننا عبادت ہے۔ کتاب امتناع کی عبادت حسب ذیل ہے:

"راگ سننے سے رقتِ قلب اور خشوع اور وصال الٰہی کے شوق کا جوش اور اس کے قہر و عذاب کا خوف پیدا ہوتا ہے اور جس کام کا نتیجہ یہ ہو وہ ایک عبادت ہے۔"

حضرت شیخ شہاب الدین کا ایک قول قاضی ثناء اللہ کی زبانی:

اس کے قاضی ثناء اللہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کا یہ قول نقل کرتے ہیں:

"السماع یستجبُ من اللہِ الکریم:
(سماع خداوند کریم کی رحمت لاتا ہے)
اس کے بعد حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ:

"اگر یہ کہا جائے کہ سماع اہل کیلئے مباح ہے اور نااہل کے لیے گناہ اور یہ کہ آجکل کے درویش اس کے اہل نہیں تو یہ کہنا غلط ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لایزال امتی امۃٌ قائمۃٌ بامر اللہ لایضرھم من خذلھم ولامن خالفھم (میری امت میں برابر ایک جماعت ایسی موجود رہے گی جو خدا کے حکم پر قائم ہوگی اور اس کی کوئی مخالف نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ نیز فرمایا: مثل امتی کمثل المطر لایدری اَوّلُھا خیرٌ اَوْ آخرُھا (میری امت کی مثال بارش کی سی ہے جس کی نسبت معلوم نہیں کہ اس کا اول اچھا ہے یا آخر) برادرِ من! اہل وجد تین قسم کے ہیں۔ ایک تو اہلِ کمال ہیں جن کے باطن میں عشق الٰہی ان کو بے اختیار کر دیتا ہے۔ یہ جماعت خدائی جماعت ہے۔ ان کا انکار خرابیِ دین کا موجب ہے۔

حدیثِ قدسی میں آیا ہے کہ من عادیٰ لی ولیًا بارزنی بالمحاربۃ (بخاری ومسلم) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس نے میرے ولی سے عداوت کی وہ میرے ساتھ جنگ کرتا ہے) دوسری جماعت وہ لوگ ہیں جو اعلیٰ حالات پیدا کرنے کے لیے راگ سنتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے ذریعے واردات حاصل کریں یہ بھی محمود ہے۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جو ریا کے طور پر وجد کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کو اہل کمال سمجھیں۔ یہ لوگ فاسق اور بدعتی ہیں ..... لیکن ہر شخص کے ساتھ بدظنی جائز نہیں کیونکہ بدظنی گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنَّ بعض الظنِ اثم (بعض بدظنی گناہ ہے) کیونکہ بدظنی کی وجہ سے آدمی خود فاسق بن جاتا ہے۔ دوسرا فاسق ہو یا نہ ہو۔

ہر کرا جامہ پارسا بینی   پارسادان و نیک مرد انگار

خواجگان چشتیہ کا سماع

قرآن و حدیث، ائمہ مجتہدین، فقہا و محدثین، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور مشائخ قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ کے اقوال و عمل سے جواز سماع ثابت کرنے کے بعد اب ہم مشائخ چشت اہل بہشت کے سماع کا ذکر کرتے ہیں اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح مشائخ چشتیہ کی نسبت شدید عشقیہ نسبت ہے جو اصل اسلام اور اصل ایمان ہے بصداق قولہ تعالے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (جو ایمان دار ہیں ان کو اللہ تعالے سے شدید محبت ہے)

حضرت خواجہ حسن بصریؒ: حضرت خواجہ حسن بصریؒ تابعی ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیض یافتہ ہیں آپ ہیں نہ صرف سلسلہ عالیہ چشتیہ کے شیخ الشیوخ ہیں بلکہ سلسلہ عالیہ قادریہ اور سہروردیہ کے بھی شیخ الشیوخ ہیں آپ سماع کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ وجد ایک بھید ہے جو دل میں آتا ہے اور اسے محرک کر دیتا ہے نیز فرماتے ہیں کہ سماع جو حق سے سنتا ہے۔ حق رسیدہ ہو جاتا ہے اور جو نفس سے سنتا ہے زندیق ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو اسحاق شامیؒ: حضرت ابو اسحاق شامیؒ قدس سرہ بکثرت سماع سنتے تھے اور علمائے وقت میں سے کسی کو آپ پر اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی جو شخص ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں حاضر ہوتا۔ دنیا سے کنارہ کش ہو جاتا تھا مریض آتا تو مرض سے خواہ کتنا خطرناک کیوں نہ ہو شفا ہو جاتی اہل دنیا کو اجازت نہ تھی، لیکن کوئی اہل دنیا شریک مجلس ہوتا تو تارک الدنیا ہو کر اٹھتا تھا جب آپ مجلس سماع میں رقص کرتے تو تمام حاضرین پر وجد طاری ہو جاتا تھا اور در و دیوار

رقص کرتے نظر آتے تھے۔ ایک دفعہ بادشاہ وقت نے حاضر ہو کر بارش کی درخواست کی تو آپ نے محفل سماع منعقد کی۔ فوراً موسلا دھار بارش شروع ہو گئی دوسرے دن بادشاہ شکریہ ادا کرنے کی خاطر آیا تو آپ نے رو دیا اور فرمایا۔ نامعلوم مجھ سے کون سی خطا سرزد ہوئی ہے کہ بادشاہ میرے پاس بار بار آرہا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ شرمندہ ہوا اور روتا ہوا گھر چلا گیا جب آپ کے ہاں مجلس سماع ہوتی تو آپ کے حکم سے تمام یاران مجلس اور قوال تین دن پہلے کا روزہ رکھتے تھے اور قوالوں کو پہلے توبہ کرائی جاتی ہیں۔

حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ:

آپ جس وقت سماع میں ہوتے تو جس شخص پر آپ کی نظر پڑ جاتی تھی صاحب کرامت ہو جاتا کسی مریض پر نظر پڑ جاتی تو فوراً صحت یاب ہو جاتا۔ سماع میں آپ کے جبین مبارک سے ایک نور کی شعاع نکلتی تھی جو آسمان تک نظر آتی تھی۔ یہ دیکھ کر تمام اہل شہر کو معلوم ہو جاتا کہ حضرت شیخ سماع سن رہے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ جو فتح باب (باطن دروازوں کا کھلنا) سماع میں حاصل ہوتا ہے کسی دوسرے شغل میں حاصل نہیں ہوتا سو برس کی ریاضت شاقہ سے بھی یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوتا۔ آپ کی مجلس میں حضرت خواجہ سری سقطیؒ اکثر شرکت فرمایا کرتے تھے۔ یاد رہے کہ حضرت سری سقطیؒ سید الطائفہ حضرت جنید بغداد قدس سرہ کے شیخ تھے۔ حضرت جنید بغدادیؒ بھی اہل سماع تھے اس لیے حضرت جنید بغدادیؒ سے جس قدر بے شمار سلاسل وجود میں آئے ہیں کسی کو سماع سے انکار نہیں۔ سلسلہ قادریہ و سہروردیہ بھی حضرت جنیدؒ کے فیض یافتہ ہیں۔

حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیؒ:

سماع میں آپ کے جبین مبارک سے نور تاباں نکل کر آسمان تک پہنچ جاتا تھا اور خلقت معائنہ کرتی تھی۔ آپ کی مجلس سماع میں حضرت شیخ ابو بکر شبلی جو حضرت جنید بغدادیؒ کے خلیفہ تھے اکثر شریک ہوتے تھے۔ آپ کا قول ہے کہ جو چیز میں نے سماع میں پائی سو سال کی عبادت میں بھی حاصل نہیں ہو سکتی آپ کی مجلس میں بھی دنیا داروں کو شرکت کی جازت نہ تھی جو دنیا دار شریک ہوتا مجذوب ہو جاتا تھا فاسق فاجر میں بھی آپ کی مجلس میں

شریک ہوکر صاحب نسبت ہو جاتے تھے اور مریض صحت یاب ہو جاتے۔

حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ: آپ ایک دن مجلس سماع میں بیٹھے لوگوں کی نظروں سے غائب ہوگئے بعد میں ایک بزرگ نے اس کی وجہ معلوم کرنا چاہی تو فرمایا کہ اجازت لے کر جواب دوں گا۔ دوسرے دن جب سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا ایک مقام ہے جسے نورِ اسود (سیاہ نور) کہتے ہیں کوئی سالک اس مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ مگر بذریعہ سماع۔ جب صاحبِ سماع اس مرتبہ پر پہنچتا ہے تو لوگوں کی نظروں سے گم ہو جاتا ہے مثل اس ستارہ کے جو آفتاب کی روشنی میں گم ہو جاتا ہے۔"

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ: حضرت خواجہ عثمانی ہارونیؒ سماع کا از حد شوق رکھتے تھے اور بکثرت سنتے تھے جب بعض علمائے ظواہر نے بادشاہ وقت سے شکایت کی تو بادشاہ نے آپ کو سماع سے منع کر دیا لیکن آپ نے جوش میں آکر فرمایا کہ سماع اللہ کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے۔ حالت سماع میں بندہ اور خدا کے درمیان پردے اُٹھ جاتے ہیں سماع ہرگز ہرگز بند نہیں ہوگا۔ کس میں قدرت ہے کہ مجھے سماع سے روکے۔ میں نے خدا تعالےٰ سے دعا کی ہے کہ قیامت تک میرے مرید اور فرزند سماع سنتے رہیں اور کسی کو اہل سماع پر ظفر حاصل نہ ہوگا۔ آپ سات سات دن تک مسلسل سماع سنتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ بادشاہ وقت کے حکم سے مجلس مناظرہ منعقد ہوئی لیکن آپ کی کرامت سے تمام مخالف علمار کی زبانیں بند ہوگئیں اور ان کا سارا علم سلب ہوکر رہ گیا اور امی محض بن گئے لیکن جب انہوں نے توبہ کی اور معافی مانگی تو ان کا علم لوٹ آیا اور بحث و مباحثہ سے تائب ہوئے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ: خواجہ خواجگان حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری قدس سرہٗ بکثرت سماع سنتے تھے اور علمار و فقہائے وقت میں سے کسی کو آپ کے سماع پر انکار نہ تھا۔ اکثر علمائے متبحر اور مشائخ کبار آپ کی مجلس سماع میں حاضر ہوتے اور آپ کے

فیوض و برکات سے مالا مال ہوئے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشیؒ: آپ کے سماع کا یہ عالم تھا کہ سماع میں جان دے دی آپ کے ایک دوست نے مجلس سماع منعقد کرائی۔ قوالوں نے مولانا احمد جام کی غزل گائی جب اس شعر پر پہنچے

کشتگانِ خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

تو آپ پر وجد طاری ہو گیا اور چار دن رات آپ مسلسل رقص کرتے رہے اس سے سارے شہر دہلی میں تہلکہ مچ گیا۔ جب نماز کا وقت آتا تھا تو آپ باہر آکر نماز پڑھ لیتے تھے اور پھر محو رقص ہو جاتے جب قوال پہلا مصرعہ پڑھتے تو آپ جاں بحق ہو جاتے تھے۔ جب دوسرا مصرعہ پڑھتے تو پھر سے زندہ ہو جاتے تھے اور رقص کرنے لگتے آخر آپ نے قوالوں کو اشارہ کر دیا کہ دوسرا مصرعہ نہ پڑھنا۔ اس طرح آپ نے رقص کرتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کر دی آپ کی اس حالت کو احقر راقم الحروف نے منقبت میں یوں بیان کیا ہے ؎

زتیغ لا فنا فی اللہ زالا اللہ بقا باللہ۔ چہ خوش خوش جاں بجاں پرور سپرد آں مرد حمانے

حضرت خواجہ غلام فریدؒ اشارات فریدی میں فرماتے ہیں کہ وصال سے دو ماہ پہلے حضرت خواجہ قطبؓ بار بار یہ شعر پڑھ کر مست ہو جاتے تھے۔ آخر محفل سماع میں چار دن رات رقص کر کے جان دے دی۔ لقب آپ کا شہید محبت ہے۔

حضرت شیخ فرالدین مسعود گنج شکرؒ: آپ بھی بڑے ذوق و شوق سے سماع سنتے تھے اور اکثر یہ رباعی آپ کا وردِ زبان تھی ؎

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم خاکے شوم و وزیر پائے تو زیم
مقصودِ من بندہ زکونین توئی بہر تو میرم و زبرائے تو زیم

ایک مرتبہ سماع کے متعلق علماء کے اختلاف کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا "سبحان اللہ! یکے بسوخت وخاکستر شد و دیگر ہنوز در اختلاف است" آپ نے اپنے وصال سے چند روز پہلے حضرت محبوب الٰہیؒ سے فرمایا کہ میں نے دین کے متعلق جو خواہش کی۔ مجھے

بخشی گئی۔ بعد میں پشیمان ہوا کہ حالت سماع میں موت کیوں نہ طلب کی۔ حضرت خواجہ غلام فرید صاحبؒ اشارات فریدی میں لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ شکر گنج کا لقب حریق محبت ہے۔ یعنی محبت میں جلا ہوا۔

سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہیؒ:

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کو جس قدر سماع کا شوق تھا بیان سے باہر ہے حالت سماع میں آپ پر بکا کا غلبہ رہتا تھا۔ گو آپ کی مجلس میں مزامیر اور تصفیق (تالی بجانا) منع تھا تاہم علماء ظواہر نے تغلق بادشاہ کے زمانے میں سماع کے متعلق آپ سے مناظرہ کیا اور شکست کھائی۔ جب آپ نے سماع کے جواز میں احادیث نبویؐ پیش کیں تو علماء نے کہا کہ آپ امام ابوحنیفہؒ کا قول پیش کریں۔ یہ سن کر آپ خشمگیں ہوئے اور فرمایا کہ تم لوگوں پر خدا کا غضب تو نہیں آنے والا۔ میں سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا قول پیش کرتا ہوں اور تم امام ابوحنیفہؒ کا قول طلب کرتے ہو۔

مولانا فخرالدین زرادیؒ نے جو آپ کے اعاظم خلفاء میں سے تھے اور صاحب سیر الاولیاء۔ سید محمد کرمانیؒ کے استاذ تھے، اباحت سماع پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام "اصل الاصول" ہے۔ اس رسالہ میں سماع پر فاضلانہ بحث کر کے سماع کا جواز ثابت کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے مشائخ کا سماع بلا مزامیر تھا۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مزامیر حرام ہیں، کیونکہ مزامیر کا ثبوت احادیث نبویؐ میں موجود ہے۔ بلکہ وجہ یہ ہے کہ شان بقاباللہ کی بدولت آپ پر عبدیت اور عجز و انکسار کا غلبہ تھا اور احتیاط کا پہلو مدنظر رکھتے تھے۔ نیز چونکہ آپ کا مقام محبوبیت تھا۔ آپ کی طبیعت از حد نازک تھی اور شاید مزامیر کی آواز کو طبع مبارک برداشت نہ کرتی تھی۔ لیکن آپ کے خلفاء اکثر مزامیر کے ساتھ سماع سنتے تھے۔

حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ:

مشائخ چشتیہ صابریہ بھی سماع میں بہت زیادہ شغف رکھتے تھے۔ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ صابریہ طریقہ کے موجودہ سماع کے راس و رئیس ہیں۔ آپ بڑی شان

کے صاحب علم، عمل، ذوق وحلاوت وجد وسماع تھے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ جو نقشبندی تھے اپنے رسالہ سماع میں لکھتے ہیں کہ:

حضرت پناہ عالمین، شیخ عبد القدوس گنگوہی ؒ باوجود کمال علم ظاہری وباطنی میں رفعت شان رکھنے کے سماع بامزامیر میں افراط رکھتے تھے۔ آپ کی تصنیف — شرح المعارف — میں سماع کی اباحت پر طویل بحث آئی ہے۔"

علماء دیوبند اور سماع:

ہمارے ملک میں بریلوی اور دیوبندی بحث ومباحثہ کی وجہ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ علمائے بریلوی تصوّف کے حامی اور دیوبندی مخالف ہیں اس لیے ہم یہاں علماء دیوبند کا جواز سماع کے متعلق فتویٰ پیش کرتے ہیں تاکہ بقول عارف رومی ؒ ؎

خوشتر آن باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

حجت تمام ہو جائے۔

علماء دیوبند کے سردار پیر ومرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ؒ نے — فیصلہ ہفت مسائل — کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں آپ نے مجالس میلاد عرس وسماع، ندائے غیر اللہ، جماعت ثانیہ وغیرہ مسائل کا جواز نکالا ہے۔ سماع کے متعلق آپ کا فیصلہ جو دراصل علماء دیوبند کا فیصلہ ہے یہ ہے۔

"رہا سماع کا مسئلہ یہ بحث از بس طویل ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے سماع محض میں بھی اختلاف ہے جس میں محققین کا یہ قول ہے کہ اگر شرائط جواز مجتمع ہوں اور عوارض مانعہ مرتفع ہوں تو جائز، ورنہ ناجائز، کما فصلہ الامام غزالی ؒ اور سماع بالآت (باجوں سمیت) میں بھی اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے احادیث منع کی تاویلیں کی ہیں اور نظائر فقہیہ پیش کیے ہیں۔۔۔"

چنانچہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ نے اپنے رسالہ سماع میں اس کا ذکر فرمایا ہے مگر آداب سماع کا ہونا سب کے نزدیک ضروری ہے۔

۔۔۔۔ مشربِ فقیر کا اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیرو مرشد کو ایصالِ ثواب کرتا ہوں اوّل قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاہ گاہ مولود پڑھا جاتا ہے ۔ اور پھر ماحضر تقسیم کیا جاتا ہے ۔۔۔۔

مولانا تھانویؒ کا سماع سننا اور سنوانا:

کتاب — خمِ خانۂ باطن — میں مولانا تھانوی صاحبؒ بھی یہ لکھتے ہیں کہ:

"ایک دفعہ میں نے بھی ایک طالب علم کا علاج سماع سے کیا تھا۔ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں ایک طالب علم پر شورشِ باطنی کا غلبہ ہوا۔ کسی طرح سکون نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اس کے لیے سماع تجویز کیا۔ میرے ایک ملنے والے صاحبِ سماع تھے۔ میں نے ان سے کہا ہم لوگ تو مولوی ہیں اپنے ہاں سماع کا انتظام نہیں کر سکتے۔ تم اپنے ہاں لے جاؤ۔ اور سماع سنوا لاؤ۔ امید ہے کہ ان کو سکون ہو جاوے گا۔ وہ بہت خوش ہوتے اور خوشی خوشی ان کو اپنے ہاں لے گئے۔ ان کی جماعت نے بھی اس کو اپنے لیے فخر سمجھا کہ ہم سے مولویوں نے رجوع کیا۔ مگر جب وہاں ڈھولکی اور ستار کا انتظام ہوا تو وہ طالب علم بہت بگڑا۔ اور ان کو دھمکایا کہ تم مجھے بدعت کا آلہ کار بنانا چاہتے ہو۔ یاد رکھنا سب ڈھولکی اور ستار توڑ دوں گا۔ خبردار جو میرے سامنے بدعت کا ارتکاب کیا۔ وہ لوگ بہت گھبرائے اور اس کو واپس کر دیا۔ میں خوش ہوا کہ الحمدللہ ان کی حالت سنّت کے مطابق ہے، پھر میں نے ایک خوش الحان طالب علم سے کہا کہ ان کو کوئی غزل تنہائی میں سنا دو۔ اس طالب علم کی نشست میرے سامنے ہی تھی۔ اس نے امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی یہ غزل سنائی ؎

از ہجر تو دل کباب تا کے — جاں در طلبت خراب تا کے
در مصحفِ روئے او نظر کن — خسروؔ غزل و کتاب تا کے

میرے کانوں میں بھی آواز آ رہی تھی۔ جب تک غزل سنائی جاتی رہی ان پر حال کا غلبہ رہا۔ بار بار جوش میں کھڑے ہو جاتے اور "تا کے" "تا کے" پکارتے۔ پھر سکون ہو گیا۔ تو یہ دراصل دوا ہے اور اس کو طبیب ہی سمجھ سکتا ہے کہ کس مریض کو اس دوا کی ضرورت ہے۔ بغیر شیخ کی اجازت کے کوئی سماع سنے تو غلطی میں مبتلا ہو گا۔"

اس کے بعد لکھا کہ —

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور سماع:

"حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے یہاں بعض ذاکرین پر ایسی حالت طاری ہوتی تھی کہ وہ ذاکرین تالیاں بجانے لگتے تھے اور تالیاں بجانا بھی سماع کے قریب قریب ہے کیونکہ لہو میں داخل ہے۔ مگر حضرت نے کوئی نکیر نہیں فرمائی۔ مولانا محمد حسن صاحب مرادآبادیؒ حضرت کے یہاں بہت کھلے ہوئے تھے اور حضرت ان سے بہت محبت کرتے تھے انہوں نے ایک دن عرض کیا کہ حضرت اب تو آپ کے اں تالیاں بجنے لگی ہیں۔ حضرت نے ان کو ڈانٹ دیا کہ تم کیا جانو خاموش رہو"۔[1]

اس کے بعد کتاب مذکور میں مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانوی لکھتے ہیں کہ:

"غرض مزامیر کے ساتھ سماع کو قریب قریب سب صوفیہ نے حرام کہا ہے۔ البتہ بعض نے اس کی اجازت بھی دی ہے[2] اور علامہ شامیؒ نے (مشہور حنفی بزرگ ہیں جو علوم ظاہری وباطنی سے مزین تھے) ان پر سے اعتراض کو اس طرح رفع کیا ہے کہ فقہا نے تین وقتوں میں اس طرح اجازت دی ہے جس طرح امراء کے یہاں تین مختلف اوقات میں نوبت بجتی ہے اور یہ حکمت بیان کی ہے کہ اس میں نفخات ثلثہ کی تذکیر ہے۔ علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ۔ تذکیر نفخات کے لیے طبل کے لیے اجازت ہے تو جو حضرات صوفیہ اس قسم کے مصالح سے آلات کی اجازت دیتے ہیں تو ان پر بھی اعتراض نہ کرنا چاہیئے"۔

---

[1] اس سے ظاہر ہے کہ مولانا تھانویؒ کے نزدیک سماع حلال ہے اور اجازت شیخ کی ضرورت ہے۔

[2] ان واقعات سے ظاہر ہے کہ مولانا تھانوی صاحبؒ اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سماع کو جائز سمجھتے تھے نہ کہ حرام نہ جس مسئلہ پر بعض علماء کا اختلاف ہو تو عام لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ جس عالم کا فتویٰ چاہیں قبول کریں، اختلافی مسائل میں کسی ایک فریق کے فتویٰ پر عمل کرنا جائز ہے اور فقہ کے نزدیک اس کا کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ جب علماء کی ایک جماعت سماع بالمزامیر کو جائز قرار دیتی ہے تو عوام کے لیے یہ فتویٰ کافی ہے۔

اس وجہ سے مولانا قاری عبد الرحمٰن صاحب پانی پتیؒ علامہ شامی کے معتقد نہ تھے۔ مگر حضرت مولانا گنگوہی ان کے معتقد تھے اور علامہ شامیؒ کی بہت تعریف فرماتے تھے۔ بات یہ ہے کہ قاری عبد الرحمٰن صاحب میں غالب علمی بزرگی تھی اور مولانا گنگوہی میں علمی اور باطنی دونوں بزرگیاں تھیں۔ جو شخص ایسا ہوگا وہ علامہ شامیؒ کا معتقد ہوگا۔ کیونکہ علامہ شامیؒ صرف علمی بزرگ ہی نہ تھے۔ بلکہ صاحبِ باطن بھی تھے۔

مولانا تھانویؒ کا ایک بار سماع سننا:

کتاب مذکور میں آگے چل کر مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ لکھتے ہیں کہ،

"ایک مرتبہ مجھے ریل میں مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی (یہ آپ کے پیر بھائی تھے) کا قوال فرزند علی مل گیا۔ اس وقت وہ بوڑھا ہو چکا تھا۔ کہنے لگا میرا دل چاہتا ہے کہ حضور کو کچھ سناؤں۔ چونکہ وہ بوڑھا تھا۔ مزامیر وغیرہ ساتھ نہ تھے۔ صرف سماع ہی سماع تھا۔ اور قوال بھی تھا کس کا؟ مولانا کا۔ میں نے اجازت دے دی۔ اس نے ایک غزل سنائی۔ گو ریل چل رہی تھی اور اس کی گھڑ گھڑ کی آواز کانوں کو پریشان کر رہی تھی۔ مگر اس کی آواز غالب تھی اور یہ معلوم نہ ہوتا تھا۔ کہ ریل چل رہی ہے یا کھڑی ہے۔ ایک غزل کے بعد میں نے آگے اجازت نہ دی۔"

مولانا محمد حسین الہ آبادی دیوبندیؒ کا صاحبِ سماع ہونا:

حضرت مولانا محمد حسین الہ آبادیؒ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے مرید و خلیفہ ہیں۔ لیکن سماع خوب سنتے تھے اور مزامیر کے ساتھ سنتے تھے۔ مولانا اشرف علی صاحب اپنے رسالہ "خم خانۂ باطن" میں لکھتے ہیں کہ:

"ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے۔ جو مولانا رومؒ کے سلسلہ میں تھے۔ ان کو گانے بجانے میں کمال حاصل تھا۔ انہوں نے حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا کہ میں نے "نَے" بجانے میں جو کمال حاصل کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ برکت کے واسطے حضرت کے سامنے اسے پیش کروں۔ اب اگر حضرت بالکل انکار فرماتے ہیں تو ان کی دل شکنی ہوتی ہے

اور اہل سماع صوفیہ پر انکار لازم[1] آتا ہے اور سنتے ہیں تو اپنے طریقہ کی مخالفت لازم آتی ہے[2]۔ آپ نے ان دونوں پہلوؤں کو کس طرح سنبھالا۔ فرمایا بھائی مجھے تو اس فن سے ذرا بھی مناسبت نہیں۔ ایسے شخص کو سنا کر اپنے فن کی کیوں بے قدری کراتے ہو۔ کسی قدر دان کو سنایئے جو اس فن سے واقف ہو۔ اور کمال کی داد دے سکے۔ ہاں ہمارے مولوی محمد حسین صاحب الٰہ آبادیؒ (جو حضرت حاجی صاحبؒ کے مرید و خلیفہ تھے) ہوتے تو وہ آپ کے کمال قدر کرتے"۔

حضرت شاہ محمد حسین الٰہ آبادیؒ جن کا اوپر ذکر آیا ہے۔ دیوبندی ہونے کے باوجود بڑے ذوق و شوق سے سماع سنتے تھے۔ اور آپ کا وصال بھی عرس اجمیر شریف کے موقع پر حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی اس غزل پر ہوا ؎

آستیں بر رُخ کشیدہ ہمچو مکار آمدی
باخودی درخود تماشا سوئے بازار آمدی

شرائط و آداب سماع:

جوازِ سماع کے بعد اب شرائط سماع کا بیان ضروری ہے۔ چونکہ سماع میں مضرت کا پہلو بھی موجود ہے۔ اس لیے اولیائے کرام نے ہر کس و ناکس کو سماع سننے کی اجازت نہیں دے رکھی۔ بلکہ انہوں نے مجالسِ سماع کے لیے چند شرائط مقرر کی ہیں جن سے نا اہل لوگوں کا داخلہ بند ہو جاتا ہے۔ اور صرف خواص باقی رہ جاتے ہیں۔ امام غزالی نے ـــــ احیاء العلوم میں اور دیگر مشائخ نے سماع کے لیے تین شرائط قائم فرمائی ہیں۔ مکان۔ زمان۔ اخوان

---

[1] اس سے ظاہر ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحبؒ اور ان کے مریدین اہل سماع صوفیہ پر انکار یا اعتراض نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کو حق بجانب سمجھتے تھے۔

[2] اپنے طریقہ کی مخالفت لازم آنے کے یہ معنی نہیں کہ آپ حرام سمجھ کر سماع نہیں سنتے تھے۔ بلکہ عام فقہا کی طرح بعض مصلحتوں کے تحت عوام کو سماع سے منع کرتے تھے۔ اگر ناجائز سمجھتے تو پھر صاحبِ سماع صوفیہ پر انکار سے کیوں پرہیز کرتے۔

شرطِ مکان: مکان، جہاں مجلس سماع منعقد ہو رہی ہو۔ ایسا ہونا چاہیے کہ وہاں عوام اور نا اہلوں کا گزر نہ ہو۔ پر سکون مقام ہو۔ غیر شرعی امور کا دخل نہ ہو

زمان: سماع سننے کے لیے ایسا وقت مقرر کیا جائے۔ کہ جس میں کوئی شرعی ممانعت نہ ہو۔ مثلاً نماز کا وقت نہ ہو۔ ایسا وقت ہو کہ جب ہر طرف سے فراغت اور سکون میسر ہو۔ اور کسی قسم کی مداخلت کا امکان نہ ہو۔

اخوان: مجلس سماع میں ایسے لوگ بلائے جو اہل سماع ہوں، محرم راز ہوں۔ اہل حق ہوں۔ فاسق فاجر اور منکر سماع نہ ہوں اور کلام مجاز کو حقیقت پر محمول کرنے والے ہوں۔ حق تعالےٰ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کلام سننا اور اپنی یہ پیاس بجھانا چاہتے ہوں۔

آدابِ سماع: مجلس سماع کے لیے بزرگان نے جو آداب سماع مقرر فرمائے ہیں۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مجلس سماع میں باوضو رہنا چاہیے۔

۲۔ غیر شرعی امور سے پرہیز کرنا چاہیے۔ مثلاً شراب نوشی نہ ہو۔ مرد اور عورتیں یکجا نہ ہوں۔ خلاف شرع اور بے ہودہ کلام نہ گایا جائے۔ ننگے سر نہیں بیٹھنا چاہیے۔ با ادب یعنی دوزانوں یا مربعہ بیٹھنا چاہیے۔ پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھنا چاہیے۔ گاؤ تکیہ لگا کر نہیں بیٹھنا چاہیے۔ توجہ الی اللہ سب سے بڑی شرط ہے۔ یعنی ہر وقت متوجہ الی اللہ ہونا چاہیے ادھر اُدھر دیکھنے اور ہنسی مذاق سے پرہیز لازم ہے۔ دورانِ سماع میں سگریٹ، بیڑی، پانی شربت، چائے، پان منع ہے۔ البتہ درمیان میں وقفہ دے کر چائے پانی پی سکتے ہیں۔

۳۔ محفل سماع میں چھوٹے بچے یا امرد نہ ہوں۔ حتیٰ کہ قوالوں میں بھی امرد نہ ہو۔

۴۔ قوالوں کو جو نذرانے پیش کیے جائیں۔ میر مجلس کے ذریعے پیش کیے جائیں۔ براہ راست قوالوں کو کوئی چیز دینا یا ان کی طرف پھینکنا منع ہے۔

۵۔ مجالس سماع میں کلام کی فرمائش منع ہے۔ بلکہ یہ کام میر مجلس کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔

۶۔ دورانِ سماع قوالوں کی غلطی پکڑنا یعنی ان کے الفاظ صحیح کرنا منع ہے۔ ہاں اگر

کوئی بیجا کلام ہو تو میر مجلس اس کی تصحیح کر سکتے ہیں۔ ہر شخص کو اس کا حق نہیں پہنچتا۔

۷۔ سماع میں اگر کسی شخص پر وجد طاری ہو جائے اور وہ کھڑا ہو جائے تو اس کی تعظیم کیلئے تمام اہل مجلس کو کھڑا ہو جانا چاہیے۔ ہاں اگر کوئی مسخرہ کھڑا ہو جائے تو اسے اچھے طریقے سے مجلس سے باہر لے جانا چاہیے۔

۸۔ حتی الوسع تواجد اور رقص اور ہا ہو سے پرہیز کرنا لازم ہے اور مغلوب الحال ہونے کی بجائے غالب الحال رہنا چاہیے۔ کیونکہ تواجد سے ایک تو فیضان بند ہو جاتا ہے۔ دوسرے باقی لوگ جو وہاں موجود ہوں ان کے حال میں خلل واقع ہوتا ہے۔ ضبط و استقلال سے فیضان میں اضافہ ہوتا ہے اور تواجد سے نقصان ہوتا ہے۔ تواجد کا مطلب یہ ہے کہ فیضان برداشت نہیں ہو سکا جو ایک دو پیالے پی کر مست ہو جاتے اسے مزید کون دیگا۔

۹۔ اگر کسی کو حال آجائے تو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے نہ اس کا مذاق اڑانا چاہیے بلکہ خاموشی اور ادب کے ساتھ رہنا چاہیے۔ تصنع اور عمداً حال پیدا کرنے سے پرہیز لازم ہے۔

۱۰۔ اگر تجدید وضو کی ضرورت پیش آئے تو محفل سے باہر چلا جائے اور تجدید کرے۔

۱۱۔ آجکل چونکہ ان تمام آداب و شرائط کی پابندی مشکل ہو گئی ہے اس لیے اگر علمائے کرام ان غلطیوں پر اعتراض کریں تو ان کو برحق سمجھ کر اپنی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے نہ کہ ان پر جوابی حملے کیے جائیں۔

ترتیب سماع: چونکہ نماز کی طرح سماع بھی سلوک الی اللہ کا خلاصہ ہے۔ سماع میں جس قسم کا کلام گایا جاتا ہے۔ سالکین پر ان ہی واردات کا نزول ہوتا ہے اس لیے مشائخ عظام نے کلام کی ایسی ترتیب مقرر کی ہے کہ جس سے سلوک الی اللہ کی ابتدائی منازل شروع ہو کر آخری منازل تک رسائی ہو جائے۔ چنانچہ سماع تبرک کے طور پر نعت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع کیا جاتا ہے۔ نعت کے بعد عشقیہ کلام آتا ہے تاکہ سامعین کے قلوب میں آتش عشق کے شعلے بلند ہوں اور پرواز میں مدد ملے۔ چونکہ سیر عروجی میں پرواز کی پہلی منزل فنا فی اللہ ہے۔ عشقیہ کلام کی متعدد غزلیات کے بعد جب زمین تیار ہو جائے تو توحید یا فنائیت کا کلام گایا جائے۔ جس سے سالکین مراقب ہو کر مراقبہ فنا میں چلے جاتے

ہیں۔ فنا کے بعد چونکہ فناء الفنا کا مقام ہے۔ اس کے بعد قوال ایسا کلام شروع کریں جس سے لاتعین اور احدیت کی طرف رجوع ہو۔ فناء الفنا کے بعد عبودیت یا بقا باللہ کا مقام ہے جس کا خاصہ عجز و انکسار اور تسلیم و رضا ہے۔ یہاں پہنچ کر تسلیم و رضا اور نیستی اور عجز و انکسار کا کلام گایا جائے تاکہ سالکین مراقبہ ذات بحت اور لاتعین سے نکل کر عبدیت اور دوئی میں آئیں۔ اور حق تعالےٰ کی الوہیت کے سامنے اپنی نیستی اور عجز کا اقرار کریں۔

دوران سماع میں اس بات کا خیال نہایت ضروری ہے کہ مندرجہ بالا ترتیب کو بحال رکھا جائے اور اگر فنا کا کلام ہو رہا ہے تو مضمون بدل کر نہ عشقیہ کلام کی طرف جائیں نہ نعت و منقبت مشائخ شروع کریں ورنہ انقباض طاری ہو جائے گا۔ اسی طرح آخر میں بقا، عبدیت، نیستی اور تسلیم و رضا کے کلام کے بعد پھر فنا یا نعتیہ کلام شروع نہ کرے بلکہ سالکین کو اپنے منازل و مراحل سلوک میں رہنے دیا جائے۔ نیز اگر کسی کلام پر کسی شخص پر وجد طاری ہو گیا ہے تو تنگ آگر کلام بند نہیں کرنا چاہیے بلکہ جاری رہنے دیا جائے ورنہ یکایک بندش سے اس کی موت واقع ہو سکتی ہے۔ البتہ اگر مجلس کا وقت ختم ہو رہا ہو تو اس شخص کو قوالوں کے ساتھ علیحدہ چھوڑ کر درمیان میں حلقہ قائم کیا جا سکتا ہے۔ تاکہ دیگر رسومات مجلس پوری کی جا سکیں۔ ہاں جب یہ معلوم ہو جائے کہ وجد کرنے والے کی تسکین ہو چکی ہے اور وہ تھک چکا ہے تو قوالوں کو وہ کلام چھوڑنے اور آگے بڑھنے کا اشارہ کرنا چاہیے۔

منقبت اولیاء: مجلس سماع میں مشائخ عظام کی منقبت کا وقت شروع میں یا نعت کے بعد ہے۔ جب کسی ولی اللہ کی منقبت ہو رہی ہو تو سالکین کو اس بزرگ کی روحانیت کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ اس سے اس ولی اللہ کی طرف سے سالکین پر فیضان جاری ہو جاتا ہے۔ لیکن قوالوں کو چاہیے کہ سب کو خوش کرنے کی خاطر مختلف اولیأ کرام کا نام لے کر منقبت مخلوط نہ کریں۔ ورنہ فیضان میں خلل واقع ہوگا۔ منقبت اولیأ کے وقت سامعین کو مؤدب ہو کر بیٹھنا چاہیے۔ اور غیر ضروری حرکات سے پرہیز کرنا چاہیے ورنہ دوسری طرف سے خفگی ہوگی۔ مؤدب اور متوجہ ہو کر بیٹھنے سے فیضان کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

دوسرا باب

شیخ الاسلام گنجشکرؒ کا سلسلۂ نسب و حالاتِ زندگی تاریخ کے آئینہ میں

اصل مقصد جس کے لیے یہ کتاب تالیف کی گئی ہے یہ ہے کہ حضرت خواجہ گنجشکرؒ کے تاریخی حالات بیان کیے جائیں تاکہ حضرتِ اقدس کا صحیح مقام قارئین کرام کے سامنے آسکے۔ اور آپ کے بلند وبالا روحانی منازل و مقامات کا پتہ چل سکے۔ اگرچہ حضرتِ اقدس کے تذکرہ نویس بے شمار ہیں اور لوگوں نے کئی قسم کی باتیں حضرتِ اقدس سے منسوب کر دی ہیں لیکن صحیح تاریخی مواد صرف چند کتابوں ہی میں ملتا ہے، چنانچہ ہماری کتاب "مقام گنجشکرؒ" حسب ذیل تو تاریخی کتابوں سے ماخوذ ہے۔

(۱) **سیر الاولیاء:** اس کتاب کے مصنف حضرت خواجہ محمد کرمانی ہیں جو میر خورد یا خواجہ خورد کے نام سے موسوم تھے۔ آپ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے اور آپ کے آباؤ اجداد نے حضرت محبوب الٰہیؒ اور حضرت خواجہ گنجشکرؒ کے آغوش میں رہ کر روحانی تربیت حاصل کی ہے۔ میر خورد کے دادا حضرت شیخ محمد کرمانیؒ حضرت باباصاحبؒ کے مرید و خلیفہ تھے اور اٹھارہ سال اجودھن میں حضرتِ اقدس کے ساتھ رہ کر خلافت حاصل کی اہل علم

میں یہ کتاب یعنی سیر الاولیاء مستند مانی جاتی ہے اور اس کے حوالہ جات بعد کی کتابوں میں جابجا ملتے ہیں۔ خوش قسمتی سے یہ نادر کتاب اپنے اصل متن فارسی میں اب دستیاب ہے۔ حال ہی میں اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور نے مرکز تحقیقات فارسی ایران کے تعاون سے شائع کی ہے۔

(۲) فوائد الفواد: اس کتاب کے مصنف بھی حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے ایک مرید خواجہ حسن علا سنجری ہیں جو بڑے عالم فاضل اور صوفی شاعر تھے۔ یہ کتاب حضرت محبوب الٰہی کے اقوال و ملفوظات کا مجموعہ ہے اور حقائق و معارف کا بیش بہا خزینہ ہے۔ کتاب مذکور کی خصوصیت یہ ہے کہ جو کچھ لکھ لیتے تھے حضرت شیخ کو دکھا کر صحیح کرا لیتے تھے۔ اس طرح اس کتاب کی حیثیت بھی ایک مستند ماخذ کی ہے۔ "یعنی فوائد الفواد سلوک الی اللہ کا دستور العمل ہے اور نہایت اعلیٰ ہے اگرچہ حضرت امیر خسرو نے بھی ملفوظات جمع کئے ہیں لیکن وہ اس قدر مقبول نہیں ہوئے۔۔۔ فوائد الفواد نہایت معتبر ہے" اس کتاب کے متعلق حضرت امیر خسرو فرماتے ہیں کہ کاش میری تمام تصانیف حسن کے نام ہوتیں اور فوائد الفواد میرے نام۔

(۳) خیر المجالس: یہ کتاب حضرت سلطان المشائخ کے خلیفۂ اعظم حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی قدس سرہٗ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو حضرت مولانا حمید قلندرؒ نے جمع کیے ہیں۔ مولانا حمید قلندرؒ بھی حضرت محبوب الٰہی کے مرید تھے لیکن آپ کے وصال کے بعد ان کو خلافت حضرت چراغ دہلویؒ سے حاصل ہوئی۔ حضرت چراغ دہلویؒ نے بھی جو کچھ حضرت خواجہ گنجشکرؒ کے متعلق بیان فرمایا ہے۔ اسے شیخ حضرت سلطان المشائخ سے سن کر فرمایا ہے۔ اس لیے ان ملفوظات کے مستند ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

(۴) جوامع الکلم: یہ حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو دراز کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو آپ کے فرزند سید حسین المعروف سید محمد اکبر حسینیؒ نے جمع کیے ہیں۔ حضرت گیسو درازؒ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کے مرید و خلیفہ ہیں اور بہت بڑے بزرگ ہیں آپ کا مزار مبارک گلبرگہ شریف میں ہے جو ریاست حیدر آباد دکن میں واقع

ہے۔ یہ کتاب بھی نہایت معتبر ہے کیونکہ اس میں وہی باتیں درج ہیں جو حضرت بندہ نواز نے اپنے شیخ سے سنیں اور انہوں نے اپنے شیخ حضرت محبوب الٰہی سے سنیں۔

(۵) سیر العارفین: اس کتاب کے مصنف مولانا حامد فضل اللہ جمالیؒ ہیں جو حضرت شیخ سماء الدین سہروردیؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کنبوہ قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے شیخ حضرت سماء الدین بھی کنبوہ تھے۔ اور ملتان کے رہنے والے تھے۔ لیکن بعد میں دہلی میں مقیم ہو گئے اور وہیں آپ کا مزار ہے۔ شیخ جمالیؒ سلطان بہلول لودھی اور سکندر لودھی کے زمانے میں ہو گزرے ہیں۔ آپ کا سن وفات جو اخبار الاخیار میں دیا ہے ۹۹۹ھ ہے۔ سیر العارفین ۹۳۸ سے ۹۴۱ کے عرصے میں لکھی گئی۔ شیخ جمالیؒ بلند پایہ بزرگ شاعر اور عالم فاضل تھے اور آپ کی تصانیف کثیر ہیں۔

(۶) اخبار الاخیار: اس کتاب کے مصنف حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہیں۔ جو شیخ جمالی کے ہمزمان تھے لیکن آپ کا سلسلہ قادریہ تھا۔ آپ بڑے محقق اور بلند مقام صوفی تھے۔ علم حدیث میں آپ کی شرح مشکوٰۃ شریف مشہور کتاب ہے۔

(۷) لطائف اشرفی: یہ حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانیؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے آپ حضرت شیخ علاؤالدین بنگالیؒ کے خلیفہ ہیں آپ حضرت شیخ اخی سراج الدین کے خلیفہ ہیں اور آپ حضرت سلطان المشائخ کے خلیفہ ہیں۔ یہ ملفوظات آپ کے مرید و خلیفہ حضرت مولانا نظام الدین یمنیؒ نے قلمبند کیے ہیں حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانیؒ حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولویؒ اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت اوچیؒ کے ہمزمان تھے۔

(۸) مراۃ الاسرار: اس کتاب کے مصنف حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتی صابری ہیں جو عہد شاہجہانی کے رہنے والے تھے۔ اور حضرت شاہ ابوسعید گنگوہیؒ کے دوست تھے۔ مراۃ الاسرار ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر شاہ جہاں کے وقت تک اولیائے کرام کی گیارہ صدیوں کی تاریخ ہے اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام سلاسل کے مشائخ عظام کے حالات

بڑی صحت کے ساتھ درج ہیں اور انداز بیان انتہائی موثر ہے۔ اس کتاب کے ماخذ یہ ہیں تذکرۃ الاولیاء مصنف شیخ فریدالدین عطارؒ۔ کشف المحجوب مصنف سید علی ہجویریؒ۔ نفحات الانس مصنف مولانا جامیؒ۔ لطائف اشرفی۔ اخبار الاخیار۔ سیر الاولیاء۔ فوائد الفوائد۔ یہ کتاب ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اس کا ایک مخطوط برٹش میوزیم لندن میں موجود ہے۔ جس کی فوٹو کاپی حضرت شاہ شہید اللہ فریدیؒ کے خلیفہ حضرت شاہ سراج علی محمد نے لے کر کراچی میں تیار کرایا ہے اور اس احقر راقم الحروف نے سات سال کے عرصہ میں اس کا اردو ترجمہ مکمل کر لیا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آ چکی ہے۔

(۹) اقتباس الانوار: یہ خاندان مغلیہ کے آخری دور کی تصنیف ہے اس کے مصنف حضرت شیخ محمد اکرم ہیں جو چشتی صابری تھے اور بڑے صاحب حال بزرگ تھے۔ یہ کتاب حضرت خواجہ غلام فرید چاچڑاں شریف کے زیر مطالعہ رہتی تھی اور اس کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بادشاہ کتاب ہے اور اس کا مصنف ولی اللہ ہے اس میں مشائخ صابریہ کے حالات کے علاوہ ان کے بلند روحانی مقامات بھی بیان کیے ہیں مصنف بڑے نقاد ہیں اور ضعیف روایات کی ہر جگہ نفی کرتے جاتے ہیں۔

اس کتاب کا بھی راقم الحروف نے اردو ترجمہ کر لیا ہے اور زیر طبع ہے۔

سلسلہ نسب: حضرت خواجہ فریدالدین گنجشکر قدس سرہٗ کا شجرۂ نسب امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ سے اس طرح جاملتا ہے۔ حضرت فریدالدین مسعود بن حضرت جمال الدین سلیمان بن حضرت قاضی شعیب بن حضرت شیخ محمد احمد بن حضرت شیخ محمد یوسف بن حضرت شیخ شہاب الدین بن فرخ شاہ بادشاہِ کابل بن نصیرالدین محمود بن شیخ سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ عبداللہ واعظ اصغر بن شیخ ابوالفتح واعظ اکبر بن شیخ اسحٰق بن شیخ ابراہیم بن شیخ ادھم بن شیخ سلیمان بن شیخ منصور بن شیخ ناصر بن حضرت عبداللہؓ ابن امیرالمومنین وخلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حضرت قاضی شعیبؒ: جب حضرت باباصاحبؒ کے دادا صاحب حضرت

قاضی شعیبؒ کے والد حضرت شیخ احمد تاتاریوں کے حملے میں کابل میں شہید ہوگئے تو قاضی شعیبؒ کابل سے ترکِ سکونت اختیار کرکے ہندوستان تشریف لائے۔ آپ پہلے لاہور پہنچے۔ اس کے بعد قصور سے ہوتے ہوئے بمقام کھتوال پہنچے جس کا موجودہ نام چاؤلی مشائخ ہے۔ سرکاری ریکارڈ سے معلوم ہوا ہے کہ چاؤلی مشائخ کا پہلا نام کھتوال ہے۔ سیر الاولیاء کے مطابق قصور کے قاضی کی وساطت سے حضرت قاضی شعیبؒ کو بادشاہ نے کھتوال کی قضا کا عہدہ سپرد کیا۔

حضرت قاضی جمال الدین سلیمانؒ: حضرت قاضی شعیبؒ کے دو فرزند تھے بڑے کا اسمِ گرامی قاضی جمال الدین سلیمان اور چھوٹے کا نام قاضی عبداللہ تھا۔ قاضی سلیمانؒ بڑے عالم و فاضل تھے آپ کی شادی حضرت مولانا وجیہہ الدین خجندی کی صاحبزادی سے ہوئی جن کا اسمِ گرامی بی بی قرسُمؒ خاتون تھا۔ والد ماجد کے وصال کے بعد آپ کھتوال کے قاضی مقرر ہوئے۔

اولادِ امجاد: حضرت قاضی جمال الدین سلیمانؒ کے تین فرزند تھے۔ پہلے فرزند کا اسمِ گرامی شیخ اعزالدین محمودؒ تھا۔ دوسرے کا اسمِ گرامی حضرت شیخ فریدالدین مسعودؒ اور تیسرے کا حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ تھا۔ حضرت بی بی قرسم خاتون کے متعلق صاحب مراۃ الاسرار، سیر العارفین اور اخبار الاخیار لکھتے ہیں کہ بڑی عابدہ، زاہدہ اور مستجاب الدعوات تھیں یعنی جو دعا مانگتی تھیں، قبول ہوتی تھی۔

حضرت گنجشکرؒ کی ولادت: حضرت بابا فریدالدین مسعودؒ کا سن پیدائش سیر الاولیاء کے مطابق ۵۶۹ھ ہے اور سن وصال ۶۶۴ھ ہے اس حساب سے آپ کی عمر شریف پچانوے سال بنتی ہے لیکن فوائد الفوائد میں آپ کی عمر حضرت سلطان المشائخ نے ترانوے سال بتائی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا سن پیدائش ۵۷۱ھ[1] تھا جو بعض تواریخ میں مذکور ہے۔

---

[1] مراۃ الاسرار و سیر العارفین

لیکن ہمارے شجرہ شریف میں حضرت اقدس کا سن وصال ۶۶۸ھ ہے جو کشفی معلوم ہوتا ہے۔ اور اصح ہے۔

حضرت بی بی قرسم خاتون کی کرامت: جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ شیخ الاسلام خواجہ گنج شکرؒ کی والدہ ماجدہ بڑی عابدہ اور زاہدہ، تہجد گزار، ذاکر و شاغل تھیں۔ مراۃ الاسرار، سیر الاولیاء، سیر العارفین اور اخبار الاخیار ان چاروں مستند اور معتبر کتابوں میں حضرت بی بی ماجدہ کے ظاہری و باطنی کمالات کا ذکر آیا ہے۔ سیر العارفین میں لکھا ہے کہ ایک رات جب بی بی صاحبہ تہجد و ذکر و فکر میں مشغول تھیں تو گھر میں چور داخل ہوا اور اس عفت مآب خاتون کے سامنے آتے ہی اندھا ہو گیا۔ اب وہ بھاگنا چاہتا تھا لیکن اندھا ہو چکا تھا کیا کرتا۔ اس نے آواز دی کہ اس گھر میں ضرور کوئی ایسی ہستی موجود ہے جس کی وجہ سے میں اندھا ہو گیا ہوں۔ اب میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر مجھے آنکھیں مل جائیں تو مسلمان ہو جاؤں گا اور چوری چھوڑ دوں گا۔ حضرت بی بی صاحبہ کو اس کے حال پر رحم آیا اور اس کے لیے خدا تعالیٰ سے دعا کی تو فوراً اس کی آنکھیں بینا ہو گئیں۔ صبح کے وقت وہ چور بال بچوں سمیت حاضر ہوا اور سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد اس نے اس گھرانے کی بہت خدمت کی اور بزرگی کو پہنچا۔ اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔ اس کی مزار آج تک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ اور حضرت گنج شکرؒ کے آباؤ اجداد کے ساتھ واقع ہے۔

ابتدائی تعلیم: حضرت خواجہ گنج شکرؒ کی ابتدائی تعلیم قصبہ کھتوال میں ہوئی۔ لیکن چونکہ وہاں اعلیٰ تعلیم کا انتظام نہیں تھا۔ آپ تیرہ سال کی عمر میں قبۃ الاسلام ملتان تشریف لے گئے جو اس وقت علم و فضل کا گہوارہ اور اہل علم کا مرکز تھا۔ وہاں کوئی پانچ سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ کی ملاقات حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہ سے ہو گئی اور وہیں سے آپ کی کایا پلٹی۔ اس حکیم اور قدیر علیم نے کچھ ایسا انتظام فرمایا کہ جس

وقت حضرت خواجہ گنجشکرؒ مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں بیٹھے کتاب "نافع" پڑھ رہے تھے تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار بھی وہاں جا پہنچے۔ اپنے ہونے والے مرشد کے رُخِ انور پر نگاہ پڑتے ہی اس نوجوان طالب علم کے دل و دماغ پر ایسا اثر ہوا کہ حضرت شیخ کے حسن و جمال کو تکتے رہ گئے۔ جب حضرت خواجہ قطب الاقطاب نماز تحیۃ الوضو سے فارغ ہوئے تو ان سے دریافت فرمایا کہ کیا پڑھتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ "نافع" حضرت شیخ نے فرمایا اس سے تم کو نفع ہوگا۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضور مجھے نفع تو آپ کی نظر کیمیائے اثر سے ہی ہوگا۔ یہ کہہ کر آپ حضرت شیخ کے قدموں پر گر گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت خواجہ قطب الاقطاب بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ظاہری تعلیم کی تکمیل ضروری ہے۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد جب حضرت خواجہ قطب الاقطاب دہلی تشریف لے گئے تو حضرت خواجہ گنجشکرؒ بھی ساتھ تھے اور وہاں جا کر بیعت سے مشرف ہوئے اور ذکر و شغل میں مشغول ہو گئے۔ لیکن بعض تذکروں میں یہ آیا ہے کہ حضرت خواجہ قطب الاقطاب کے حکم سے آپ پہلے ظاہری تعلیم کی تکمیل کے لیے قندھار اور اس کے بعد دیگر بلادِ اسلامیہ میں تشریف لے گئے۔ جہاں آپ نے تحصیلِ علم کے علاوہ اکابر اولیاء سے بھی ملاقات کی اور فیوض حاصل کیے اور واپس آکر بیعت ہوئے۔

سلسلۂ طریقت: شیخ الاسلام خواجہ گنجشکرؒ کا سلسلۂ طریقت سلسلہ عالیہ چشتیہ ہے جو مندرجہ ذیل واسطوں سے حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے۔

حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنجشکرؒ تاریخ وصال ۵ محرم ۶۶۸ھ مدفن پاکپتن شریف۔

حضرت خواجہ شیخ قطب الدین بختیار اوشی کاکیؒ وصال ۱۴ یا ۲۴ ربیع الاول ۶۳۵ھ مدفن دہلی شریف۔

حضرت خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیریؒ وصال ۶ رجب ۶۳۳ھ مدفن اجمیر شریف۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ وصال ۶ شوال مدفن مکہ معظمہ اندر باب اوّل قدیم محل شریف حسین در احاطہ چوبی۔

حضرت خواجہ حاجی سید شریف زندنیؒ وصال ۱۰ رجب ۶۱۲ھ مدفن زندنہ۔

حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ وصال ۱ رجب ۵۲۷ھ مدفن چشت (افغانستان نزد ہرات)

حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیؒ وصال ۳ رجب ۴۵۹ھ مدفن چشت۔

حضرت خواجہ ابو محمد محترم چشتیؒ وصال ۴ ربیع الاول ۴۱۱ھ مدفن چشت۔

حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ وصال ۳ جمادی الثانی ۳۵۵ھ مدفن چشت۔

حضرت خواجہ ابو اسحاق شامیؒ وصال ۴ ربیع الثانی ۳۲۹ھ مدفن عکہ (ملک شام)

حضرت خواجہ ممشاد علی دینوریؒ وصال ۴ محرم مدفن دینور۔

حضرت خواجہ ابو ہبیرہ امین الدین بصریؒ وصال ۷ شوال ۲۸۲ھ مدفن بصرہ۔

حضرت خواجہ حذیفہ مرعشیؒ وصال ۴ شوال ۲۰۷ھ مدفن بصرہ۔

حضرت خواجہ ابراہیم بن ادہمؒ وصال یکم شوال ۱۶۲ھ مدفن اقلیم شام۔

حضرت خواجہ جمال الدین فضیل ابن عیاضؒ وصال ۳ ربیع الاول ۱۸۷ھ مدفن مکہ معظمہ محلہ حارۃ الباب۔

حضرت خواجہ عبدالواحد بن زیدؒ وصال ۲۷ صفر ۱۷۶ھ مدفن بصرہ۔

حضرت خواجہ حسن بصریؒ وصال ۴ محرم ۱۱۰ھ مدفن بصرہ۔

حضرت سیدنا و مولانا امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ وصال ۲۱ رمضان ۴۰ھ مزار نجف اشرف

حضور حضرت سیدنا و مولانا و نبینا محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وصال ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ روضۂ اقدس مدینہ طیبہ۔

حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کی بیعت مجاہدہ و خلافت:

حضرت خواجہ گنجشکرؒ دہلی میں

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی قدس سرہٗ کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل کرنے کے بعد ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ جس وقت آپ نے حضرت خواجہ قطب الاقطابؒ سے شرف بیعت حاصل کیا مجلس میں یہ بزرگ موجود تھے۔ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری سہروردیؒ، مولانا علاء الدین کرمانیؒ، سید نور الدین مبارک غزنویؒ، شیخ نظام الدین ابوالموید مولانا شمس الدین ترکؒ و خواجہ محمود موئنہ دوزؒ و عزیزان دیگر جن میں سے ہر شخص کی نظر عرش سے تحت الثریٰ تک جاتی تھی۔ ریاضت و مجاہدہ کے لیے آپ نے ایک حجرہ منتخب فرمایا جو غزنی دروازہ کے قریب

برج کے نیچے تھا۔ سیر الاولیاء میں حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ریاضت کے دَوران آپ ہفتے میں ایک بار اپنے مرشد علیہ رحمۃ کی خدمت میں آیا کرتے تھے لیکن شیخ بدرالدین غزنوی ودیگر احباب ہر وقت حضرت شیخ کی خدمت میں رہتے تھے۔ جب کسی نے حضرت سلطان المشائخ سے دونوں حاضریوں کا فرق معلوم کرنا چاہا تو آپ یہ مصرع زبانِ مبارک پر لائے ؎

بیرونِ درون بہ کہ درونِ بیرون

(باہر رہ کر دل میں رہنا اس سے بہتر ہے کہ گھر میں رہ کر آدمی دل سے باہر رہے)

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ دہلی میں قیام کے دَوران حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ اکثر (جمعہ کے دن) شیخ بدرالدین غزنویؒ کے وعظ میں شریک ہوا کرتے تھے۔ ایک دن شیخ بدرالدینؒ ممبر پر کھڑے حضرت خواجہ گنجشکرؒ کی تعریف کر رہے تھے۔ لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ کس کی تعریف ہو رہی ہے۔ اس وجہ سے کہ آپ پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس تھے۔ وعظ کے بعد ایک آدمی نے آپ کو نیا کرتہ دیا۔ آپ نے کرتہ پہنا لیکن فوراً اتار کر اپنے بھائی حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کو دے دیا اور فرمایا کہ پھٹے پرانے کرتے میں مجھے جو مزہ آرہا ہے نئے کرتے میں نہیں آتا۔

حضرت خواجہ گنجشکرؒ کی عظمت و مجاہدہ:

صاحب سیر الاولیاء نے حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کی عظمت، ترکِ دنیا و انقطاع عن الناس کی کیفیت یوں بیان فرمائی ہے:

"وہ سلطان العارفین، وہ برہان العاشقین، وہ پیشوائے اصحاب دین، وہ مقتدائے ارباب یقین، وہ گنج عالم عزلت، وہ گنجینۂ سرائے دولت، وہ سرور اقلیم اعظم، وہ قطب الاقطاب عالم یعنی شیخ الشیوخ العالم فرید الحق والدین ملجائے فقراء والمساکین مسعود بن سلیمان۔ سعادتِ ابدی، اور دولت سرمدی کو پہنچ چکے تھے۔ علم و تقویٰ، ورع، ترک تجرید، عشق و محبت اور ذوق و شوق، رموز و اشارات میں بے نظیر زمانہ اور اپنے عہد میں یگانہ تھے۔ میدانِ کرامت میں آپ سب سے سبقت لے گئے تھے۔ آپ کی بلندیٔ [illegible] اور

رفعت درجت کا یہ کمال تھا کہ نعمائے دنیاوی و اخروی سے آپ لاتعلق تھے اور عشق ذات باری تعالیٰ کے سوا کسی چیز کی رغبت نہ تھی۔ باوجودیکہ دہلی شہر میں جو قبۃ الاسلام تھا۔ ظاہری نعمتوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اور باغِ جنت کی طرح آراستہ و پیراستہ تھا۔ بندگانِ خدا کرامات کے دروازے کھول رہے تھے اور لوگ ناز و نعمت میں مست تھے لیکن حضرت اقدس کی توجہ ذاتِ باری تعالیٰ سے کوئی چیز نہیں ہٹا سکتی تھی۔ اور اس بادشاہِ عالمِ حقیقت نے ہر چیز سے قطع تعلق کر رکھا تھا اور اس قسم کے شہر کو ترک کر کے دین کے شیروں کی طرح جنگلوں اور ویرانوں کو مسکن بنا لیا تھا اور نانِ درویشانہ اور جامۂ فقیرانہ پر قناعت کر رکھی تھی لیکن آپ جس قدر اپنے آپ کو چھپاتے تھے۔ آپ کی شہرت اطرافِ عالم میں زیادہ ہوتی تھی اور آپ کے جمالِ ولایت کا شہرہ زیادہ سے زیادہ بلند ہوتا تھا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

البدر یطلع من فرید جبینہٖ	والشمس تغرب فی شقائق خدہٖ
ملکُ الجمال باسرہٖ فکانما	حسنُ البریۃ کلہم من عندہٖ

(آپ کی پیشانی سے چودھویں کا چاند ظاہر تھا اور آپ کے رخِ انور میں آفتاب گم ہو جاتا تھا۔ وہ حسن کا بادشاہ ہے اور ایسا حسین ہے کہ سارے جہاں کی خوبصورتی اس سے ہی)

خلافت کے بعد ہانسی کو روانگی:

غرضیکہ شدید ریاضت و مجاہدات کے بعد حضرت خواجہ قطب الاقطاب نے آپ کو خلافت عطا فرمائی لیکن جب دہلی میں آپ کے گرد ہجوم خلق ہونے لگا تو تنگ آکر آپ ہانسی چلے گئے لیکن لوگوں نے وہاں بھی نہ چھوڑا اور دہلی و گرد و نواح سے خلق خدا آپ کے گرد جمع ہونے لگی جس سے تنگ آکر آپ اپنے قدیم وطن کھتوال چلے گئے [۱]

حضرت شیخ جلال الدین تبریزی سے ملاقات:

سیر الاولیاء۔ اور فوائد الفواد میں حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جب۔ شیخ جلال الدین تبریزیؒ ملتان سے دہلی جا رہے تھے تو راستے میں

---

[۱] سیر الاولیاء

کھتوال کے مقام پر قیام فرمایا اور لوگوں سے دریافت فرمایا کہ یہاں کوئی درویش بھی ہے تاکہ اس کی زیارت کروں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں ایک قاضی کے بیٹے اور شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہٗ کے خلیفہ یہاں ہیں جو جامع مسجد کے عقب میں رہتے ہیں۔ چنانچہ شیخ جلال الدین آپ کی زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ راستے میں کسی شخص نے انار پیش کیا۔ حضرت خواجہ گنجشکرؒ کی خدمت میں آکر انار کو توڑا اور آپ کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا میرا روزہ ہے۔ اس وقت آپ نہایت ہی بوسیدہ کپڑوں میں ملبوس تھے۔ اور بار بار ستر چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے فرمایا کہ بخارا میں ایک درویش رہتا تھا جو سات سال وہاں مشغول رہا لیکن سوائے ایک لنگوٹ کے اس کے پاس کوئی کپڑا نہ تھا۔ آپ فکر نہ کریں۔ غرضیکہ جب شیخ جلال الدینؒ نے انار کھالیا اور چلے گئے تو حضرت خواجہ گنج شکرؒ کو افسوس ہوا کہ کاش میں نے انار کھالیا ہوتا۔ اب زمین پر جو دیکھتے ہیں تو ایک دانۂ انار پڑا ہوا ہے آپ نے اسے اٹھا کر دستار کے کونے میں باندھ لیا۔ جب مغرب ہوئی تو آپ نے اسی دانۂ انار سے افطار کیا۔ دانۂ انار کھانا تھا کہ دل میں روشنی پیدا ہو گئی۔ یہ دیکھ کر آپ نے دل میں کہا کہ افسوس زیادہ نہ کھا سکا۔ اس کے بعد جب آپ دہلی گئے اور حضرت خواجہ قطب الاقطابؒ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ مسعود وہی ایک دانہ تمہارے لیے مقصود تھا اور وہ تجھے مل گیا۔ خاطر جمع رکھو۔

اجودھن میں آمد: چونکہ کھتوال ملتان سے قریب تھا آپ کی شہرت اس قدر ہوئی کہ ملتان سے خلقِ خدا جا کر حضرتِ اقدس کے گرد جمع ہونے لگی، جس سے تنگ آکر اجودھن (پاکپتن) چلے گئے۔ اجودھن ایک غیر معروف قصبہ تھا اور وہاں آپ نے یوم وصال تک قیام فرمایا۔ ایک روایت کے مطابق آپ وہاں سولہ سال رہے

---

[۱] اگرچہ آپ کا روزہ تھا لیکن نفلی روزے کا یہ حکم ہے کہ اگر دوستوں کی خاطر غروب آفتاب سے پہلے افطار کر لیا جائے تو جائز ہے

اور دوسری روایت کے مطابق چوبیس[1] سال۔ آپ کو گوشۂ عزلت اور گمنامی اس قدر پسند تھا کہ خلقِ خدا سے ہمیشہ چھپتے پھرتے تھے۔ آپ کی زبان مبارک پر اکثر یہ شعر رہتا تھا ؎

ہر کہ در بندِ نام و آوازہ است　　خانۂ او برونِ دروازہ است

(جو شخص نام اور شہرت کا طالب ہے وہ حریم دوست سے محروم ہے)

صومِ داؤدی چھوڑ کر صوم الدہر اختیار کرنا:

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جب حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ ہانسی میں قیام فرما تھے تو شیخ علی گرد میرٹھ سے آپ کو ملنے آئے ان ایام میں حضرتِ اقدس صوم داؤدی رکھتے تھے یعنی ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن روزہ نہیں رکھتے تھے جس دن روزہ نہیں تھا حضرت اقدس نے شیخ علیؒ کو کھانے پر بلایا ابھی کھانا شروع نہیں ہوا تھا کہ شیخ علیؒ کے دل میں خیال آیا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ حضرت خواجہ گنجشکرؒ صائم الدہر ہوتے یعنی ہر روز روزہ رکھتے۔ جونہی ان کے دل میں یہ خیال آیا حضرت شیخ الاسلام کو روشن ضمیری سے اس کا علم ہو گیا اور کھانے سے ہاتھ کھینچ کر فرمایا کہ جو کچھ خاصانِ خدا کے دل میں آتا ہے اسی پر عمل کرنا بہتر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس روز کے بعد آپ نے صوم الدہر شروع کر دیا۔

حضرت گنجشکرؒ کا کھانا کیا تھا:

حضرت سلطان المشائخ سیر الاولیاء میں فرماتے ہیں کہ جب شیخ الاسلام گنجشکرؒ نے اجودھن میں سکونت اختیار کر لی تو خلق خدا اس قدر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھی کہ آدھی آدھی رات تک مجمع رہتا تھا اور آنے والوں کے سامنے طرح طرح کے کھانے رکھے جاتے تھے اور ہر شخص کے ساتھ نہایت مہربانی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے اور کسی شخص کو محروم نہیں کرتے تھے لیکن آپ کا اپنا یہ حال تھا کہ جنگل کے پھل مثلاً پیلو اور ڈیلے (کریر کا پھل جو نہایت ہی ادنیٰ ہوتا ہے اور بکریاں بھی کم کھاتی ہیں) کھا کر

---

[1] سیر الاولیاء

بسر اوقات کرتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ آپ شربت سے روزہ افطار فرماتے تھے جس میں کشمش کے چند دانے ہوتے تھے۔ شربت کا نصف یا دو تہائی حصہ حاضرینِ مجلس کو عطا فرماتے تھے اور ایک تہائی خود نوش فرماتے تھے بلکہ اس میں سے بھی کچھ بچا کر اپنے خاص خادمین کو عنایت فرماتے تھے۔ کیا ہی خوش قسمت وہ لوگ تھے جو آپ کا پس خوردہ حاصل کرتے تھے۔ نماز سے پہلے گھی لگا کر دو روٹیاں آپ کی خدمت میں پیش کی جاتی تھیں۔ ایک روٹی کے ٹکڑے کر کے آپ حاضرینِ مجلس کو عنایت فرماتے تھے اور ایک خود تناول فرماتے بلکہ اس روٹی میں سے بعض لوگوں کو عطا فرمایا کرتے تھے۔ زہے نصیب۔ مغرب کی نماز کے بعد آپ مشغول بحق ہو جاتے تھے۔ اس کے دستر خوان لگتا تھا اور حاضرینِ مجلس کے سامنے قسم قسم کے کھانے رکھے جاتے تھے لیکن آپ اس میں سے کچھ نہیں کھاتے تھے اور پھر دوسرے دن کے افطار کے وقت اسی طرح روزہ افطار فرماتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سحری بھی نہیں کرتے تھے اور چوبیس گھنٹوں میں صرف ایک وقت روٹی کے چند ٹکڑے اور تھوڑا سا شربت نوش فرماتے تھے۔ حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جس کھاٹ پر آپ سویا کرتے تھے اس کا بستر اس قدر چھوٹا تھا کہ پائنتی ننگی رہ جاتی تھی۔ آپ کے پاس حضرت خواجہ قطب الاقطاب کا عطا کردہ عصا تھا جو آپ چوم کر ہاتھ میں لیتے تھے اور جب آرام کرتے تھے تو کھاٹ کے سرہانے کی طرف رکھ کر سوتے تھے۔

حضرت سلطان المشائخ کی شان و شوکت کی اصل وجہ:

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دن خادم نے بازار سے نمک ادھار لے کر آٹے میں ڈالا جب کھانا لایا گیا تو حضرت اقدس نے روشن ضمیری سے فرمایا کہ کھانے سے اسراف کی بو آتی ہے۔ چنانچہ آپ نے اس روز کھانا نہ کھایا۔

حضرت سلطان المشائخ سیر الاولیاء میں فرماتے ہیں کہ آخر عمر میں حضرت شیخ الاسلام نہایت عسرت اور تنگی کے ساتھ زندگی بسر فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ رمضان شریف میں بہت ہی کم کھانا لایا جاتا تھا جو حاضرین کے لیے کافی نہ ہوتا تھا اور میں نے بھی

کبھی سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا تھا۔ حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں جب میں حضرتِ اقدس سے رخصت ہو کر دہلی جانے لگا تو آپ نے زادِ راہ کے طور پر مجھے ایک سلطانی دسکہ وقت، عطا فرمائی اور اسی دن مولانا بدرالدین اسحاق کے ذریعے کہلا بھیجا کہ آج نہ جاؤ کل چلے جانا۔ چنانچہ میں ٹھہر گیا۔ حضرت شیخ کے گھر اس دن کچھ نہیں تھا یہاں تک کہ افطار کے لیے بھی کوئی چیز نہ تھی۔ میں نے وہ سلطانی حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کر کے عرض کیا کہ حکم ہو تو اس سے کوئی چیز خریدی جائے۔ یہ دیکھ کر حضرتِ اقدس بہت خوش ہوئے اور میرے حق میں دعا کی اور فرمایا کہ میں نے تمہارے لیے خدا تعالٰے سے قدرے دنیا طلب کی ہے۔ حضرت شیخ کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات سن کر میرے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا کیونکہ کئی بزرگانِ دین دنیا کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا ہو گئے ہیں میرا کیا حال ہو گا — جونہی میرے دل میں یہ خیال آیا حضرتِ اقدس نے فرمایا فکر مت کرو، تمہارے لیے دُنیا باعثِ فتنہ نہ ہو گی۔ یہ بات سن کر میری جان میں جان آئی۔ چنانچہ حضرتِ اقدس کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ چاروں طرف سے فتوح کے دروازے کھل گئے اور اس قدر مال و دولت حضرت سلطان المشائخ کی خانقاہ میں جمع ہونے لگا کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ آپ کے لنگر میں ستر سیر نمک روزانہ خرچ ہوتا تھا اور ستر اونٹ پیاز اٹھا کر لاتے تھے اور وہ روزانہ خرچ ہو جاتے تھے۔ حضرت امیر خسرو حضرت محبوب الٰہی کی شان میں فرماتے ہیں

در حجرۂ فقر بادشاہ ہے   در عالم دل جہاں پناہ ہے
شہنشاہِ بے سریر و تاج   شاہانش بخاک پائے محتاج

(آپ فقیری کے حجرہ میں بیٹھ کر بادشاہی کرتے تھے اور عالمِ باطن میں جہاں پناہی کرتے تھے۔ اگرچہ آپ کے پاس نہ تخت تھا نہ تاج، لیکن شاہانِ عالم سب تھے آپکے محتاج)

ذاتِ حق میں بے پناہ استغراق:

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ حضرت سلطان المشائخ روایت کرتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کے متعدد حرم تھے اور کافی بال بچے تھے۔ ایک حرم نے آکر عرض کیا کہ حضور آج آپ کا فلاں بچہ فاقہ کی وجہ سے قریب المرگ

ہے۔ آپ کے استغراق کا یہ عالم تھا کہ آپ نے سر اٹھا کر فرمایا کہ بندۂ مسعود کیا، اگر خدا کی تقدیر سے مر جائے تو ٹانگ میں رسی ڈال کر باہر پھینک دو۔ حضرت محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ وہ بزرگ جس نے اچھا کھانا کھایا اور وہ اچھی نیند سویا اگر خدا کی محبت کا دعوے کرے تو جھوٹ بولتا ہے۔

وجہ تسمیہ گنجشکرؒ: سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ خواجہ گنجشکرؒ نے حضرت خواجہ قطب الاقطاب قدس سرہ کی خدمت میں عرض کیا کہ کوئی مجاہدہ کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ طے کا روزہ رکھو[1]۔ چنانچہ میں نے تین دن طے کا روزہ رکھا۔ تیسرے دن ایک آدمی چند روٹیاں لایا۔ میں نے سمجھا غیب سے آئی ہیں۔ میں نے لے کر کھالیں۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک کوا مردار آنتیں چونچ میں لے کر سامنے درخت پر بیٹھ گیا ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے کراہت آئی اور جو کچھ کھایا تھا قے کر دیا۔ اور معدہ بالکل خالی ہو گیا۔ جب میں نے یہ واقعہ حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کیا تو فرمایا کہ مسعود وہ جو تم نے تین دن کے بعد روٹی کھائی وہ ایک شراب فروش کے گھر سے آئی تھی اس لیے تمہارے پیٹ میں نہ رہ سکی۔ اب جاؤ اور مزید تین دن کا روزہ رکھو۔ چنانچہ میں نے تین دن مزید طے کا روزہ رکھا اور چھ دن کچھ نہ کھایا۔ اس سے جسم بے حد کمزور ہو گیا اور بے حد بھوک محسوس ہوئی۔ میں نے زمین پر ہاتھ مار کر چند سنگریزے اٹھائے اور منہ میں ڈالے تو وہ شکر ہو گئے۔ حکیم سنائی نے کیا خوب کہا ہے ؎

سنگ در دست تو گہر گردد ۔۔۔ زہر در کامِ تو شکر گردد

(پتھر تیرے ہاتھ کی برکت سے گوہر بن جاتا ہے اور زہر تیرے منہ میں شکر بن جاتی ہے)

حضرت خواجہ گنجشکرؒ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ حال دیکھا تو دل میں خیال آیا کہ شاید یہ شیطان کا مکر ہے اس لیے منہ سے نکال کر پھینک دیا۔ اور پھر حق میں مشغول ہو گیا۔ حتیٰ کہ آدھی رات گزر گئی اور کمزوری غالب آگئی۔ اس کے بعد پھر سنگریزے اٹھا کر منہ

---

[1] طے کا روزہ وہ ہوتا ہے کہ جس میں کئی کئی روز تک نہ سحری کی جاتی ہے نہ افطار

میں ڈالے۔ وہ بھی شکر بن گئے اور میں نے مکرِ شیطان کے خوف سے نکال کر پھینک دیئے اور حق میں مشغول ہو گیا۔ لیکن ضعف کا ایسا غلبہ ہوا کہ مشغولی میں فرق آگیا۔ چنانچہ میں نے پھر پتھر اٹھا کر منہ میں ڈالے تو شکر ہو گئے۔ اس مرتبہ دل میں خیال آیا کہ یہ حق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ اس وجہ سے کہ تیسری بار یہی ہوا ہے۔ حضرت شیخ نے بھی یہی فرمایا تھا کہ جو کچھ غیب سے آئے اس سے افطار کر لینا۔ چنانچہ آپ نے وہ پتھر کے ٹکڑے جو شکر ہو گئے تھے تناول فرمائے اور صبح ہوتے ہی سارا ماجرا حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے اچھا کیا کہ اس سے افطار کر لیا کیونکہ ہر چہ از غیب است نیکو است (جو کچھ غیب سے آتا ہے اچھا ہے) جاؤ شکر کی طرح میٹھے بن جاؤ گے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت بابا فریدالدین مسعودؒ کو شکر بار اور گنج شکر کہا جاتا ہے۔

چلّہ معکوس: سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ گنجشکرؒ پر مزید ریاضت و مجاہدات کا شوق غالب ہوا تو حضرت شیخ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر فرمان ہو تو ایک چلّہ کر لوں۔ یہ بات حضرت شیخ کو ناگوار گزری اور فرمایا کہ ضرورت نہیں ہے ان چیزوں سے شہرت ہوتی ہے آپ نے جواب دیا کہ حضور گواہ ہیں کہ مجھے شہرت کی طلب نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت خواجہ گنجشکرؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں بقیہ ساری عمر اس بات سے پشیمان رہا کہ حضرت پیر و مرشد کی خدمت میں کیوں ایسی بات کہی جو آپ کی طبع مبارک کو ناگوار معلوم ہوئی۔ اس کے بعد حضرت خواجہ قطب الاقطابؒ نے فرمایا کہ اب جاؤ اور ایک چلّہ معکوس کر لو۔ لیکن اس وقت حضرت خواجہ گنجشکرؒ کو معلوم نہ تھا کہ چلّہ معکوس کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ نے شیخ بدرالدین غزنوی سے کہ حضرت شیخ نے مجھے چلّہ معکوس کا حکم فرمایا ہے لیکن میں حضرت اقدس کے رعب و جلال کی وجہ سے یہ نہیں پوچھ سکا کہ چلّہ معکوس کیا ہوتا ہے آپ مجھے بتائیں یا حضرت شیخ سے دریافت کریں۔ شیخ بدرالدین نے حضرت خواجہ قطب الاقطاب سے چلّہ معکوس کی کیفیت دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ چلّہ معکوس یہ ہوتا ہے کہ چالیس دن یا چالیس رات پاؤں میں رسی باندھ کر کسی کنوئیں میں اُلٹا لٹک کر عبادت کرے۔ یہ سن کر حضرت خواجہ گنجشکرؒ نے

چلۂ معکوس کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ لیکن آپ کی خواہش یہ تھی کہ اس کا علم کسی کو نہ ہو۔ اب آپ ایسے مقام کی تلاش میں نکلے جہاں مسجد کے پاس کنواں ہو اور کنوئیں کے پاس ایسا درخت ہو کہ اس کی شاخیں کنوئیں پر چھائی ہوئی ہوں۔ نیز کوئی ایسا مؤذن بھی ہو جو کہ دل اور درویشوں کا ہمراز ہو۔ چنانچہ آپ ایسے مقام کی تلاش میں سارا دہلی کا شہر چھان مارا۔ کوئی جگہ ایسی نہ ملی۔ اس کے بعد آپ نے ہانسی کا سفر اختیار فرمایا لیکن وہاں بھی کامیابی نہ ہوتی

اُوچ شریف میں آمد اور چلۂ معکوس:

غرضیکہ آپ شہر بہ شہر، قصبہ بہ قصبہ اور خطہ بہ خطہ پھرتے رہے لیکن کوئی ایسا مقام نظر نہ آیا حتیٰ کہ آپ اوچ[1] پہنچ گئے۔ جہاں مسجد کے پاس کنواں اور کنوئیں کے اُوپر درخت تھا اور مسجد کا امام بھی حضرت خواجہ گنجشکرؒ کو جانتا تھا اور آپ کا معتقد تھا۔ وہ ہانسی کا رہنے والا تھا اور اس کا نام خواجہ رشید الدین مینائی تھا۔ حضرتِ اقدس نے چند روز اس مسجد میں قیام فرمایا جب امام مسجد کو اعتماد میں لے لیا اور اس سے وعدہ کر لیا کہ یہ راز فاش نہیں ہوگا تو آپ نے چلہ شروع کر دیا۔ ایسا ہوتا تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد وہ موذن آپ کے پاؤں میں رسی باندھ کر کنوئیں میں الٹا لٹکا دیتا تھا اور صبح صادق ہونے سے پہلے باہر نکال لیتا تھا۔ نظامی نے خوب کہا ہے ؎

دارد دو سرایں رشتہ یکے عجز و دگر ناز   زیں سو عجز آمد و زاں سو ہمہ ناز

(اس رشتہ یعنی تعلق باللہ کے دو سرے ہیں ایک سرا ناز کا دوسرا سرا نیاز کا۔ اس طرف سے نیاز ہی نیاز ہے اور اس سرے سے ناز ہی ناز ہے)

ہر صبح صادق سے قبل موذن آکر دیکھتا تھا کہ حضرتِ اقدس مشغول بحق ہیں اس کے بعد وہ آواز دیتا تھا کہ اے مخدوم کیا حکم ہے۔ آپ پوچھتے تھے کہ صبح صادق ہوئی ہے یا نہیں۔ وہ جواب دیتا تھا کہ ہونے والی ہے۔ حضرتِ اقدس فرماتے تھے کہ اچھا

---

[1] اوچ شریف ضلع بہاولپور میں احمد پور شرقیہ سے غربی جانب ۱۲ میل کے فاصلے پر ہے جہاں قادری اور سہروردی اکابر اولیاء کرام کے کثرت سے مزارات ہیں۔

مجھے باہر نکال لو۔ آپ کنوئیں سے باہر آکر مسجد میں مراقب ہوجاتے تھے اسی طرح چالیس شب آپ نے چلہ جاری رکھا اور اپنے شیخ کا حکم اس طرح پورا کیا کہ کسی کو اس کا علم نہ ہوا وہ مسجد اب تک اوچ میں موجود ہے اور زیارت گاہ اور حاجت روائے خلق ہے۔

اس کے بعد خواجہ رشید الدین موذن نے حضرت خواجہ گنجشکرؒ سے عرض کیا کہ حضور میں بال بچے دار آدمی ہوں میرے ہاں بہت سی لڑکیاں ہیں روزی تنگ ہے دعا کریں کہ روزی فراخ ہوجائے۔ آپ نے فرمایا۔ وعظ کیا کرو۔ سب کام درست ہوجائے گا۔ اس نے عرض کیا کہ حضور میں عالم نہیں ہوں۔ وعظ کیسے کروں۔ آپ نے فرمایا منبر پر قدم رکھنا تمہارا کام ہے اور کرم حق تعالےٰ کا کام ہے۔ چنانچہ اس نے وعظ شروع کردیا اور بہت کامیاب ہوا۔ اور تنگی جاتی رہی۔

صلوٰۃ معکوس کا ثبوت حدیث نبویؐ سے:

حضرت سلطان المشائخ سیر الاولیا میں فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر فرماتے ہیں کہ مجھے جو کچھ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہے میں نے سب پر عمل کیا ہے جس وقت مجھے یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز معکوس ادا کی تھی تو میں نے اپنے پاؤں میں رسی باندھی اور اپنے آپ کو کنوئیں میں لٹکا دیا۔

چلہ معکوس کے متعلق حضرت گیسو درازؒ کی وضاحت:

جوامع الکلم میں لکھا ہے کہ ایک دن کسی شخص نے حضرت بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ سے کہا کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اُلٹے لٹکنے کی وجہ سے آنکھوں اور منہ سے خون کیوں نہ جاری ہوجاتا تھا اور نہ خوراک اور پانی باہر نکلتا تھا۔ حضرت اقدس نے جواب دیا کہ "ایک ولی اللہ کے سوکھے ہوئے جسم میں خون اور خوراک کہاں باقی رہ جاتے ہیں وہ تو مجاہدہ اور ریاضت میں سوکھ کر ایک انسانی ڈھانچہ رہ جاتا ہے۔" حضرت خواجہ گنجشکرؒ کے جسم مبارک میں خون کہاں تھا۔ آپ تو ہمیشہ فقر و فاقہ سے محبت رکھتے تھے۔ اور صائم الدہر تھے۔ اس کے باوجود دن رات عبادت ریاضت میں گزارتے تھے آپ نے چالیس سال عشاء کی نماز کے وضو سے صبح کی نماز ادا فرمائی۔ اعتراض کرنیوالوں

میں سے کوئی ہے جس نے ایک رات عشار کی نماز کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہو۔ حضرت سید علی ہجویری قدس سرہٗ نے کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ ابراہیم بن ادہمؒ رمضان المبارک کا چاند دیکھ کر سحری کر لیتے تھے اور شوال کا چاند دیکھ کر افطار کرتے تھے اور پورا مہینہ روزہ رکھتے تھے۔ اس کے باوجود سارا دن گرمی کے موسم میں گندم کے کھیت میں مزدوری کرتے تھے اور جس قدر غلہ ملتا تھا اس سے روٹی پکا کر احباب کو کھلاتے تھے۔ اب ان کے جسم میں کہاں ہوگا خون اور خوراک۔؟ بلکہ ان حضرات کا سارا جسم نور ہی نور بن جاتا ہے۔

دادا پیر حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی زیارت و حصولِ نعمت:

سیر الاولیاء میں حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں ایک دفعہ شیخ الاسلام خواجہ معین الدین سنجری شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار اور شیخ الشیوخ العالم حضرت فریدالدین قدس اسرارہم ایک حجرہ میں تشریف رکھتے تھے حضرت خواجہ بزرگ نے حضرت خواجہ قطب الدین سے دریافت کیا کہ کب تک اس جوان کو مجاہدہ میں جلاؤ گے کوئی چیز اسے بخش دو۔ حضرت خواجہ قطب الدینؒ نے عرض کیا کہ میری کیا مجال ہے کہ حضور کے سامنے بخشش کروں۔ حضرت خواجہ بزرگ نے فرمایا یہ تمہارا کام ہے اس کے بعد آپ کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ آؤ ہم دونوں بخشش کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت گنجشکرؒ کی دائیں طرف حضرت خواجہ بزرگ کھڑے ہوگئے اور بائیں طرف حضرت قطب الاقطاب اس کے بعد دونوں حضرات نے جو کچھ عطا کرنا تھا عطا فرمایا۔ اس واقعہ کو صاحب سیر الاولیاء نے یوں قلمبند کیا ہے

بخشش کونین از شیخین شد در بابِ تو   بادشاہی یافتی زیں بادشاہانِ جہاں،
مملکتِ دنیا و دیں گشتہ مسلّم مر ترا   عالم کن گشتہ اقطاعے تو اے شاہِ جہاں

(تو نے دو جہاں کی نعمت دو بزرگوں سے حاصل کی اور بادشاہوں سے بادشاہی پائی۔ دین و دنیا کی تم کو شاہی ملی اور کائنات تمہاری جاگیر بن گئی) اس وقت حضرت خواجہ بزرگ نے حضرت گنجشکرؒ کے حق میں فرمایا کہ یہ ایک شمع ہے کہ جس سے سارا جہاں روشن ہوگا۔

سیر الاولیاء میں حضرت

حضرت خواجہ قطب الدینؒ کا وصال اور خواجہ گنج شکرؒ کی عدم موجودگی :

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہٗ کا وصال قریب آیا تو شیخ الاسلام گنج شکرؒ موجود نہ تھے۔ چنانچہ آپ نے وصیت فرمائی کہ میرا یہ خرقہ، عصا، اور نعلین چوبین فرید الدین گنج شکرؒ کو پہنچا دینا۔ وصال کی رات حضرت خواجہ گنج شکرؒ نے خواب دیکھا کہ حضرت خواجہ قطب الاقطابؒ بلا رہے ہیں۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی آپ ہانسی سے دہلی روانہ ہو گئے۔ چوتھے روز آپ دہلی میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت اقدس کا وصال ہو گیا ہے۔ آپ نے وہاں جا کر اپنا گرد سے آلود چہرہ مزار مبارک پر ملا اور شیخ حمید الدین ناگوریؒ نے وہ امانت آپکے سپرد کی۔ آپ نے دوگانہ نماز ادا کر کے حضرت شیخ کا خرقہ زیب تن فرمایا اور حضرت شیخ کی مسند پر متمکن ہوئے۔

حضرت خواجہ گنج شکرؒ فرماتے ہیں کہ جب میں نے ہانسی جانے کا قصد کیا تو حضرت خواجہ قطب الاقطاب مجھے دیکھ کر آبدیدہ ہوئے اور فرمایا:

مولانا فرید الدین مجھے معلوم ہے تم چلے جاؤ گے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور جو حکم ہو۔ فرمایا، تقدیر الٰہی اسی طرح ہے کہ ہمارے آخری سفر کے وقت تم موجود نہیں ہو گے۔ اس کے بعد حاضرین مجلس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس درویش (بابا فرید الدینؒ) کے لیے مزید نعمتِ دنیا و دین و فقر کے لیے ہم سب مل کر فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھیں اور دعا کریں۔ چنانچہ سب نے مل کر دعا کی اور بعد دعا حضرتِ شیخ نے اس دعاگو کو عصا عطا فرمایا اور نیز فرمایا کہ میں تمہاری امانت یعنی سجادہ (مصلیٰ) خرقہ، دستار و نعلین قاضی حمید الدین ناگوریؒ کے حوالہ کر دوں گا۔ پانچ دن کے بعد تم کو مل جائے گی۔ وہ اُن سے لے لینا اور یہ فرمایا کہ:

مقامِ ما مقامِ شماست

(ہمارا مقام تمہارا مقام ہے)

جونہی حضرت قطب الاقطابؒ نے یہ الفاظ منہ سے نکالے مجلس میں نعرہ بلند

ہوا اور ہر شخص نے دعا کی۔

حضرت قطب الاقطاب کے وصال کا واقعہ:

سیر الاولیاء میں حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا ہے کہ عید کا دن تھا عید گاہ سے فارغ ہو کر قطب الاقطاب وہاں آئے جہاں اب آپ کا مزار مبارک ہے۔ وہاں ایک صاف میدان تھا نہ کوئی قبر تھی نہ قبرستان، حضرتِ اقدس وہاں آکر کھڑے ہو گئے اور سوچتے رہے۔ ایک عزیز نے عرض کیا کہ حضور آج عید کا دن ہے خلق خدا انتظار میں ہے کہ حضرتِ اقدس آئیں اور طعام تناول فرماویں۔ آپ اس ویرانے میں کیا کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ:

مرا زیں زمین بوئے دلہا مے آید

(مجھے اس زمین سے دلوں کی بُو آرہی ہے)

اس کے بعد آپ نے مالکِ زمین کو طلب فرمایا اور وہ قطعۂ زمین خرید لیا اور وصیت فرمائی کہ مجھے یہاں دفن کیا جائے۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے سلطان المشائخ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا کہ یہ جو حضرتِ اقدس نے فرمایا تھا کہ مجھے اس زمین سے "بوئے دلہا مے آید" اب جا کر دیکھو کہ وہاں کتنے صاحبِ دل سوئے ہوئے ہیں۔ حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں:

کہ حضرت قطب الاقطاب پر چار شب و روز تحیر طاری رہا۔ وصال آپ کا یوں ہوا کہ شیخ علی سجستانیؒ کی خانقاہ میں محفلِ سماع منعقد ہوئی جس میں حضرت قطب الاقطاب مع جمیع احباب موجود تھے۔ قوالوں نے احمد جامؒ کی غزل گائی۔ جب اس شعر پر پہنچے سے

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

(جو لوگ خنجر تسلیم و رضا سے شہید ہو چکے ہیں اُن کے لیے ہر لمحہ نئی جان ہے)

اس شعر پر حضرتِ قطب عالم کو وجد آیا اور عالمِ تحیر میں رقص کرنے لگے۔ حضرت قاضی حمید الدین ناگوری اور شیخ بدر الدین غزنوی آپ کو مکان پر لے گئے اور قوالوں کو بھی ساتھ لے گئے۔ قوال وہی شعر گاتے رہے اور آپ چار شب و روز رقص کرتے

رہے لیکن جب نماز کا وقت آتا تھا تو آپ وضو تازہ کر کے فرض اور سنت مؤکدہ ادا کرتے تھے اور پھر وجد کرتے تھے یہاں تک کہ آپ کی ہڈیاں اپنی جگہ پر تر رہیں۔ چوتھی رات آپ کی حالت زیادہ دگرگوں ہو گئی۔ حضرت شیخ کا سر مبارک حضرت شیخ محمد عطا حمید الدین ناگوری کے زانو پر تھا اور پاؤں شیخ بدرالدین غزنوی کی گود میں تھے اسی حالت میں شیخ حمید الدین نے عرض کیا حضور کی حالت متغیر ہو رہی ہے اپنے خلفاء میں سے کسی ایک کے متعلق حکم دیجئے کہ جو حضور کی جگہ پر مسند نشین ہو جائے۔ اگرچہ حضرت خواجہ قطب العالم کے بڑے بیٹے موجود تھے لیکن آپ نے ان کی طرف توجہ نہ فرمائی اور حکم دیا کہ وہ خرقہ جو حضرت شیخ الشیوخ معین الدین سے مجھے ملا ہے، خاص مصلّے اور عصا اور نعلین چوبین کے ساتھ شیخ فریدالدین مسعود کو پہنچا دیں۔ آپ کا وصال ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ کو ہوا۔

شہنشاہ غیاث الدین بلبن کی بیٹی کے ساتھ حضرت اقدس کی شادی کا واقعہ

سیر الاقطاب کی روایت صاحب اقتباس الانوار نے یوں بیان کی ہے کہ حضرت خواجہ قطب الاقطاب کے وصال کے بعد جب حضرت خواجہ گنجشکرؒ قدس سرہ مسند نشین ہوئے تو سلطان غیاث الدین بلبن حضرت اقدس سے بے حد عقیدت رکھتا تھا اور اکثر خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تھا۔ ایک دن اس نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ یہ بندہ خود تو حاضر ہو کر آستانہ بوسی کی سعادت حاصل کرتا ہے لیکن بندہ کے حرم کے لوگ پردہ کی وجہ سے زیارت سے محروم ہیں۔ وہ اس نعمت عظمیٰ کے بے حد خواہشمند ہیں اگر حضور مہربانی فرمادیں تو تشریف لے چلیں تاکہ وہ سب زیارت سے مشرف ہوں۔ حضرت اقدس نے بادشاہ کی درخواست قبول فرمائی اور محل کے اندر تشریف لے گئے۔ تمام مستورات نے حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف زیارت حاصل کیا لیکن بادشاہ کی بیٹی جس کا نام شہزادی ہزیرہ بانو تھا۔ دور کھڑی رہی حضرت اقدس نے سر اوپر اٹھا کر ایک طرف دیکھا تو شہزادی کو کھڑے ہوئے پایا۔ اس کے بعد گردن جھکالی۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے دوبارہ سر اٹھایا اور شہزادی کو غور سے دیکھا اور پھر سرنگوں ہو گئے جب حضرت اقدس

محل سے تشریف لے گئے تو بادشاہ عقلمند تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ کوئی بات ضرور ہے چنانچہ اس نے وزیر کو حضرت اقدس کے پاس بھیج کر کہلا بھیجا کہ حضور نے دو مرتبہ میری بیٹی کو غور سے دیکھا ہے اگر حضور کا حکم ہو تو یہ بندہ درگاہ اپنی بیٹی کو خدمت گزاری کے لیے پیش کرے۔ جب وزیر نے حضرت اقدس کی خدمت میں جا کر بادشاہ کی عرضداشت پیش کی تو آپ نے دعوت قبول فرمائی اور کہلا بھیجا کہ میری خواہش مطلقاً یہ نہیں تھی کہ اپنے آپ کو اس تعلق سے آلودہ کر لوں لیکن میرے پروردگار کا متواتر حکم آ رہا تھا کہ اے فرید میری رضامندی یہی ہے کہ تم میرے حبیبؐ کی سنت کے مطابق نکاح کرو۔ چنانچہ میں نے یہ بات تسلیم کر لی۔ لیکن مجھے اندیشہ پیدا ہوا کہ کہاں کا حکم ہوتا ہے۔ جب بادشاہ مجھے محل کے اندر لے گیا تو میں متوجہ الی اللہ تھا۔ مجھے حکم ہوا کہ فرید سر اٹھا کر دیکھو۔ جب میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو بادشاہ کی بیٹی کو کھڑا پایا۔ اس کے بعد میں نے سر نگوں کر لیا۔ حق تعالیٰ سے فرمان ہوا کہ اس لڑکی کے ساتھ شادی کرو گے۔ چنانچہ میں نے دوبارہ سر اٹھا کر اچھی طرح دیکھا اور حق تعالیٰ کی خدمت میں عرض کیا کہ بندہ حکم کی تعمیل کرے گا۔ جب وزیر یہ پیغام لے کر بادشاہ کے پاس آیا تو وہ بے حد خوش ہوا خاص طور پر اس بات سے زیادہ خوش ہوا کہ حق تعالیٰ نے اس کی بیٹی کے لیے حکم فرمایا ہے چنانچہ اس نے فوراً شادی کا انتظام کیا اور شہزادی کو حضرت اقدس کی خدمت میں بھیج دیا۔ رات کے وقت جب حق تعالیٰ کے حکم سے حضرت اقدس منکوحہ کے پاس تشریف لائے تو گھر میں ساز و سامان دیکھ کر کافی دیر تک حیرت زدہ ہو کر کھڑے رہے اور عبادت کے لیے جگہ تلاش کرتے رہے۔ کونے میں ایک جگہ خالی دیکھ کر آپ نے مصلیٰ بچھایا اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔ یہ دیکھ کر شہزادی فوراً اپنی مسند سے اٹھ کر نیچے آئی اور دست بستہ ہو کر پاس کھڑی ہو گئی حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور حضرت اقدس باہر چلے گئے۔ دوسری رات پھر یہی واقعہ ہوا۔ تیسری رات بھی یہی ہوا۔ چوتھی رات شہزادی نے عرض کیا حضور مجھے معلوم نہیں کہ مجھ سے کیا خطا ہوئی ہے کہ حضور میری طرف توجہ نہیں فرماتے۔ آپ نے فرمایا بی بی فقیروں کی رضامندی خدا تعالیٰ کی رضامندی میں ہوتی ہے۔ اگر تجھے خدا تعالیٰ کی رضامندی درکار ہے تو دنیا کو ترک کر دے، درویشوں کا

کا لباس پہن لے اور عبادت میں مشغول ہوجا اور یہ سارا مال و متاع راہِ خدا میں خیرات کردے
بی بی نے یہ سنتے ہی دوسرے روز فوراً سارا مال و متاع درویشوں کو دے دیا اور گھر میں
کوئی چیز باقی نہ رکھی۔ اس سے حضرتِ اقدس بہت خوش ہوئے اور بادشاہ کے محل سے
جو اس نے اپنی بیٹی کو دیا تھا باہر آکر احباب سے کہا کہ ایک جوڑا موٹے کپڑوں کا میرے
اہلِ خانہ کے لیے لاؤ۔ شیخ محمود موئنہ دوز وہاں موجود تھے۔ وہ اٹھ کر چلے گئے اور کپڑوں
کا جوڑا لا کر پیش کیا۔ حضرتِ اقدس نے وہ جوڑا حضرت بی بی صاحبہ کو پہنایا۔ جب
بادشاہ کو اس بات کی خبر ہوئی تو اس نے اسی مقدار میں دوبارہ مال و متاع بھیج دیا۔
بی بی صاحبہ نے وہ بھی خیرات کردیا اور صرف تین سو باندیاں رہ گئیں۔ جو خدمت گزاری
کے لیے بی بی صاحبہ کے ساتھ آئی تھیں۔ بی بی صاحبہ نے کہا کہ ان میں سے اکثر قدیمی
خدمت گار ہیں میرے لیے یہ مناسب نہیں کہ ان کو کسی اور کے حوالہ کردوں اس لیے
ان کو میں اپنے والد کے پاس بھیجنا چاہتی ہوں۔ اس میں سے جو آنحضرت کو پسند آئیں۔
اپنی خدمت کے لیے رکھ لیں۔ چنانچہ حضرتِ اقدس نے ان میں سے دو خادماؤں کو رکھ
لیا۔ ایک کا نام شادو تھا اور دوسری کا نام شکرو۔ اور باقی سب کو بادشاہ کے پاس واپس
بھیج دیا۔ اس کے بعد بی بی صاحبہ نے عرض کیا کہ اب ہمارا اس جگہ رہنا مناسب نہیں
ہے۔ کیونکہ جب میں فقر و فاقہ میں زندگی بسر کروں گی تو میرے والد یہ کس طرح برداشت
کرسکتے ہیں کہ میری خبر گیری نہ کریں۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ کسی ایسی جگہ پر چلے جائیں جہاں
ہمیں کوئی نہ جانتا ہو۔ اور پھر ہم دل کھول کر عبادت کریں گے۔ یہ بات حضرتِ اقدس
کو بہت پسند آئی اور وہاں سے رات کے وقت کوچ کرکے اجودھن پہنچ گئے۔ بعض
روایات میں ہے پہلے کچھ عرصہ ہانسی رہے اور پھر وہاں سے اجودھن تشریف لے گئے۔
سیر الاقطاب کی اس روایات کے متعلق کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ازدواج و اولاد: حضرت خواجہ گنجشکر قدس سرہٗ کے تین حرم تھے جن میں سے
پانچ فرزند اور تین دختران وجود آئے۔ ان کے اسمائے گرامی
یہ ہیں (۱) حضرت خواجہ نصیر الدین (۲) حضرت خواجہ شہاب الدین گنج علم (۳) حضرت خواجہ

بدرالدین سلیمان (۴) حضرت خواجہ نظام الدین (۵) حضرت خواجہ یعقوب (۱) حضرت بی بی مستورہ (۲) حضرت بی بی شریفہ (۳) حضرت بی بی فاطمہ رحمہم اللہ اجمعین ۔

(۱) حضرت خواجہ نصیر الدین : آپ سب سے بڑے بیٹے تھے اور کھیتی باڑی کیا کرتے تھے۔ آپ بڑے متقی اور پرہیز گار تھے اور ہمیشہ رزقِ حلال کے حصول میں کوشاں رہتے تھے۔ آپ کے چھ بیٹے تھے شیخ عبدالرشیدؒ، شیخ بایزیدؒ، شیخ نعمت اللہ، شیخ کریم الدینؒ، شیخ ابراہیمؒ اور شیخ عبداللہؒ۔

(۲) حضرت شیخ شہاب الدین گنجِ علم : آپ بڑے عالم فاضل تھے۔ اس لیے آپ گنجِ علم کہلاتے تھے اور حضرت خواجہ گنجشکرؒ کی خدمت میں علمی گفتگو میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کے بھی چھ لڑکے تھے جن کی اولاد اب ہندوستان کے مختلف صوبوں میں پائی جاتی ہے۔

(۳) حضرت شیخ بدرالدین سلیمانؒ : حضرت شیخ بدرالدین سلیمان اگرچہ عمر میں تیسرے درجے پر تھے لیکن حضرت خواجہ گنجشکرؒ کے خلیفہ جانشین ہونے کا شرف آپ کو حاصل ہے۔ آپ تمام بھائیوں اور مریدین کے اتفاق سے مسند نشین ہوئے تھے۔ آپ بڑے درویش اور متقی و پرہیز گار تھے۔ آپ اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن کیے گئے جو بہت بڑا شرف ہے۔

حضرت مولانا علاؤالدین موج دریاؒ : حضرت شیخ بدرالدین سلیمانؒ کے فرزند ہیں جو آپ کے وصال کے بعد مسند نشین ہوئے۔ آپ ۱۶ سال کی عمر میں مسند نشین ہوئے اور چھپن سال خلافت کے فرائض انجام دیئے۔ آپ بڑے بلند مرتبہ ولی اللہ تھے۔ بادشاہِ وقت آپ کا مرید تھا لیکن آپ نے ساری عمر گوشہ نشینی میں بسر فرمائی اور کبھی پاکپتن شریف سے باہر قدم نہ رکھا۔ مشہور سیاح ابن بطوطہ حضرت شیخ علاؤالدین کی زیارت کے لیے اجودھن حاضر ہوا اور حضرت اقدس سے ملاقات کر کے بہت محظوظ ہوا۔ آپ اس قدر متقی و پرہیز گار تھے کہ ابن بطوطہ سے مصافحہ کرنے کے بعد آپ نے اپنے ہاتھ دھو ڈالے۔ اسی طرح جب حضرت شیخ رکن الدین

سہروردی قدس سرہ اجودھن میں حضرت شیخ علاؤالدینؒ سے ملے اور مصافحہ کے بعد معانقہ کیا تو ان کے چلے جانے کے بعد حضرت اقدس نے کپڑے بدل دیئے اور غسل بھی فرمایا۔ جب یہ بات حضرت شیخ رکن الدین کو کسی نے شکوہ کے طور پر بتائی تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو شیخ علاؤالدین کے مقام کا کیا علم ہے انہوں نے جو کچھ کیا ہے بہت اچھا کیا ہے کیونکہ ہم سے دنیا کی بو آتی ہے اور وہ اس سے بری ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کے بعد اس سلسلۂ عالیہ نے جس قدر ترقی کی ہے اس کا سہرہ حضرت شیخ علاؤالدینؒ کے سر ہے۔ آپ کا مرید سلطان محمد تغلق آپ سے اس قدر ڈرتا تھا کہ سامنے بیٹھ کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ حضرت شیخ کے مزار پر جو بہت بڑا گنبد ہے وہ اسی بادشاہ یعنی محمد تغلق کا تعمیر کردہ ہے۔

حضرت شیخ علاؤالدین کے دو صاحبزادے تھے۔ شیخ معزالدینؒ اور شیخ علم الدینؒ حضرت شیخ معزالدینؒ اپنے والد کے وصال کے بعد مسند نشین ہوئے۔ آپ بڑے حسین و جمیل تھے۔

(۴) حضرت شیخ نظام الدینؒ:

حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کے چوتھے فرزند حضرت شیخ نظام الدینؒ تھے جو سلطان غیاث الدین بلبن کی فوج میں افسر تھے اور بڑے شجاع تھے۔ آپ اپنے بھائیوں میں سے حضرت خواجہ گنجشکرؒ کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔ اور حضرت اقدس آپ کی تمام باتیں برداشت کر لیتے تھے، جس رات کو حضرت شیخ الاسلام کا وصال ہوا۔ حضرت شیخ نظام الدین اسی رات اجودھن پہنچ چکے تھے۔ لیکن قلعہ کا دروازہ بند ہونے کی وجہ سے گھر نہ جا سکے اس لیے وصال سے پہلے حضرت گنجشکرؒ نے فرمایا تھا کہ نظام الدین پہنچ تو گیا ہے۔ لیکن اس کے آنے کا کیا فائدہ کہ ملاقات نہ ہو سکی۔

(۵) حضرت شیخ یعقوبؒ:

آپ حضرت شیخ الاسلام کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے اور زندہ منش تھے آپ اکثر سفر میں رہتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کے خلفا:

حضرت خواجہ گنجشکرؒ کے خلفار کی تعداد میں قدرے اختلاف ہے بعض کتب مثل جواہر فریدی میں تو خلفار کی تعداد کئی ہزار بتائی گئی ہے۔ ممکن ہے اس میں آپ کے خلفار، خلفار کے خلفار اور ان کے خلفار تا قیامت شامل ہوں۔ بہرحال معتبر کتابوں میں جو حالات درج ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے گیارہ نامور خلفا تھے جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ (۲) حضرت شیخ نجیب الدین متوکلؒ (۳) حضرت شیخ بدرالدین سلیمانؒ (۴) حضرت مولانا بدرالدین اسحاقؒ (۵) حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد صابرؒ (۶) حضرت مولانا عارفؒ (۷) حضرت مولانا حمیدؒ (۸) حضرت مولانا فخرالدین صفاہانیؒ (۹) حضرت مولانا برہان الدین صوفیؒ (۱۰) حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ (۱۱) حضرت قاضی منتخب الدینؒ۔ لیکن قضائے الٰہی سے ان میں سے اکثر حضرات کے سلسلے یا تو ختم ہو گئے یا ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دو سلاسل زندہ اور پائندہ ہیں اور تاقیامت سلامت رہیں گے۔ اوّل سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ دوم سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ یہ اوّل و دوم کی ترتیب اگرچہ بے معنی ہے لیکن چونکہ حضرت مخدوم علاؤالدین علی احمد کو خلافت پہلے ملی تھی اس لیے آپ کے سلسلہ عالیہ کو سلسلہ اوّل کہا گیا ہے ورنہ آجکل جو چشتی صابری ہیں ان میں بھی نسبت نظامیہ کئی واسطوں سے داخل ہو چکی ہے اور تفریق محض بے معنی ہے اسی طرح سلسلہ عالیہ چشتیہ جمالیہ اور سلسلہ عالیہ صابریہ کے لوگوں کے مابین جو قدرے تکدر پایا جاتا ہے وہ بھی بے معنی ہے کیونکہ حضرت شیخ جمال ہانسویؒ اور مخدوم صابرؒ کے مابین جو نزاع بتایا جاتا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ ایک من گھڑت کہانی ہے جو بعد میں آنے والے متعصب لوگوں کی اختراع ہے۔ اس لیے اس کا ذکر ہی نہیں کرنا چاہیے لیکن افسوس ہے کہ ہمارے معاصر سوانح نگار حضرت مولانا مسلم نظامی نے اس غلط واقعہ کو اپنی کتاب انوار الفرید میں جگہ دے کر نہ صرف بھولی ہوئی بات تازہ کر دی ہے بلکہ آپ نے جو

الفاظ استعمال فرمائے ہیں ان سے بھی بُرا تاثر پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً پہلے آپ نے یہ کہانی دہرائی ہے کہ ایک نفس پرست آدمی تھا جو حصولِ خلافت کے لیے حضرت بابا صاحبؒ کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ اس لیے آپ نے اُسے ٹال دیا اور شیخ جمال الدین ہانسویؒ کے پاس بھیج دیا۔ انہوں نے اس شخص کو حریص اور جھوٹا دعویدار سمجھ کر اس کا خلافت نامہ جو شاید اس نے خود لکھ لیا تھا پھاڑ دیا۔ جب وہ شخص حضرت بابا صاحبؒ کے پاس آیا اور پھٹا ہوا خلافت دکھایا تو آپ نے فرمایا کہ جمال کے پھاڑے ہوئے کو فرید درست نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ ایک حریص اور نفس پرست آدمی کو حضرت بابا صاحبؒ نے ہرگز ہرگز خلافت نامہ لکھ کر نہیں دیا ہوگا۔ اس لیے اس پر حضرت شیخ جمالؒ کی مہر ثبت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہٰذا یہ خلافت نامہ اس نے خود لکھ لیا تھا اور حضرت شیخ جمال الدینؒ کے پاس تصدیق کے لیے گیا اور آپ نے بجا طور پر اُسے پھاڑ دیا۔ بس معاملہ یہاں ختم ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد مولانا مسلم نظامی تحریر فرماتے ہیں کہ:

"سیر الاقطاب کی روایت کے مطابق یہ واقعہ حضرت سیدنا و مولانا مخدوم علاؤ الدین صابرؒ کا ہے۔"

اس جملہ سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ وہ جھوٹی خلافت حاصل کرنے والے آدمی سیر الاقطاب کے نزدیک حضرت مخدوم صابر تھے۔ "لفظا" یہ واقعہ "لکھ کر مولانا نظامی نے غضب کر دیا ہے۔ خواہ ان کے دل میں یہ بات نہ بھی ہو تب بھی پڑھنے والے کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ حریص اور نفس پرست آدمی جس کا واقعہ اوپر بیان ہو چکا ہے صاحب سیر الاقطاب کے نزدیک "یہ واقعہ" مخدوم صابر کا ہے۔ ہم مولانا مسلم نظامی کی دیانت پر حملہ نہیں کرتے لیکن تاثر یہ ہوتا ہے کہ "یہ واقعہ" یعنی اوپر والے جھوٹے مدعی کا واقعہ صاحب سیر الاقطاب کے نزدیک مخدوم صابرؒ کا واقعہ ہے لیکن سیر الاقطاب کے مصنف کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ مخدوم صابرؒ کو حضرت خواجہ گنجشکرؒ نے صحیح طور پر خلافت عطا فرمائی تھی کیونکہ وہ اس کے مستحق تھے لیکن حسب دستور مخدوم پاک کو حضرت بابا صاحبؒ نے ہدایت فرمائی کہ شیخ جمال ہانسویؒ سے بھی مہر ثبت کرالیں۔

ہم مانتے ہیں کہ سیر الاقطاب کی یہ روایت صحیح نہیں ہے اور حضرت مخدوم صابرؒ اور حضرت شیخ جمال الدینؒ کے درمیان کوئی نزاع یا اختلاف پیدا نہیں ہوا تھا لیکن اس غلط روایت کو از سرِ نو کتاب میں درج کرنے اور پھر ایک حریص اور نفس پرست آدمی کی کہانی سے پیوند لگانا یہ ضرور ایسا امر ہے جس سے اجتناب لازمی تھا۔ ہمیں مولانا نظامی کی نیت پر کوئی شک نہیں ہے لیکن انتخابِ الفاظ گمراہ کن ضرور ہے۔

حضرت مخدوم صابرؒ کے کتابوں میں کم ذکر ہونے کی وجہ:

بعض لوگ جن میں اکثریت جمالیوں اور نظامیوں کی ہے اور پھر وہ جو محقق نہیں عامی ہیں یہ سوال کرتے ہیں کہ چشتیہ سلسلہ کی کتابوں یعنی راحت القلوب، راحت المحبین اور اسرار الاولیاء میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کا تو کثرت سے ذکر ہے لیکن مخدوم صابرؒ کا ذکر بہت کم کیوں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں کتابیں اب اہل تحقیق کی نظروں میں غیر معتبر ثابت ہو چکی ہیں اور حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ اور بندہ نواز سید محمد گیسو دراز جیسی مقتدر ہستیوں نے ان کو صحیح نہیں مانا۔ باقی رہی سیر الاولیاء اور فوائد الفوائد، فوائد الفوائد تو سوانح ہی نہیں ہے بلکہ مجموعہ ملفوظات ہے۔ جہاں تک سیر الاولیاء کا تعلق ہے یہ کتاب انوار الفریدیہ کے مصنف کے نزدیک بھی حضرت سلطان المشائخ قدس سرہٗ کے وصال کے چالیس پچاس برس بعد لکھی گئی ہے۔ سیر الاولیاء کے مولف خواجہ خورد حضرت سلطان المشائخ کے دربار میں ایک بچے کی حیثیت سے رہتے تھے جن کی عمر بہت کم تھی۔ نیز خود حضرت سلطان المشائخ حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کی زندگی کے آخری چند سالوں میں مرید ہوئے اور خلافت حاصل کی لیکن حضرت مخدوم صابرؒ اس سے شاید دس پندرہ سال پہلے خلافت حاصل کر کے کلیر تشریف لے جا چکے تھے۔ اس لیے حضرت سلطان المشائخ کو بھی ان کے متعلق زیادہ معلومات نہیں تھیں جب آپ کو زیادہ معلومات نہ تھیں تو آپ کے سب سے چھوٹے مرید جو چھوٹا ہونے کی وجہ سے خواجہ خورد کے نام سے مشہور تھے۔ ان کو حضرت مخدوم پاک کے حالات کا کیسے علم ہو سکتا تھا کہ حضرت سلطان المشائخ کے پچاس سال بعد لکھی جانے والی کتاب سیر الاولیاء میں اس کا

مفصل ذکر کرتے۔ البتہ حضرت مخدوم صابرؒ کا ذکر سیر الاولیاء میں مختصر طریق پر ضرور آیا ہے۔ اور اسی طرح دیگر تذکروں میں بھی مختصر ذکر ہے۔

دوسری وجہ: مختصر ذکر کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت مخدوم پاک پراجودھن میں قیام کے دوران استغراق کا غلبہ تھا۔ اس لیے آپ حضرت گنجشکرؒ کی مجالس میں کم شریک ہوتے تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا یہ غلبۂ استغراق عارضی تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حضرتِ اقدس کا فارسی کلام اس نوعیت کا ہے کہ اس میں مغلوب الحال بزرگوں کی طرح صرف فنائیت ہی نہیں پائی جاتی بلکہ بقا باللہ اور عبدیت بھی پائی جاتی ہے جو منتہیوں اور اہلِ صحو کا مقام ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل غزل میں زبردست شانِ بقا باللہ نزول اور عبدیت جلوہ گر ہے ؎

امروز شاہِ شاہاں مہمان شدہ ست مارا　　جبریل با ملائک دربان شدہ ست مارا

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت مخدوم پاک کے سلسلہ میں جتنے بزرگ ہو گزرے ہیں سب کے سب منتہی تھے اور بقا باللہ اور عبدیت کے بلند ترین مقام پر فائز تھے اور استغراق کے غلبہ سے بالکل آزاد اور صاحبِ تمکین اور ابو الحال اور غالب الحال تھے نہ کہ ابن الحال اور مغلوب الحال۔ اگر حضرت مخدوم پاک کا استغراق دائمی ہوتا تو آپ کے سلسلہ کا ایک بزرگ بھی مغلوبیت و استغراق سے نہ بچ سکتا تھا لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

تیسرا باب

باطنی کمالات اور شانِ ولایت

اب ہم اس کتاب کے سب سے مشکل مضمون کی طرف آتے ہیں یعنی آپ کے باطنی کمالات اور آپ کے بلند مقامات و منازل جن کی وجہ سے آپ اولیاء کرام کے زمرہ میں اس قدر ممتاز ہیں یہ امر مسلم ہے کہ آنحضرت اقدس کا مقام اس قدر بلند و ارفع و اعلیٰ ہے کہ ہم جیسے ہیچ مقدار اور ہیچمدان کے لیے اس کی نشان دہی ناممکن اور محال ہے لیکن عارف رومی نے فرمایا ہے ؎

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب   گر دلیلت بایداز وے رومتاب

(یعنی اگر آفتاب کا ثبوت چاہتے ہو تو آفتاب کی طرف دیکھو اور اس سے منہ مت موڑو)

ہم بھی حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کے بلند مقامات کی نشان دہی آپ کے آفتاب ولایت سے کر رہے ہیں نہ کہ اپنی عقلِ نارسا سے۔

اولیاء کرام کے مقامات کو سمجھنے کے لیے سلوک الی اللہ کو سمجھنا ضروری ہے جس میں حق تعالےٰ تک رسائی یعنی پورے عروجی سفر کے منازل و مقامات کی نشان دہی مشائخ عظام نے کر دی ہے۔

سلوک الی اللہ: آج کل علم و ہنر کا دور ہے اور اکثر مشکل مسائل نقشہ بنا کر آسانی سے سمجھائے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ سلوک الی اللہ کو جو حق تعالےٰ تک پہنچنے کے لیے ایک باقاعدہ کورس ہے۔ ایک دائرہ کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے جو مندرجہ ذیل ہے:
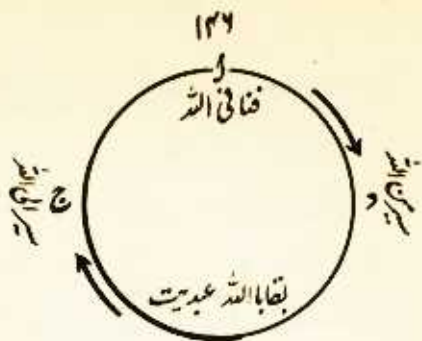
سالک کے سفر کا آغاز نقطۂ ب سے ہوتا ہے اور صوم وصلوٰۃ، عبادت وریاضت، ذکرو اذکار، مشاغل ومراقبات اور دیگر نیک اعمال کی وجہ سے جب سالک کا تزکیۂ نفس ہو جاتا ہے تو اس کی روحانی قوت میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کو طاقتِ پرواز حاصل ہو جاتی ہے جس سے وہ ذاتِ حق کی طرف پرواز کرنے لگتا ہے۔ یہ پرواز جسمانی نہیں روحانی ہوتی ہے۔ غرضیکہ نقطہ ب سے پرواز کر کے جب سالک مقام الف کی طرف جاتا ہے تو اس سفر کو سیر الی اللہ یا عروجی سفر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جب مقام الف پر جاتا ہے تو اسے فنا فی اللہ حاصل ہونا شروع ہوتی ہے اور ذاتِ باری کے اندر پرواز کرتا جاتا ہے۔ اب چونکہ ذاتِ باری تعالیٰ کی کوئی انتہا نہیں اس لیے سالک کے پرواز کی بھی کوئی انتہا نہیں اگر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پرواز جاری رکھے تب بھی سفر ختم نہیں ہوتا کیونکہ اس سفر کی کوئی انتہا نہیں لیکن چونکہ مقام فنا میں محض استغراق، محویت اور مستی کے سوا کچھ نہیں اس لیے اسلام میں ہمیشہ کے لیے اس مقام پر مقیم ہو جانا مطلوب نہیں بلکہ "تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ" (اللہ تعالیٰ صفات سے متصف ہو جاؤ) اور حدیثِ قدسی بی یسمع اور بی یبصر کے مطابق سالک جب حق تعالیٰ کی ذات وصفات میں فنائیت کے بعد صفاتِ باری تعالیٰ سے متصف ہوتا ہے اور اس حدیثِ قدسی کے مطابق حق تعالیٰ کی بصیرت سے دیکھتا ہے اور اسی کی سماعت سے سنتا ہے تو وہ خلافتِ الٰہیہ فی الارض کے قابل ہو جاتا ہے اور اسے مقامِ فنا سے لوٹ کر نقطۂ د کے ذریعے اپنے اصلی مقام یعنی مقام کثرت اور دوئی پر واپس آنا پڑتا ہے جہاں پہنچ کر خلافتِ الٰہیہ کا تاج اس کے سر پر رکھا جاتا ہے اور وہ حق تعالیٰ کے نائب کی حیثیت سے منصبِ خلافت کے فرائض انجام دیتا ہے

ہدایت خلق میں مصروف ہوتا ہے۔ نکاح کرتا ہے، بال بچوں کی تربیت کرتا ہے مریدین کی تربیت کرتا ہے، سیاست میں حصہ لیتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے جہاں دوسرے مذاہب میں فنافی اللہ میں ہمیشہ کے لیے مستغرق ہو کر جنگلوں اور غاروں میں رہ جانا مستحسن تھا۔ اسلام میں فنا کے استغراق و محویت سے نکل کر ہوشیاری اور مقامِ صحو میں آنا مقصود قرار دیا گیا ہے اور رہبانیت کو خلافِ اسلام قرار دے دیا گیا ہے۔

لیکن اس بات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فنافی اللہ کے مقام کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا جاتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اولیائے کرام کی حالت ہمیشہ عروج و نزول میں تبدیل ہوتی رہتی ہے وہ اکثر فنا کی مستیوں سے نکل کر مقام دوئی میں واپس آتے ہیں اور فرائضِ منصبی انجام دیتے ہیں۔ اب جن حضرات میں استعداد زیادہ ہوتی ہے۔ ان کا عروج بھی زیادہ ہوتا ہے اور جن کا عروج زیادہ بلند ہوتا ہے ان کا نزول بھی زیادہ قوی ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اپنی کتاب شمائم امدادیہ میں فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کا نزول شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کے نزول سے زیادہ قوی ہے۔ نزول جس قدر زیادہ قوی ہوتا ہے عبدیت اور شانِ بقائیت زیادہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام خاص عبدیت ہے اور ساری زندگی میں صرف دو یا تین مثالیں استغراق فی الذات کی ملتی ہیں ورنہ آپ پر ہمیشہ عبدیت اور بقائیت کا غلبہ رہتا تھا اس لیے آپ پر ہر وقت عشقِ الٰہی اور ذوق و شوق اور سوز و گداز میں رہتے تھے۔ عجز و انکسار آپ کا شیوہ تھا اور انا الحق یا سبحانی ما اعظم شانی جیسی شطحیات سے آپ کوسوں دُور تھے۔ کیونکہ مغلوب الحال آدمی اس وقت ہوتا ہے جب شرابِ محبت اور وصل کے چند پیالے پی کر مست ہو جاتا ہے لیکن جو لوگ صاحبِ تمکین ہیں اور ہمت بلند اور عالی ظرف کے مالک ہوتے ہیں وہ چند پیالے تو بجائے خود دریا نوش کر جاتے ہیں لیکن بدمست نہیں ہوتے اور یہی مقام امتِ محمدیہ کا ہے۔ امت میں ایسے حضرات بہت کم ملتے ہیں جو مغلوب الحال ہو کر انا الحق کے نعرے لگاتے تھے۔ چنانچہ شیخ الاسلام گنج شکرؒ کا شما

بھی ان حضرات میں ہوتا ہے جو باقی باللہ اور غالب الحال تھے۔ آپ کا ظرف اس قدر عالی تھا کہ کبھی مغلوب الحال نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ ہر وقت "ھل من مزید" کے نعرے لگاتے تھے۔ شان بقا باللہ اور عبدیت کا یہ عالم تھا کہ آپ تلوین سے کوسوں دور تھے۔ اور ہمیشہ مقام تمکین میں رہ کر شدید ریاضت و مجاہدہ میں مشغول رہتے تھے اور تسلیم و رضا اور عجز و انکسار کے جذبہ میں آکر اس رباعی کا ورد رکھتے تھے ؎

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم — خاکے شوم و زیر پائے تو زیم
مقصودِ من بندہ ز کونین توئی — بہر تو میرم و زبرائے تو زیم

(میری یہ تمنا ہے کہ اے دوست تیرے قدموں میں رہوں، سراپا مٹی بن جاؤں اور تیرے قدموں کے نیچے رہوں، میرا مطلوب دو جہانوں میں تیرے سوا کچھ نہیں ہے نہ جنت نہ حور و قصور۔ میں تو تیرے لیے ہی مرتا ہوں اور تیرے لیے زندہ ہوں۔) کس قدر عبدیت خاکساری، عجز و انکساری کا مقام ہے کہ باوجودیکہ آپ ہر وقت بحرِ فنا میں غواصی کرتے ہیں لیکن شانِ بقائیت کا یہ عالم ہے کہ مٹی بن کر دوست کے قدموں میں رہنا پسند کرتے ہیں۔

ساری عمر عشق بازی نہیں ہو سکتی: اکابر اولیاء کا قول ہے کہ ساری عمر عشق میں نہیں رہا جا سکتا بلکہ اکثر اوقات ہجر و فراق کو ترک وصل اور فنا کے مزے اڑانے پڑتے ہیں ورنہ ہمیشہ عشق میں رہے تو آدمی جل کر خاک ہو جاتا ہے۔ لیکن جن خوش بخت اور بلند ہمت حضرات کو عشق میں سے زیادہ حصہ ملا ہے وہ وصل اور قرب میں بھی اپنے آپ کو مہجور سمجھتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اپنے شیخ حضرت خواجہ باقی باللہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ حضور اب میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ میرے لیے قرب بھی بُعد بن گیا ہے۔

قرب کا بُعد بن جانا کیا معنی رکھتا ہے: اب دیکھنا یہ ہے کہ قرب کیسے بُعد بن سکتا ہے۔ حضرت خواجہ گنجشکرؒ کے دنیٰ خادم حضرت خواجہ غلام فرید اپنی ایک کافی میں فرماتے ہیں ؎

جتھاں خود قرب ہے دوری   اُتھاں کیا وصل و ہجوری

انائیت عشق پوری   ہے انسانوں تے رحمانوں

(جہاں خود قرب بھی دُوری بن گیا ہو وہاں وصل وفراق بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں کیونکہ اس مقام پر انائیت بخلاف فنائیت کا دور دورہ ہوتا ہے اور عشق کا غلبہ اس قدر تیز ہوتا ہے کہ عین وصل میں سالک ہل من مزید کے نعرے لگاتا ہے اور بلند سے بلند تر اور بلند تر سے بلند ترین منازل کی طرف پرواز کرتا رہتا ہے جب قرب کی ایک منزل پر پہنچ جاتا ہے تو چونکہ ذات کی کوئی انتہا نہیں اوپر اور منزل نظر آتی ہے جب وہاں پہنچ جاتا ہے تو اوپر اور منزل نظر آتی ہے جب وہاں پہنچتا ہے تو اوپر اور منزل نظر آتی ہے غرضیکہ ساری عمر پرواز میں گزرتی ہے اور بقول سعدی انتہا تک رسائی نہیں ہوتی کیونکہ یہاں کوئی انتہا ہی نہیں ہے۔ سعدی فرماتے ہیں ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایان

بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

حضرت مولانا روم فرماتے ہیں ؎

دل آرام در بر دل آرام جوے

لب از تشنگی خشک بر طرف جوے

(محبوب بغل میں ہے اور محبوب کی تلاش ہے۔ عاشق کی حالت اس پیاسے کی سی ہے جو دریا کے پر بیٹھا پانی پانی پکار رہا ہے)

ایک اور صاحب فرماتے ہیں ؎

ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نرفت رنج خمارِ ما

چہ قیامتے کہ نمے رسی زکنار ما بکنارِ ما

(ہم نے ساری عمر اے دوست تیرے قرب وصل کے پیالے نوش کیے ہیں لیکن پھر بھی ہماری پیاس نہیں بجھی کیا قیامت اور غضب ہے کہ تو ہماری بغل سے ہماری بغل میں نہیں آتا۔

یہی حال گنجشکرؒ کا ہے: حضرت خواجہ گنجشکرؒ کا یہی حال اور یہی مقام ہے آپ ہر وقت قرب و وصال کی نئی سے نئی منازل طے کر رہے ہیں اور پھر بھی سیر نہیں ہوتے اور غلبۂ عشق میں آکر ہر وقت یہی پکارتے رہتے ہیں ؎

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم   خاکے شوم و زیر پائے تو زیم
مقصود من بندہ ز کونین توئی   بہر تو میرم و زبرائے تو زیم

کیا ہی بلند ہمت ہے اور کیا ہی اعلیٰ ظرف ہے کہ محبوب حقیقی کے قرب و وصال کے پیالے نہیں، صراحی نہیں، خم نہیں، ندی نہیں، نالے نہیں بلکہ دریا اور سمندر نوش فرما رہے ہیں لیکن پیاس ہے کہ بجھنے میں نہیں آتی، کسی نے خوب کہا ہے ؎

قلندر آنکہ فوق الوصل جوید

(قلندر وہ ہے جو وصل سے بھی اوپر کا مقام طلب کرتا ہے)

مولانا روم فرماتے ہیں ؎

نگویم کہ بر آب قادر نیند   کہ بر ساحل نیل مستسقی اند

(یعنی پانی پر قادر ہیں پی رہے ہیں دریا کے کنارے بیٹھے ہیں پھر بھی پیاس نہیں بجھتی) اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ دوست کے حسن و جمال کی کوئی انتہا ہے نہ عاشق صادق کی طلب کی کوئی حد ہے۔ حضرت خواجہ غلام فرید ایک کافی میں فرماتے ہیں ؎

توڑیں جو دریا نوش ہن   پر جوش تھی خاموش ہن
اسرار دے سر پوش ہن   صامت رہن مارن نہ بک

(اگرچہ عشاق قرب و وصال اور حسن و جمال کے دریا پر دریا نوش کر رہے ہیں اور جوش و خروش کی حالت میں ہیں لیکن خاموش ہیں۔ بھید ظاہر نہیں کرتے نہ انا الحق کے دعوے کرتے ہیں)

ساری عمر عشق کمانا بے حد دشوار ہے: اگرچہ ساری عمر عشق کمانا بے حد دشوار ہے اور ہڈیوں کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے

لیکن شیخ الاسلام گنجشکرؒ نے ساری عمر عشق کمایا، تن من جل کر راکھ ہو گیا۔ ہڈیاں جل گئیں۔ لیکن ہل من مزید کے نعرے بند نہ ہوئے اور آخری دم تک سجدہ وسجود جاری رہا کس قدر بلند ہمت اور وسیع ظرف ہے۔ سُبحان اللہ۔

یہ حضرتِ اقدس کا سوز و گداز ہے کہ جب کوئی شخص سماع کے جواز کے متعلق سوال کرتا ہے تو آپ جواب دیتے ہیں ؎

سُبحان اللہ! یکے بسوخت و خاکستر شد

دیگرے ہنوز در بحث است

(یعنی ہم تو عشق میں جل کر خاکستر ہو گئے ہیں اور لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ جائز ہے)

یہ تو مرید کی حالت ہے، اور پیر کی حالت کیا تھی، آپ نے تو کمال ہی کر دیا۔ محبوبِ حقیقی کے عشق میں تڑپ تڑپ کر اسی ایک شعر پر جان دے دی ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را　　ہر زماں از غیب جانے دیگر است

چار دن اور چار راتوں کا رقص، الامان! کوئی بشر ہے جو برداشت کر سکتا ہے، آخر کیا ہوا۔ تن من، گوشت و پوست کو عشقِ الٰہی میں جلا کر خاک کر دیا ہے اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ اس واقعہ کو احقر راقم الحروف نے یوں منظوم کیا ہے ؎

ز تیغ لا فنا فی اللہ ز الا اللہ بقا باللہ

چہ خوش خوش جاں بہ جاں پرور سپرد آں مردِ رحمانے

(یعنی پہلے مصرع پر تیغ لا سے جان نکل جاتی تھی اور دوسرے مصرع میں شربت الا اللہ سے جان میں جان آجاتی تھی۔ اس رقص و مستی میں آکر عاشقِ صادق نے کس طرح خوش ہو کر جان جانِ پرور کے سپرد کر دی)، نوٹ: بقیہ غزل کتاب ہذا کے شروع میں ملاحظہ ہو۔

اولیائے امت میں گنجشکرؒ کا خصوصی امتیاز

اولیاء امت محمدیہ میں جو مقام حضرت شیخ الاسلام

اولیائے امت کو بلند ترین مقامات پر پہنچانا گنجشکرؒ کا منصب ہے:

گنجشکرؒ کو حاصل ہے اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ہو سکتا ہے جو صاحب اقتباس الانوار نے مراۃ الاسرار سے نقل کیا ہے۔ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری قدس سرہٗ نے اوراد غوثی میں اپنے چند مکاشفات بیان فرمائے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں ایک رات میں مشغول بیٹھا تھا کہ یکایک آواز آئی کہ وقت حضوری اور معموری ہے آجاؤ۔ جب میں نے سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سامنے ایک عظیم الشان دریا ہے اور ساری خلق خدا اس دریا پر آئی ہوئی ہے۔ دریا کے وسط میں ایک مرصع و مکلل تخت نہایت بلندی پر نصب کیا گیا ہے۔ اس تخت کے سامنے ایک صورت جمال اور دوسری صورت جلال ہے اور تخت کے اوپر ایک باوقار بزرگ بیٹھے اس مقام کی حفاظت کر رہے ہیں ساری خلقت دریا کے اندر داخل ہو چکی ہے لیکن اس مقام تک کسی کی رسائی نہیں ہو رہی البتہ چند عزیز جن کو میں جانتا ہوں نصف راستہ طے کر چکے ہیں۔ میں اُن پر سبقت کر کے اس تخت تک پہنچ گیا۔ جو بزرگ اس تخت کے محافظ تھے۔ انہوں نے مجھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ مجھے اپنا پیراہن عطا فرمایا اور فیض جلال سے بھرے ہوئے دو طبق انوار کے میرے سر پر ڈالے۔ جب میں نے زیادہ طلب کیا تو فرمایا کہ تیرے نصیب میں یہی کچھ

تھا۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضور کا اسم گرامی کیا ہے، فرمایا مجھے فریدالدین گنجشکرؒ کہتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے اپنا سر ان کے قدموں میں رکھ دیا اور دریافت کیا کہ یہ کیا ملک ہے۔ فرمایا یہ دریائے ہستی ہے اور یہ تخت حضرت رب العلمین کا ہے۔ اور یہ صورتیں صفتِ جمال وجلال کی ہیں۔ ہر نبی اور ولی جو اس مقام پر پہنچتا ہے۔ اس نعمت کے فیض سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ اس کے بعد بندہ نے عرض کیا کہ حضور اس مقام کے اکیلے محافظ ہیں۔ فرمایا کہ ہم چار آدمی ہیں۔ ایک خواجہ بایزید بسطامیؒ، دوسرے خواجہ جنید بغدادیؒ تیسرے خواجہ ذوالنون مصریؒ اور چوتھا یہ درویش یعنی فریدالدین گنجشکرؒ۔ ہم چاروں آدمی باری باری اس مقام کی محافظت پر مامور ہیں۔ ہم میں سے جس کسی کی باری میں کوئی سالک یہاں پہنچتا ہے تو ہم اُسے اپنا پیراہن عطا کرتے ہیں اور اس کی استعداد کے مطابق حق تعالےٰ کے حکم سے اس کو حصّہ دیتے ہیں اور روزِ قیامت تک یہی ہوتا رہے گا۔ یہ سُن کر میں حیرت زدہ ہوا اور مزید سوال کیا کہ آپ چاروں کی پیدائش تو اُمتِ محمدیہ میں ہوئی ہے قدیم ایام سے اس مقام کی محافظت آپ کس طرح کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہماری حقیقت اس مرتبہ سے تعلق رکھتی۔ اس تنِ عنصری (ظاہری جسم) کا اس سے کوئی تعلق نہیں کہ کب پیدا ہوا اور کب ختم ہوا۔ حضرت خواجہ گنجشکرؒ کے کمالات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ کا کیا مقام ہے۔ فہم من فہم۔ اس کے بعد اقتباس الانوار کے مصنف حضرت شیخ محمد اکرمؒ لکھتے ہیں کہ میرے ساتھ بھی ایک واقعہ پیش آیا جو مندرجہ بالا واقعہ سے پوری طرح مناسبت رکھتا ہے۔

اقتباس الانوار کے مصنف کا مشاہدہ:

وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ یہ فقیر ستائیس ماہ رمضان کی شب میں نمازِ عشاء کے بعد شغل کیمیائے معرفت میں مشغول تھا۔ جب ایک پہر رات باقی تھی تو ایک نہایت ہی حسین وجمیل نوجوان امرد (بے ریش جوان) کی صورت میں میرے سامنے ظاہر ہوا۔ اس کی آنکھیں شمع کی طرح روشن تھیں۔ اس فقیر نے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں۔ فرمایا میں بابِ اسرار کا امین ہوں اور یہاں اس لیے آیا ہوں کہ تجھے عالمِ اسرار

میں لے جاؤں۔ یہ کہہ کر اس نے اس فقیر کا ہاتھ پکڑا اور ہوا میں پرواز شروع ہو گیا چنانچہ ہم دونوں پرندوں کی طرح اوپر کی جانب پرواز کرتے جا رہے تھے حتیٰ کہ ہم عرش سے اوپر بحر اسرار تک پہنچ گئے۔ اس مقام پر دو نوری طاؤس (مور) ظاہر ہوئے جو اس فقیر کو باری باری اپنی پشت پر سوار کر کے اوپر لے گئے اور وہ باب اسرار کا امین اسی جگہ رہ گیا۔ جب ہم بحر اسرار کے وسط میں پہنچے تو وہاں ایک ایسا مقام پیش آیا کہ جس کا عبور کرنا ہر شخص کے بس میں نہ تھا اور بہت سے سالکین وہاں تک پہنچ کر رک گئے تھے۔ اس مقام کا نام محک العشاق ہے۔ اس مقام پر ایک سیمرغ نمودار ہوا جو نصف نوری اور نصف ناری تھا۔ اور اس فقیر کو اپنے اوپر سوار کر کے فضائے ہویت کے کنارے تک لے گیا۔ وہاں تین سمندر پیش آئے وہاں پر بھی چند سالکین جن میں سے بعض کو یہ فقیر جانتا تھا اور بعض کو نہیں جانتا تھا رکے ہوئے تھے۔ پہلے سمندر کے کنارے نور سرخ سے بنے ہوئے تھے۔ اس سمندر میں سے ایک مچھلی نکلی جو نور سرخ سے بنی ہوئی تھی۔ وہ مچھلی اس فقیر کو اپنے اوپر سوار کر کے دوسرے سمندر کے کنارے تک لے گئی جس کے کنارے نور سیاہ کے تھے اور بے حد تاباں اور درخشاں تھے۔ اس سمندر کے وسط میں سے ایک آدمی ظاہر ہوا جس کے سات چہرے تھے اور اس کا سارا وجود اسی نور سے تھا۔ وہ اس فقیر کو اپنے اوپر سوار کر کے تیسرے سمندر کے کنارے تک لے گیا۔ اور وہ سمندر کنارے، رنگ اور زمین سے منزہ و پاک تھا۔ نہ اس کا کوئی اول تھا نہ آخر، اور نہ اس کے طول یا عمق کی کوئی انتہا تھی۔ حالانکہ تمام اشکال والوان (رنگ) بلکہ تمام جہان اس کے اندر موجود تھے۔ جب یہ فقیر اس کے کنارہ پر پہنچا تو خوف کے مارے ایسی ہیبت طاری ہوئی جو بیان سے باہر ہے۔ اس سمندر کے اندر سے آواز آئی کہ میرا نام پکارتے ہوئے آؤ اور مت ڈرو۔ اس فقیر نے عرض کیا کہ حضور کا اسم گرامی کیا ہے تو جواب ملا کہ میرا نام فریدالدین ہے۔ چنانچہ یہ فقیر فرید فرید کہتے ہوئے سمندر کے اندر داخل ہوا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ ایک اتنا بڑا جہاز کھڑا ہے کہ جس کے سامنے عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک کا علاقہ ایک رائی کے دانے کے برابر تھا اور اس جہاز پر

ایک نور کا بہت بڑا تخت پڑا تھا جو آفتاب کی طرح روشن تھا۔ اس تخت پر ایک نورانی شکل کا آدمی نورانی لباس زیب تن کیے بیٹھا ہے اور اس کی چاروں طرف چار صورتیں کھڑی ہیں۔ جب یہ فقیر اس تخت کے نزدیک پہنچا تو وہ شخص بے حد مہربانی سے پیش آیا۔ اور مجھے قریب بلا کر فرمایا کہ میری دائیں جانب والی صورت اولیاء اللہ کی ولایت عروجی کی شکل ہے اور بائیں والی صورت ولایتِ نزولی کی شکل ہے۔ پیچھے والی صورت انبیاءؑ کی صورت ہے اور آگے والی صورت کمالاتِ نبوت کی صورت ہے۔ ہم جس شخص کو قطب مدار کا منصب عطا کرتے ہیں اس کو اپنی دائیں طرف والی صورت کے فیض سے بہرہ مند کرتے ہیں اور جس کو مرتبہ فردیت عطا کرتے ہیں اس کو بائیں صورت کے فیض سے بہرہ مند کرتے ہیں اور جس کو مرتبۂ قطب حقیقت و محبوبیت عطا کرتے ہیں اس کو پیچھے والی صورت کا فیض دیتے ہیں اور جس کو تمام کمالات محبوبیت، فردیت اور قطبیت کبریٰ و غوثیت و قطب مداریت وغیرہ کے مراتب عطا کرنا چاہتے ہیں تو اپنی سامنے والی صورت سے مستفیض کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے نورِ ذاتی کی دو چادریں مجھے پہنائیں جن سے ایک پر پورے قرآن مجید کی کشیدہ کاری تھی اور دوسری پر تورات، زبور اور انجیل کی کشیدہ کاری تھی اور فرمایا کہ یہ دونوں چادریں کبریائے ذاتی کی چادریں ہیں۔ ان میں سے وہ چادر جس پر قرآن لکھا ہوا ہے منشائے ولایتِ محمدیہ ہے اور دوسری چادر منشائے ولایت دیگر انبیاء ہے اور میں نے یہ دونوں چادریں تجھے بخشی ہیں اور ان چار صورتوں میں سے آگے والی صورت کے فیض سے بھی تجھے مشرف کیا ہے۔ اس کے بعد اس فقیر نے عرض کیا کہ حضور کا اسم گرامی کیا ہے فرمایا میرا نام فریدالدین گنجشکرؒ ہے اور یہ سمندر بحرِ لاتعین ہے۔ جس شخص پر یہ مقام لاتعین مشہود ہوتا ہے۔ میرا تعین اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا تعین باری باری اس کو نظر آتا ہے۔ جس طرح کہ تم دیکھ رہے ہو اور اس مقام کا فیض عطا کرتا ہے۔ چونکہ اس مقام کا فیض تجھے میرے ہاتھوں سے ملنا تھا تجھے میری باری میں یہاں لایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرتِ اقدس نے مجھے تین اشغال تلقین فرمائے جن میں سے ایک کا نام

نقطۂ محبت ہے دوسرے کا نام نقطۂ معرفت اور تیسرے کا نام نقطۂ ذات ہے۔ اس کے بعد فقیر نے عرض کیا حضور کی پیدائش تو آخری زمانہ میں ہوئی ہے اور اس مقام کا فیض آپ سے کافی مدت پہلے لوگوں کو مل رہا ہے یہ کس طرح ہے فرمایا کہ ہم دونوں کی حقیقت ابتداء سے نور محمدی میں مندرج ہو چکی تھی اور اسی وجہ سے ہماری حقیقت اس مقام کی محافظ چلی آ رہی ہے۔ اور تمام متقدمین اور متاخرین کو فیض رسانی کر رہی ہے اس معاملہ میں ہمارے وجود عنصری کو کوئی دخل نہیں ہے۔ جب اس فقیر کو افاقہ ہوا تو دو رکعت نماز پڑھ کر ان دونوں بزرگوں کی ارواح کو ایصال ثواب کیا۔

بلند مقام اور بلند کلام : اقوالِ زرّیں : سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ نے حضرت شیخ الشیوخ العالم گنجشکر کے چند کلمات اپنی قلم سے لکھ لیے تھے جو یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

سات سو مشائخ عظام سے چار سوال کیے گئے۔

سب نے ایک ہی جواب دیا :

پہلا سوال : سب سے زیادہ دانا کون ہے۔ جواب : تارک الدنیا۔

دوسرا سوال : سب سے زیادہ بزرگ کون ہے۔ جواب : جو کسی چیز سے متغیر نہ ہو۔

تیسرا سوال : سب سے زیادہ غنی کون ہے۔ جواب : جو قناعت کرتا ہے۔

چوتھا سوال : سب سے زیادہ محتاج کون ہے۔ جواب : جو قناعت ترک کرتا ہے۔

دعا ضرور قبول ہوتی ہے : نیز حضرت شیخ الاسلام گنجشکر قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے بندہ سے حیا کرتا ہے اس بارے میں کہ بندہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور اللہ تعالےٰ اس کی دعا قبول نہ کرے نیز فرمایا کہ کوئی چیز فقیر کے پاس ہے تو بھی غم نہیں ہے اور نہیں ہے تو بھی غم نہیں ہے۔ نیز فرمایا کہ نامرادی کا دن معراج کی رات ہے[1]۔ نیز فرمایا کہ امام شافعی نے کہا ہے

---

[1] کسی نے خوب کہا ہے سہ ہے ص ۱۵۷

کہ میں نے دس سال صوفیوں کی شاگردی کی تب جا کر معلوم ہوا کہ وقت کیا ہوتا ہے۔ نیز فرمایا کہ کام کرو اور بے درد لوگوں کی باتوں کی پرواہ نہ کرو۔ نیز فرمایا ؎

بقدر رنج یابی سروری را   بشب بیدار بودن مہتری را

(تکلیف و محنت کے مطابق سرداری ملتی ہے اور شب بیداری سے بزرگی حاصل ہوتی ہے)

نیز فرمایا: الصوفی یصفوا بہٖ کُلُّ شیئٍ ولا یکدرہٗ شیٌٔ

(صوفی وہ ہے کہ جس کی برکت سے ہر چیز متبرک ہوتی ہے لیکن کوئی چیز اس کو مکدر نہیں کر سکتی) نیز فرمایا: شیخ الاسلام جلال الدین نور اللہ مرقدہ نے فرمایا: الکلام مُسکِرُ القلوب ان اول الکلام و آخرہٖ اِن کَانَ لِلّٰہِ فتکلّمَ والّا فَاسکُتْ (بہت باتیں کرنا دل کو غافل کرتا ہے۔ اوّل کلام اور آخر کلام اگر اللہ کے لیے ہے تو بات کرو ورنہ خاموش رہ) نیز فرمایا جب فقیر نیا کپڑا پہنے تو یہ خیال کرے کہ کفن پہن رہا ہے۔ نیز فرمایا کہ: الانبیاءُ احیاءٌ فی القبور (انبیاء علیہم السلام قبروں میں زندہ ہیں) نیز فرمایا ؎ لَوْ کَانَ ھٰذا العِلْمُ یُدرَکُ بالمنیٰ۔ مَا کَانَ یَبْقٰی فی البریّۃِ جاھلُ (اگر علم خواہش سے حاصل کیا جا سکتا تو دنیا میں کوئی جاہل نہ رہ جاتا) فاجْھَدُوْ لا تکسل و لا تکُ غافلاً۔ فندامۃ العقبٰی لمن یتکاسل (پس جدوجہد کرو اور کاہل مت بنو اور غافل مت ہو جاؤ۔ جو شخص حق کی تلاش کی کاہلی اختیار کرے گا، آخرت میں اُسے ندامت حاصل ہوگی) نیز فرمایا کہ جو کچھ تو ہے وہی ظاہر کر ورنہ تجھے ظاہر کر دیا جائے گا جیسا کہ تو ہے۔ نیز فرمایا کہ جذبۃٌ من جذبات الحق خیرٌ من عبادۃ الثقلین

گر مرادِ خویش خواہی نامرادی پیشہ گیر   نامرادِ خویش در نامرادی یافتیم

سرمدؒ فرماتے ہیں ؎: سرمد غم عشق را بہ شادی نہ دہی   دردے اگرت دہد منادی نہ دہی

صد بار اگر شود مرادت حاصل   زنہار زدست نامرادی نہ دہی

جامیؒ فرماتے ہیں ؎: ہوائے نیکواں عیش است و شادی   مرادِ عشق باراں نامرادی

(اللہ تعالیٰ کے لیے جذبات میں سے ایک جذبہ بہتر ہے تمام مخلوقات کی عبادت سے)
نیز فرمایا قال علیہ السلام طوبیٰ لمن شغلہ عیبہ عن عیوب الناس
(پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جس کو اپنی عیب جوئی
نے لوگوں کی عیب جوئی سے باز رکھا یعنی لوگوں کے عیب دیکھنے کی بجائے اپنے
عیب دیکھتا ہے) نیز فرمایا سہ رَضِینا قِسمۃَ الجبّارِ فینا ۔ لنا العلم وللجُہّال
مالٌ ۔ (ہم حق تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہیں جس نے ہمیں علم عطا فرمایا اور جاہلوں کو مال۔
نیز فرمایا؛ لو اَرَدتم بُلوغ درجۃ الکبار فعلیکمُ بعدمِ الالتفات الی ابناءِ
الملوک[ؕ] (اگر تمہیں اکابرین کے درجات حاصل کرنے کی خواہش ہے تو تجھے لازم ہے
کہ بادشاہوں کے شہزادوں کی طرف توجہ نہ کرے) رباعی سہ

دوشینہ شبنم دل حزینم بگرفت	واندیشۂ یار نازنینم بگرفت
گفتم بہ سر دیدہ روم بر درِ تو	اشکم بدوید و آستینم بگرفت

(گذشتہ رات میرا دل یادِ دوست میں بے قرار تھا اور اس نازنین محبوب کا خیال
دل کو ستا رہا تھا میں نے کہا کہ دوست کے دروازہ پر آنکھوں کے بل چل کر جاؤں گا
اس خیال سے آنسوؤں کا طوفان اُمڈ آیا اور دامن تر ہو گیا) نیز فرمایا المباحثۃُ بین
الاثنین خیرٌ مِن تکرارِ السنتین (دو آدمیوں کا آپس میں بحث کرنا بہتر
ہے دو سالوں کے تکرار سے) بیت سہ

اے مدعی بدعوی چندین مکن دلیری	یک حرف راز معنی سہ صد جواب باشد

(اے علم و ہنر کے دعویدار اتنی دلیری نہ کر کیونکہ یہاں ایک ایک حرف کے تین تین سو مطالب
ہیں) نیز فرمایا: الآفۃُ فی التدبیر والسلامُ فی التسلیم

لہ اس قسم کا عربی مقولہ ہے مَن کان ہمتہ ٗ ما دخل قیمتہ ٗ ما خرج (یعنی جو شخص
ساری ہمت اس بات پر صرف کرے کہ پیٹ کے اندر کیا داخل ہوتا ہے۔ اس کی قیمت وہی
کچھ ہے جو اس کے پیٹ سے نکلتا ہے)

(تدبیر میں آفت ہے اور تسلیم یعنی معاملہ خدا کے سپرد کرنے میں عافیت ہے) نیز فرمایا العلماء اشرف الناس۔ والفقراء اشرف الاشراف (علماء بہترین خلائق اور فقراء بہترین شرفاء ہیں) نیز فرمایا: الفقراء بین العلماء کالبدر بین کواکب السماء (فقراء علماء کے درمیان اس طرح ہیں جس طرح ستاروں کے درمیان چودھویں کا چاند) نیز فرمایا: ارذل الناس من اشتغل بالاکل واللباس (بدترین شخص وہ ہے جو کھانے اور پہننے میں مشغول ہو یعنی اس کا مشغلہ فقط یہی ہو)

شیخ الاسلام گنجشکرؒ کے پانچ سو کلمات میں سے چند کلمات:

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ نے حضرت شیخ الشیوخ العالم گنجشکرؒ کے ملفوظات میں سے پانچ سو کلمات جمع کیے ہیں جن میں سے چند کلمات یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

تعلق باللہ: فرمایا باخدائے تعالیٰ باید ساخت کہ ہر بستانند۔ او بدہد چوں او ندہد کس نستاند (خدا تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرو۔ کیونکہ خلقت لینے والی ہے اور وہ دینے والا ہے اور جب وہ نہیں دیتا تو کسی کو کچھ نہیں مل سکتا۔

خود فروشی اور بے نفسی: فرمایا گریختن از خود رسیدن بحق شمر (اپنے آپ سے بھاگ جانا اور اپنی مرادیں ترک کرنا حق تعالیٰ سے جا ملنا ہے)

نامرادی: فرمایا کہ تن کو مراد مت دے کیونکہ وہ بہت چاہتا ہے۔

نادان سے پرہیز: فرمایا کہ نادان کو زندہ مت سمجھ اور نادانِ دانا نما سے پرہیز کر۔

راستیٔ دروغ نما سے پرہیز: فرمایا وہ سچائی جو جھوٹ نظر آئے اس سے پرہیز کر۔ نیز فرمایا کہ وہ چیز مت بیچ جسے کوئی نہ خریدے۔

جاہ ومال : فرمایا جاہ ومال کی خاطر جھگڑا نہ کر۔

سخاوت : فرمایا ہر شخص کا کھانا مت کھا بلکہ ہر شخص کو کھانا دے۔

موت کی یاد : فرمایا موت کو کسی جگہ نہ بھول اور قیاس سے بات نہ کر یقینی بات کر۔

بلا سے نجات : فرمایا بلا ہوا کا نتیجہ ہے یعنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے آدمی بلا میں مبتلا ہوتا ہے۔

گناہ پر فخر : فرمایا گناہ پر فخر مت کر۔

شیطان سے پرہیز : فرمایا دل کو شیطان کا کھلونا نہ بنا۔

ظاہر اور باطن : فرمایا اپنے باطن کو ظاہر سے بہتر بنا اور آرائش کی کوشش نہ کر۔

طلب جاہ : فرمایا اپنے آپ کو طلب جاہ کے لیے بے قدر مت کر۔

غریب سے قرض : فرمایا عاجز اور غریب سے قرض مت مانگ اور اپنے خاندان کی حرمت کو قائم رکھ۔

طلب صادق : فرمایا ہر روز نئی دولت (باطنی نعمت) کا طلبگار بن۔

دشنام سے پرہیز : فرمایا جس قدر ہو سکے عورتوں کو گالی گلوچ سے باز رکھ۔

احسان جتانا: فرمایا ہر شخص کا احسان مان اور کسی کو احسان نہ جتا۔

نیکی کرنا: فرمایا جو شخص تیرے ساتھ نیکی کرے اس کو اپنے خویش و اقارب میں شمار کر۔

ترک بدی: فرمایا جس چیز کے بُرا ہونے کی دل گواہی دے اس کو ترک کر دے۔

بندگی: فرمایا وہ غلام جو بکنا چاہے اسے مت خرید۔

نیکی کے لیے بہانہ جوئی: فرمایا نیکی کے لیے ہمیشہ بہانہ تلاش کرتا رہ۔

نفس کے ساتھ جنگ: فرمایا نفس کے ساتھ جنگ کو ختم نہ کر اور اس کے ساتھ صلح کرنا چھوڑ دے۔

کامرانی ناکامی ہے: فرمایا سبکساری و درستی کو ضعیفی سمجھ یعنی کامرانی کو کمزوری جان۔

دشمن سے ڈر: فرمایا کسی دشمن سے بے خطر نہ رہ خواہ وہ تجھ سے کتنا خوش ہو۔ اور جو شخص تجھ سے ڈرتا ہے اس سے ڈر۔

طاقت پر تکیہ: فرمایا اپنی توانائی پر تکیہ نہ کر۔

شہوت سے احتیاط: فرمایا شہوت کے وقت دوسرے وقتوں سے اپنی حفاظت زیادہ کر۔

دین کی حفاظت: فرمایا جب اہل دولت کے پاس بیٹھے تو دین کو مت بھول۔

عدل و انصاف: فرمایا عزت و حشمت عدل و انصاف میں سمجھو۔

وقتِ دولت: فرمایا دولت کے وقت ہمت کو بلند رکھ اور دین کو کسی قیمت پر بیچ اور وقت کا بھی کوئی بدل قبول نہ کر یعنی وقت کو صحیح کاموں میں خرچ کرے۔

تکلف سے پرہیز: فرمایا مہمانوں کے ساتھ تکلف روا مت رکھ۔

توشۂ دانش: فرمایا توشہ از دانش و تجرید ساز یعنی دانش اور دنیا سے قطعِ تعلق کو اپنا توشہ یا زادِ راہ بنا۔

صبر: فرمایا جب حق تعالےٰ کی طرف سے زحمت پہنچے تو اس سے گریز مت کر یعنی صبر سے قبول کر۔

درویش اور تونگری: فرمایا جو درویش تونگری کی امید میں ہو اُسے حریص سمجھ۔

حفاظتِ ملک: فرمایا ملک کو خدا ترس وزیر کی حفاظت میں دو۔

دشمن سے برتاؤ: فرمایا دشمن کو نیک مشورہ دے کر رام کرو۔

دوست سے برتاؤ: فرمایا دوست کو تواضع سے بندہ بناؤ۔

بلائے ناگہاں: فرمایا جہاں پرستی بلائے ناگہاں ہے۔

اپنی عیب جوئی: فرمایا اپنے عیب کی تلاش میں رہ۔

تونگری: فرمایا تونگری کو خورسندی کے جال میں پھنسا تاکہ قائم رہے۔

ضبط: فرمایا دشمن کی تلخ بات سے جوش میں نہ آ۔ بلکہ ضبط سے کام لے۔

لجاجت: فرمایا اگر تو چاہتا ہے کہ رسوا نہ ہو تو لجاجت سے پرہیز کر۔

تکبّر: فرمایا اگر تو چاہتا ہے کہ ساری دنیا تیرے خلاف ہو جائے تو تکبر کر۔

اخفا: فرمایا اپنے نیک و بد کو صیغہ راز میں رکھو۔

دین: فرمایا دین کی علم سے نگہداشت کر۔

بلندی: فرمایا اگر تو بلندی کا طالب ہے تو شکستگان کے پاس بیٹھ۔

حسد: فرمایا آسودگی چاہتے ہو تو حسد سے پرہیز کرو۔

آزار کا بدلہ: فرمایا آزار کا بدلہ ہدیہ میں دے یعنی کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کو ہدیہ دے۔

بعد مرگ زندہ ہونا: فرمایا وہ کام کر جس سے مرنے کے بعد تو زندہ ہو جائے۔

سخاوت: سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص نے حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے چند دانے چڑیوں کے آگے پھینکے، دوسرے دن کسی نے مجھے ایک من گندم اور ایک روپیہ اگر دیا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا ؎

خورش دہ بہ گنجشک و کبک و ہمام　　　کہ ناگہ ہمائے در افتد بہ دام

(چڑیوں اور کبک وغیرہ کو دانے دیا کرو کہ ایک دن ہما تمہارے جال میں آجائے گا)

تبحر علمی:

حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کے تبحر علمی کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ مولانا بدرالدین اسحاق جو دہلی کے بہت بڑے عالم و فاضل تھے اور معقول و منقول پر عبور تھا کے دل میں ایک اشکال پیدا ہوا لیکن اس کا حل دہلی جیسے قبۃ الاسلام میں کوئی نہ بتا سکا۔ آخر اس مسئلہ کو حل کرانے کی خاطر انہوں نے بخارا جانے کا قصد کیا اور اپنے چند ہمراہیوں سمیت سفر پر روانہ ہو گئے۔ جب راستے میں اجودھن کے مقام پر رات کو قیام کیا تو ان کے دوست حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کی زیارت کی خاطر جانے لگے اور مولانا بدرالدین اسحاق سے بھی کہا آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم لوگ جا سکتے ہو میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے ایسے لوگ بہت دیکھے ہیں لیکن جب دوستوں نے بہت مجبور کیا تو وہ ان کے ساتھ چلے گئے۔ جب حضرت شیخ کی خدمت میں جا کر بیٹھے تو آپ نے مولانا بدرالدین اسحاق کی طرف متوجہ ہو کر باتیں شروع کیں اور باتوں باتوں میں ان تمام مسائل کے حل بتا دیئے جن کے لیے وہ بخارا جا رہے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ سخت حیران ہوتے اور سفر ترک کر کے آپ سے بیعت ہو گئے اور تکمیل و ارشاد کے مرتبہ پر پہنچ کر حضرت اقدس سے خلافت پائی اور داماد ہونے کا شرف بھی حاصل کیا۔

سلاطین جہاں سے استغنا:

ایک دفعہ سلطان ناصرالدین اپنے وزیر الغ خان جو بعد میں سلطان غیاث الدین بلبن کے نام سے مشہور ہوا کے ساتھ لاؤ لشکر سمیت اوچ اور ملتان کی طرف جا رہا تھا۔ جب اجودھن کے قریب پہنچے تو بادشاہ نے اپنے وزیر الغ کو نقدی اور چار مواضعات کا پٹہ دے کر حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کی خدمت میں روانہ کیا۔ جب حضرت اقدس کی خدمت میں پہنچا تو دونوں چیزیں سامنے رکھ دیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے۔ وزیر نے جواب دیا کہ یہ نقدی ہے اور یہ چار دیہات کا پٹہ ہے۔ حضرت اقدس نے تبسم کر کے فرمایا کہ نقد مجھے دے دو میں درویشوں میں تقسیم کر دوں گا اور زمین کا پٹہ لے جاؤ کیونکہ اس کے طالب بہت ہیں۔ اس کے بعد آپ نے نقدی درویشوں میں تقسیم کر دی اور خود کچھ نہ لیا اگرچہ گھر میں فاقہ تھا اور پیلوں اور ڈیلے جیسے ادنیٰ جنگلی پھلوں پر گزارہ کر رہے تھے۔

حضرت محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ جس روز ڈیلوں کے ساتھ نمک بھی میسر آجاتا تھا تو ہماری عید ہوتی تھی۔

الغ خان کا بخت بیدار ہوا: جب وزیر الغ خان حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کے دل میں یہ تمنا بھی تھی کہ بادشاہی مل جائے۔ حضرت اقدس نے روشن ضمیری سے اس کے دل کی بات معلوم کر لی اور فرمایا ؎

فریدون فرخ فرشتہ نبود ۔۔۔ زعود وز عنبر سرشتہ بنود

زداد و دہش یافت آں نیکوئی ۔۔۔ توں داد دہش کن فریدون توئی

(شہنشاہ فریدوں فرخ نہ کوئی فرشتہ تھا اور نہ عود اور عنبر میں گوندھا ہوا تھا اس نے عدل وانصاف کی وجہ سے سلطنت حاصل کی تو بھی عدل وانصاف کر یادشاہ تو ہے)

جونہی الغ خان نے یہ خوشخبری سنی قدموں پہ گر گیا اور خوش وخرم ہو کر چلا گیا۔

سیر الاولیاء میں اس واقعہ کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ جب بادشاہ کا لشکر اجودھن پہنچا اور حضرت شیخ کی زیارت کا قصد کیا تو چونکہ لاکھوں کا مجمع تھا آپ نے اپنا پیراہن دے کر فرمایا کہ اس کو سڑک پہ لٹکا دو لشکری اس کو ہاتھ لگا کر چلے جائیں نیز آپ نے اپنے مریدین سے فرمایا کہ میرے گرد حلقہ ڈال کر بیٹھ جاؤ اور لوگوں سے کہو کہ دور سے دیکھتے ہوئے گزر جائیں۔ چنانچہ لشکریوں نے جب تبرکاً آپ کے پیراہن کو چھونا شروع کیا تو آخر پیراہن پارہ پارہ ہو گیا۔ سب سے لوگ دُور سے گزر رہے تھے اور زیارت کرتے ہوئے جا رہے تھے لیکن ایک بوڑھا آدمی حلقے کے اندر گھس آیا اور حضرت اقدس کے پاؤں پر گر گیا۔ اور پاؤں مبارک پر بوسہ دے کر کہنے لگا کہ شیخ فرید آپ بہت تنگ ہو رہے ہیں بلکہ آپ کو حق تعالیٰ کی نعمت کا شکریہ ادا کرنا چاہیے آپ نے جب یہ بات سنی تو نعرہ مارا اور آدمی سے محبت سے پیش آئے اور معذرت چاہی۔

عصا پر تکیہ کرنا بھی ناگوار گزرا: حضرت سلطان المشائخ سیر الاولیاء میں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شیخ کی طبیعت علیل تھی

کمزوری کی وجہ سے آپ نے عصا ہاتھ میں لیا اور کہیں جانے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے عصا پھینک دیا اور پریشانی کے آثار چہرہ مبارک پر ظاہر ہوئے۔ جب آپ سے وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ حق تعالےٰ کی طرف سے مجھ پر عتاب ہوا ہے کہ میرے غیر پر تکیہ کرتے ہو۔

الصلوٰۃ معراج المومنین:

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ حضرت اقدس کا ایک مرید تھا جس کا نام محمدؐ تھا۔ وہ مرید حضرت شیخ الاسلام کے بعض اسرار ورموز سے آگاہ تھا۔ ایک دن جمعہ کی نماز میں وہ حضرت شیخ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ بعد میں حضرت اقدس نے اس سے دریافت کیا کہ بے ہوشی کی کیا وجہ تھی۔ وہ تو کچھ نہ بتا سکا لیکن حضرت گنجشکرؒ نے خود فرمایا کہ اس وقت مجھے نماز میں معراج حاصل تھا اور اس نعمت سے تجھے بھی حصّہ مل گیا۔[1]

لوح محفوظ پر نظر:

سیر الاولیاء کے مؤلف کہتے ہیں کہ میں نے اپنے چچا سید حسینؒ سے سنا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ حضرت بہاؤالدین زکریا قدس سرہٗ کو خط لکھنا چاہتے تھے۔ آپ نے کاغذ اور قلم ہاتھ میں لیا اور سوچنے لگے کہ نام کے ساتھ القاب کیا لکھوں۔ دل میں خیال آیا کہ جو القاب لوح محفوظ پر لکھے ہیں وہی لکھوں پس آپ نے سر اٹھا کر دیکھا تو لوح محفوظ پر یہ الفاظ لکھے تھے "شیخ الاسلام بہاؤالدین زکریا" اس کے بعد آپ نے خط میں وہی الفاظ لکھے۔

حضرت شیخ بدرالدین غزنویؒ کو خواجہ گنجشکرؒ کی نصیحت:

ایک دفعہ حضرت شیخ بدرالدین غزنویؒ جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے کے لیے ایک سرکاری افسر

---

[1] اس سے ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھنا باعث برکت ہے کیونکہ جب ان پر انوار نازل ہوتے ہیں تو پاس بیٹھنے والوں پر بھی چھینٹے پڑتے ہیں۔ اسی طرح اولیاء اللہ کی مزارات پر بھی رات دن رحمتِ حق برستی ہے اور مزارات پر جانے والے اور پاس بیٹھنے والے ان انوار وبرکات سے متمتع ہوتے ہیں۔

نے ایک خانقاہ تیار کرائی جہاں درویشوں کے لیے ہر قسم کا سامان و آرام مہیا تھا لیکن بعد میں حکومت نے اس افسر سے حساب طلب کیا تو اس کو پریشانی لاحق ہوئی جس سے حضرت شیخ بدرالدینؒ بھی پریشان ہوئے اور حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ قدس سرہٗ کی خدمت میں خط لکھا کہ یہ ہے اب دعا کیجیے مشکل آسان ہو جائے۔

حضرت خواجہ گنجشکرؒ نے جواب میں لکھا کہ آپ کا خط ملا حالات معلوم ہوئے۔ جو شخص اپنے مشائخ کی روش پر نہیں چلتا اُسے ضرور پریشانی ہوتی ہے۔ ہمارے مشائخ عظام میں سے کون ایسا بزرگ تھا جس نے خانقاہ تیار کرائی ہو اور اس میں سے جلوس فرمایا ہو۔۔۔ ہمارے مشائخ کی تو یہ عادت تھی کہ جس جگہ جاتے تھے گمنامی اور بے نشانی اور نیستی میں زندگی بسر کرتے تھے جو شخص مشائخ کی سنت پر نہیں چلتا اس کا حال یہی ہوتا ہے۔

درویشوں کی خدمت:

ایک دن ایک کامل بزرگ حضرت خواجہ گنجشکرؒ قدس سرہٗ کے ہاں مہمان ہوئے۔ حضرت اقدس فوراً گھر تشریف لے گئے۔ لیکن گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ تھی سوائے تھوڑے سے جوار کے دانوں کے۔ آپ نے ان دانوں کو چکی میں ڈال کر اپنے ہاتھ سے آٹا بنایا اور پھر اپنے ہاتھ سے روٹی پکا کر درویش کی خدمت میں پیش کی۔ درویش نے مسکرا کر کہا کہ بابا فرید آپ کے گھر میں کچھ نہیں تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ آپ نے خود آٹا بنایا اور روٹی پکائی۔ اب آپ کیا طلب کرتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ میں درویشوں کا خادم ہوں اور میری آرزو وہی ہے جو درویشوں کی ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس درویش نے آپ کے لیے دعا کی جس سے آپ کو مزید نعمت ملی۔

آداب مریدی:

فوائد الفوائد میں لکھا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت شیخ شیوخ العالم گنجشکرؒ نے فرمایا کہ میں نے ساری عمر میں ایک مرتبہ اپنے شیخ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہٗ کی خدمت میں جرأت کی۔ وہ یہ تھی کہ میں نے حضرت اقدس سے چلہ کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا کہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے شہرت ہوتی ہے اور ہمارے بزرگوں کا

یہ طریقہ نہیں ہے۔ میں نے جواب دیا کہ میری نیت شہرت کی بالکل نہیں ہے۔ میں شہرت کے لیے چلہ نہیں کرتا۔ یہ سن کر حضرت قطب العالم خاموش ہو گئے اس کے بعد مجھے ندامت ہوئی کہ یہ جواب کیوں دیا اور میں ساری عمر پچھتاتا رہا اور بہت استغفار پڑھا۔

حضرت سلطان المشائخ کی لغزش:

اس کے بعد حضرت سلطان المشائخ نے اپنی ایک لغزش کا ذکر فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے حضرت کے پاس ایک عوارف المعارف کا نسخہ تھا۔ جس سے آپ ترانہ فوائد بیان فرماتے تھے وہ نسخہ اس قدر کہنہ ہو گیا تھا کہ آپ کو پڑھتے وقت تکلیف ہوتی تھی۔ میں نے آپ کی تکلیف دیکھ کر عرض کیا کہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس ایک نسخہ ہے جو بہت صحیح ہے۔ لیکن حضرت اقدس کو میری یہ بات ناگوار گزری۔ اور فرمایا کہ درویش کو اتنی قوت بھی نہیں کہ بوسیدہ نسخہ کی صحت کر سکے۔ یہ کلمات آپ نے تین بار دہرائے لیکن مجھے یہ خیال نہ آیا کہ ناراضگی سے فرما رہے ہیں۔ آخر مولانا بدر الدین اسحاق نے کہا کہ حضرت شیخ تمہیں کہہ رہے ہیں۔ میں فوراً اٹھا اور سر ننگا کر کے آپ کے قدموں میں جا پڑا۔ اور عرض کی کہ نعوذ باللہ میرا مقصود یہ نہ تھا۔ میں نے ایک نسخہ دیکھا تھا فقط اس کا ذکر مقصود تھا اور میرے دل میں کسی قسم کی کوئی بات نہ تھی لیکن حضرت شیخ کی ناراضگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ جب میں وہاں سے اٹھا تو مجھ پر ایسا غم طاری تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ حیران تھا کہ کیا کروں۔ باہر آیا اور ایک کنوئیں پر پہنچا کہ اس میں کود کر ڈوب مروں۔ لیکن پھر سوچا کہ بدنامی ہو گی۔ غرضیکہ حیرت اور پشیمانی میں پھرتا رہا۔ آخر حضرت اقدس کے فرزند شیخ شہاب الدین جو میرے دوست تھے، کو اس بات کا علم ہوا انہوں نے جا کر حضرت اقدس کے سامنے میرا حال بیان کیا۔ حضرت شیخ نے کمال مہربانی سے مجھے اپنے پاس بلایا اور شفقت فرمائی اور فرمایا کہ میں نے تیرے تکمیل حال کے لیے یہ امر کیا تھا کیونکہ پیر مرید کا مشاطہ (سنوارنے والا) ہوتا ہے پھر آپ نے مجھے خلعت عنایت فرمائی اور لباس خاص سے مجھے مشرف فرمایا:

الحمد للہ رب العلمین

ایک مُرید یوسف کی شکایت :

حضرت سلطان المشائخ نے فوائد الفواد میں فرمایا ہے کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ گنجشکرؒ کے

ایک مرید یوسف نامی نے حضرتِ اقدس کی خدمت میں شکایت کی کہ مجھے آپ کی خدمت میں اتنے برس گزر گئے ہیں۔ ہر ایک شخص آیا بخشش پائی اور چلا گیا۔ سب سے پہلے میں مستحق تھا کہ بخشش پاتا۔ اسی طرح باتیں کرتا رہا۔ شیخ الاسلام نے فرمایا کہ میری طرف سے تو کوئی تقصیر ہے نہیں۔ تیری طرف سے استعداد اور قابلیت ہونی چاہیے۔ میں تو اپنی طرف سے بہتیرا چاہتا ہوں اگر خدا تعالےٰ نہ دے تو کیا کیا جائے۔ حضرت شیخ یہ بات کہہ رہے تھے کہ ایک چھوٹا بچہ سامنے آیا۔ وہاں ایک اینٹوں کا چکر پڑا تھا۔ حضرتِ اقدس نے بچے سے کہا کہ ایک اینٹ لا۔ وہ لڑکا گیا اور ایک سالم اینٹ لاکر آپ کے سامنے رکھ دی پھر فرمایا کہ فلاں کے لیے ایک اینٹ لا۔ وہ ایک اینٹ لے آیا۔ حضرتِ اقدس نے جس کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے اُسے دے دی۔ پھر فرمایا کہ میرے یوسف کے لیے ایک اینٹ لا۔ وہ لڑکا گیا اور ایک ٹوٹی ہوئی اینٹ لے آیا اور یوسف کے آگے رکھ دی۔ حضرتِ اقدس نے فرمایا اب دیکھو میں نے تو اسے نہیں کہا تھا کہ ٹوٹی ہوئی اینٹ لا۔ اب میں کیا کروں۔ جو تمہاری قسمت میں ہے۔ اتنا ہی ہوگا۔

حضرت گنجشکرؒ کے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کی ظرافت :

حضرت سلطان المشائخ فوائد الفواد میں فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ گنجشکرؒ کے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل تحصیل علم کے لیے مدرسہ میں گئے تو استاد نے پوچھا کہ کیا آپ نجیب الدین متوکل ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ متوکل تو نہیں بلکہ متاکل یعنی کھانے والا ہوں۔ پھر استاد نے پوچھا کہ کیا آپ شیخ فرید الدین گنجشکرؒ کے بھائی ہیں۔ فرمایا: بظاہر تو بھائی ہوں۔ باطنی طور پر مجھے معلوم نہیں (یعنی مراتب کا مجھے علم نہیں)

حضرتِ اقدس کا حوصلہ اور انکسار :

حضرت سلطان المشائخ نے فوائد الفواد میں فرمایا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الشیوخ العالم

گنجشکر قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک بے باک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ آپ نے اپنے آپ کو بُت بنا رکھا ہے۔ شیخ نے فرمایا میں نے نہیں بنایا خدا نے بنا رکھا ہے۔ پھر اس نے کہا تو نے خود بنایا ہے۔ شیخ نے فرمایا نہیں جو کچھ بنایا ہے خدا نے ہی بنایا ہے۔ اس نے جب یہ بات سنی تو شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

حضرت سلطان المشائخ پر نظرِ عنایت:

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت شیخؒ نے فرمایا کہ میں نے حق تعالےٰ سے یہ دعا کی ہے کہ جو تو خدا سے چاہے گا وہی پائے گا۔ پھر آپ نے اپنا عصا مجھے عطا فرمایا۔ کسی نے عرض کیا کہ کیا شیخ کے انتقال کے وقت آپ موجود تھے۔ یہ سُن کر آپ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا نہیں مجھے ماہ شوال میں دلی بھیج دیا تھا۔ ان کا انتقال شب پنجم محرم کو ہوا۔ رحلت کے وقت مجھے یاد فرمایا اور فرمایا کہ فلاں دہلی میں ہے اور یہ بھی فرمایا کہ میں بھی خواجہ قطب الدین قدس سرہٗ کی رحلت کے وقت موجود نہ تھا ہانسی میں تھا۔ حضرت خواجہؒ یہ حکایت فرماتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ چنانچہ سب حاضرین پر اس کا اثر ہوا۔

ماہِ رمضان میں خربوزہ کھلانے کی خواہش:

اس کے بعد حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ جب حضرت شیخ کی بیماری بڑھ گئی اور ماہ رمضان آیا تو آپ روزہ نہیں رکھتے تھے ایک دن خربوزہ لایا گیا اور تراشا گیا۔ میں شیخ کے سامنے رکھتا تھا اور آپ تناول فرماتے تھے۔ اس اثنا میں شیخ نے ایک پھانک مجھے عنایت فرمائی۔ میں نے جی میں کہا کہ اس روزہ کے کفارہ میں دو ماہ متصل روزے رکھ لوں گا اور یہ پھانک کھائے لیتا ہوں یہ دولت جو حضرت شیخ کے ہاتھ سے مجھے پہنچی ہے کہاں نصیب ہوگی۔ قریب تھا کہ میں اُسے کھاؤں کہ حضرت نے منع کر دیا اور فرمایا کہ مجھے تو بیماری کے سبب شریعت سے رخصت ہے تمہیں اجازت نہیں ہے۔ تم نہ کھاؤ۔ پھر لوگوں نے حضرت کی عمر پوچھی تو سلطان المشائخ نے فرمایا کہ ترانوے سال تھی۔ اس دن اس بیان سے ایسی کیفیت پیدا ہوئی کہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ جب رات ہوئی تو عشا

کی نماز کے بعد حضرت نے اپنا خاص مصلی بندہ کو عنایت فرمایا:

الحمد للہ رب العالمین

تنگیٔ معیشت کا وظیفہ: فوائد الفواد میں حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا ہے کہ تنگیٔ معیشت کے لیے ہر رات سورۃ جمعہ پڑھنا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہٗ ہر جمعہ کی رات کو پڑھنے کے لیے فرماتے تھے اور میں ہر رات پڑھنے کے لیے کہتا ہوں۔ مگر اپنے لیے کبھی نہیں پڑھتا۔ کیونکہ جس کی ضرورت ہوتی ہے، وہ موجود ہوتی ہے۔

حضرت شیخ کے بال کی برکت: حضرت سلطان المشائخ فوائد الفواد میں فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہٗ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک بال آپ کی ڈاڑھی مبارک سے گر کر گود میں آگیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضور اگر بخشش کریں تو میں اسے بجائے تعویز اپنے پاس رکھ لوں۔ آپ نے فرمایا اچھا۔ میں نے اسے باعزاز تمام لیا اور کپڑے میں لپیٹ کر اپنے ساتھ لے آیا۔ حضرت سلطان المشائخ یہ واقعہ بیان کر کے آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا کہ میں نے اس کے بڑے بڑے اثر دیکھے ہیں جو بیمار میرے پاس تعویز کے لیے آتا میں اس کو وہی دیتا جب وہ اچھا ہوجاتا تو مجھے واپس کر دیتا۔

سیم وزر کی طلب اور پھر ترک: حضرت سلطان المشائخ نے فوائد الفواد میں فرمایا ہے کہ سیم وزر کے جمع کرنے سے مقصد یہ ہے کہ اس سے اوروں کو نفع پہنچے۔ میرا دل اول ہی سے کسی چیز کے جمع کرنے پر نہ تھا اور نہ کبھی دنیا کی طلب میں رہا لیکن جب میں شیخ الاسلام سے جا ملا تو ایسے سے پیوند ہوا کہ ان کی نظر میں دونوں جہاں بھی نظر نہیں آتے تھے یکبارگی سب کو ترک کیے ہوتے تھے۔

شیخ الاسلام کا توکل: شیخ المشائخ نے فوائد الفواد میں فرمایا ہے کہ شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہٗ کا کام ہی کچھ اور طرح کا تھا۔ انہوں نے ترکِ خلق کیا اور وحشت و بیابان اختیار کیا اور اجودھن میں نانِ درویشانہ پر

قناعت کی اور جو چیزیں جنگل کی پیداوار تھیں۔ مثلاً پیلو اور کریر کے ڈیلے ان پر قانع رہے خلائق کی آمد و رفت کی کوئی حد نہ تھی آدھی رات تک یا کچھ کم و بیش بیٹھتے اور دروازہ کھلا رکھتے۔ اور روپیہ پیسہ، کھانا، نعمتیں جو باری تعالےٰ کے کرم سے آتیں سب آنے جانے والوں کو دیتے۔ کوئی ایسا نہیں آیا کہ جسے کچھ نہ ملا ہو۔ عجب قوت اور عجب زندگانی تھی کہ کسی بنی آدم کو یہ بات میسّر نہیں۔ ایک نیا آنے والا ہو دوسرا برسوں کا۔ دونوں آپ کے نزدیک برابر تھے۔ مہربانی اور توجہ میں برابر ہوتے۔ میں نے مولانا بدرالدین اسحاق سے سنا وہ کہتے تھے کہ میں خادمِ محرمِ راز تھا۔ جو کچھ ہوتا آپ مجھ سے فرمادیتے اور جس کام کے لیے مجھ سے فرماتے وہ خلا ملا میں یکساں ہوتا۔ کوئی بات تنہائی میں ایسی نہیں کہی کہ جو برملا بعینہٖ آپ نے نہ فرمائی ہو یعنی ظاہر اور باطن آپ کا ایک روش پر تھا اور یہی بات عجائبِ روزگار ہے۔

درسِ عوارف المعارف: پھر شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتاب عوارف کا ذکر ہونے لگا۔ حضرت سلطان المشائخ نے فرمایا کہ میں نے اس کتاب کے پانچ باب شیخ کبیر فریدالدین گنجشکرؒ سے پڑھے ہیں۔ آپ کا بیان کیا تھا۔ وہ بیان پھر کسی سے نہیں سنا گیا۔ بارہا لوگوں کو ایسا ذوق پیدا ہوا ہے کہ ہم لوگ اس وقت مرجائیں تو اچھا ہو۔ پھر آپ نے فرمایا جب یہ کتاب شیخ کی خدمت میں لائی گئی تو آپ کے گھر لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام آپ نے شہاب الدین رکھا۔ (مصنف کتاب کے نام پر)

قبر سے بیعت: سلطان المشائخ نے فرمایا ہے کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الاسلام فریدالدینؒ کے صاحبزادے نے شیخ الاسلام قطب الدین کے مزار پر سر منڈایا (یعنی بیعت کی نیت سے) لیکن شیخ الاسلام گنجشکرؒ نے فرمایا کہ حضرت قطب الاقطاب ہمارے خواجہ اور مخدوم ہیں مگر یہ بیعت درست نہیں ہے بیعت وہی ہے کہ شیخ کا ہاتھ پکڑیں۔

خواب میں وظیفہ تلقین فرمایا: حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ خواب میں شیخ الاسلام گنجشکرؒ نے مجھے ایک سو

بار ہر روز یہ دعا پڑھنے کا حکم فرمایا۔ لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیئٍ قدیر۔ جب میں بیدار ہوا تو اس دعا کی ملازمت کی دل میں خیال آیا کہ اس کا ضرور کوئی مقصد ہو گا۔ بعد میں کتاب میں پڑھا کہ جو کوئی یہ دعا ایک سو بار روزانہ پڑھے گا تو وہ بے اسباب خوش رہے گا۔ اور خوش جئے گا۔ اس دُعا کی ایک فضیلت یہ ہے کہ جو شخص روزانہ دس بار پڑھے اسے ایک ہزار غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ اس کے بعد حضرت شیخ نے مجھے خواب میں سورۃ نبا پڑھنے کا حکم دیا۔ جب بیدار ہوا تو حکم کی تعمیل کی۔ میں نے خیال کیا کہ اس کی کوئی بشارت ہو گی۔ چنانچہ تفسیر میں دیکھا کہ جو شخص عصر کے بعد پانچ دفعہ سورۃ نبا پڑھے گا تو وہ اسیرِ حق ہو گا اور اس کا نام اسیر اللہ رکھا جائے گا۔ یعنی جو کوئی کسی کی محبت میں گرفتار ہوتا ہے تو اُسے کہا کرتے ہیں کہ فلاں کا اسیر ہے پھر آپ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم لوگ ہمیشہ اسی پر رہو۔

مسجد میں سماع اور رقص:

سلطان المشائخ فوائد الفواد میں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اجودھن کا قاضی جو شیخ الاسلام گنجشکرؒ سے خصومت رکھتا تھا ملتان گیا اور وہاں کے ائمہ اور صدور سے کہا کہ بھلا یہ کب جائز ہے کہ ایک شخص مسجد میں بیٹھے اور وہاں سماع ہو اور کبھی کبھی رقص بھی ہو۔ انہوں نے کہا کون ہے کہا شیخ فریدالدینؒ انہوں نے کہا ہم تو ان کی بابت کچھ نہیں کر سکتے۔ سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ میں نے جب سے سماع سُنا ہے اور اب تک بحق خرقۂ شیخ سب کو شیخ کے اوصاف اور اخلاق پر عمل کرتا ہوں چنانچہ ایک دفعہ شیخ کی حیات کے دوران ایک شخص شیخ کی جماعت میں یہ شعر کہہ رہا تھا ؎

مخرام بدین صفت مبادا کز چشم بدت رسد گزندے

مجھے شیخ کے اخلاق پسندیدہ اور اوصاف حمیدہ اور ان کی کمال فضل و بزرگی یاد آئی اور ایسی رقت طاری ہوئی کہ جس کی کوئی حد نہیں قوال نے چاہا کہ اور شعر پڑھے میں نے یہی بیت کہلوایا۔ یہ کہہ کر حضرت سلطان المشائخ رونے لگے۔

زکوٰۃ شریعت، طریقت و حقیقت:

حضرت سلطان المشائخ نے فوائد الفواد میں فرمایا ہے کہ شیخ الاسلام فریدالدین گنجشکرؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ تین طرح پر ہے زکوٰۃ شریعت، زکوٰۃ طریقت، زکوٰۃ حقیقت زکوٰۃ شریعت یہ ہے کہ دو سو روپے میں سے پانچ روپے دے۔ زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ دو سو روپے میں سے پانچ روپے رکھے باقی دیدے۔ زکوٰۃ حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ دے ڈالے

حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کا ایک اور مرتبہ سماع سننا:

سلطان المشائخ رحمۃ اللہ فوائد الفواد میں فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ نے فرمایا کہ میں بارہ سال کا تھا اور ایک نعت کی کتاب پڑھتا تھا۔ ان دنوں میں ایک شخص ابوبکر قوال نامی ایک شخص میرے استاد کی خدمت میں آیا اور وہ غالباً ملتان کی طرف آیا تھا اس نے اپنے سفر کی حکایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے شیخ بہاؤالدین زکریا کی خدمت میں سماع کیا ہے اور میں یہ قول ان کے سامنے کہتا تھا۔

کل صبح و کلما اشراقی	بجبک عینی یدمع مشتاق
قدلسعت حیۃ الھوی کبدی	فلا طبیب لہا ولا راق
الا الحبیب الذی قد شغفت	فعندہ رقیتی وتریاق
از مار غمش گزندہ دارم جگرے	کو رانکند ہیچ فسوں گر اثرے
خبر دوست کہ من شیفتۂ غم ویم	افسون علاج من چہ داند گرے

(دوست کے غم کے سانپ نے میرے جگر کو کاٹ لیا ہے جس کو کوئی منتر نہیں چلتا جس دوست پر میں شیفتہ ہوں اس کے سوا میرا علاج کون جانتا ہے)

ذوق سماع:

سلطان المشائخ فرماتے ہیں۔ شیخ الاسلام فریدالدین قدس سرہٗ کو بڑا ذوق سماع تھا۔ ایک دن انہیں سماع کا شوق ہوا۔ قوال کوئی موجود نہ تھا۔ آپ نے مولانا بدرالدین اسحاقؒ سے فرمایا کہ وہ جو قاضی حمیدالدین محمد عطا ناگوری نے خط لکھا ہے وہی لے آؤ۔ وہ خطوط انہوں نے ایک تھیلے میں ڈال رکھے

تھے۔ جب تھیلے میں ہاتھ ڈالا تو وہی خط ہاتھ میں آیا۔ وہ پھر شیخ کے سامنے لائے۔ آپ نے فرمایا کھڑے ہو جاؤ اور پڑھو۔ انہوں نے ارشاد کے مطابق پڑھنا شروع کیا۔ اس میں لکھا تھا کہ فقیر حقیر ضعیف نحیف محمد عطا کہ بندۂ درویشاں است واز سر و دیدہ، خاکِ قدم ایشاں۔ شیخ نے فقط اتنا ہی سنا تھا کہ آپ پر حال طاری ہو گیا اس کے بعد یہ رباعی اس خط سے پڑھی گئی ؂

آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد — واں روح کجا کہ در جلال تو رسد
گیرم کہ تو راہ بر گرفتی زجمال — آں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد

کمالِ عبدیت:

حضرت سلطان المشائخ فوائد الفواد میں فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ (شیخ الاسلام گنجشکرؒ) حجرہ میں تھے۔ اور دروازہ بند کر رکھا تھا۔ میں نے جو کواڑ کے درزوں میں سے دیکھا تو آپ ہر بار کھڑے ہوتے تھے اور پھر سجدہ میں گر جاتے تھے اور یہ مصرع پڑھتے تھے ؂

از بہرِ تو میرم وز برائے تو زیم

پھر ان کے وصال کی کیفیت بیان فرمائی کہ ۵ محرم کو آپ کو تکلیف زیادہ ہوئی۔ عشا کی نماز جماعت سے پڑھی پھر بے ہوش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش میں آئے تو پوچھا کہ میں نے عشار کی نماز پڑھ لی ہے۔ لوگوں نے کہا جی ہاں پڑھ لی ہے۔ فرمایا ایک دفعہ اور پڑھ لوں خدا جانے کیا ہو۔ جب دوسری دفعہ پڑھ چکے پھر بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو پھر پوچھا کہ عشار کی نماز پڑھ چکا لوگوں نے کہا جی ہاں آپ دو دفعہ پڑھ چکے ہیں۔ فرمایا: ایک بار اور پڑھ لوں خدا جانے کیا ہو۔ تیسری دفعہ آپ نے نماز پڑھی اور جاں بحق ہو گئے۔

پاؤں چومنے کی برکت:

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام گنجشکرؒ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ ابوسعید ابوالخیر گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے کہ اتنے میں ایک مرید آیا۔ اس نے آتے ہی شیخ کے زانو کو بوسہ دیا۔ شیخ نے فرمایا اور نیچے بوسہ دے۔ اس نے پاؤں کو بوسہ دیا۔ شیخ نے

فرمایا اور نیچے اس نے گھوڑے کے سُم کو بوسہ دیا۔ شیخ نے فرمایا اور نیچے۔ اس نے زمین کو چوما۔ پھر شیخ نے فرمایا کہ مَیں جو تجھے بوسہ دینے کو کہتا رہا میرا مقصود یہ نہ تھا بلکہ تیری بلندیٔ مراتب مقصود تھی۔ سو، تو جس قدر نیچے بوسے دیتا گیا۔ تیرا مرتبہ بڑھتا گیا۔

نماز کی حالت میں شیخ کو لبیک کہنا:

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شیخ الاسلامؒ نے مولانا بدرالدین اسحاق کو آواز دی۔ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے نماز ہی میں جواب دیا۔ لبیک۔ پھر آپ نے یہ حکایت فرمائی کہ ایک دفعہ رسول اکرمؐ کھانا کھا رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص کو آواز دی۔ اس نے آنے میں دیر کی۔ جب وہ آیا تو آپؐ نے دیر کا سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا مَیں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے قرآن کی آیت کا حوالہ دے کر) فرمایا کہ دیکھو جب رسولِ خدا تم کو بلائیں تو فوراً چلے آیا کرو۔ پھر خواجہ نے فرمایا کہ شیخ کا فرمان رسول کا فرمان ہے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

چوتھا باب

کرامات

یاد رہے کہ حضرت شیخ الاسلام گنجشکر قدس سرہٗ سے کرامات کا ظہور زیادہ نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کرامات کا ظہور نچلے درجے کی چیز ہے۔ یعنی عالم مثال عالم ملکوت اور عالم صفات کی۔ لیکن جو غواصانِ بحرِ حقیقت ان مقامات سے گزر کر بہت ہی اوپر مقام ذات اور لاتعین میں پہنچ جاتے ہیں تو وہ نیچے والے مقامات پر آکر تصرفات دکھانے سے پرہیز کرتے ہیں، نیز جب وہ ہدایت خلق کے لیے مقام دوئی اور کثرت میں آتے ہیں تو بھی عبدیت میں اس قدر ڈوبے ہوتے ہوتے ہیں کہ کشف و کرامات میں بہت کم مشغول ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ کی درگاہ میں محض عبد اور بندۂ ناچیز بن کر ہر چیز کے لیے حق تعالےٰ سے دعا کرتے ہیں۔ خدا تعالےٰ کی دی ہوئی طاقت اور اختیارات کو استعمال کرنے سے حتی الوسع اجتناب کرتے ہیں اور راضی بہ رضا رہنے کو زیادہ پسند کرتے ہیں نیز عجز و انکسار اور تسلیم و رضا خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے اور اس مقام کے حصول کے لیے اکابر اولیاً کرام ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔ وہ اپنی خواہش اور ارادے کو حق تعالےٰ کی خواہش اور ارادہ میں گم کر دیتے ہیں اور بندۂ عاجز اور ناچیز بننے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ سید الکونینؐ کا مقولہ کہ اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ کا مطلب اسی فقر و درویشی، نیستی و ناداری، عجز و انکسار کو باعثِ افتخار سمجھنا اور اس سے خوش ہوتا ہے اور انسان کی روحانی ترقی میں یہی مقام سب سے اونچا اور سب سے آخری مقام ہے۔ اسی مقام عبدیت میں رہ کر اکابرین ہجر و فراق کے مزے لیتے ہیں۔ اور سہ

من لذتِ دردِ تو بہ درماں نفروشم

کے مطابق لذتِ درد میں مست رہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کو وصال

پسند نہیں ہوتا۔ وصال میں بھی ان کو لطف آتا ہے اور ہجر و فراق میں بھی۔ اس طرح سے وہ صفات جمال و جلال دونوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور قرب و بعد کی گھڑیاں بدلتی رہتی ہیں۔ سعدی شیرازی فرماتے ہیں ؎

گہے بر طارم اعلےٰ نشینم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

نیز عارفین کا قول ہے کہ مُشَاهِدَةُ الْاَبْرَارِ بَیْنَ تَجَلِّیٍ وَالْاِسْتِتَارِ۔
خاصانِ خدا کے مشاہدات تجلی (ظہور) اور استتار (اخفا) کے مابین ہیں۔ یعنی کبھی ظہور ہوتا ہے کبھی اخفا۔

بلکہ ہوتا یہ ہے کہ ان عالی مقام عارفین و واصلین کا جذبۂ عشق و محبت اور سوز و گداز اس قدر تیز ہوتا ہے کہ قرب و وصال میں ہوتے ہوئے بھی وہ قرب و وصال کے بلند سے بلند تر اور بلند تر سے بلند ترین مراتب پر پہنچنے کی کوشش میں ہمہ تن مشغول رہتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے ایک خط میں شیخ علیہ رحمۃ سے کہا کہ اب میرا یہ حال ہے کہ قرب بھی بُعد بن گیا ہے۔ قرب اس وقت بُعد بنتا ہے۔ جب سالک عشق و محبت کے بے پناہ جذبات میں محبوبِ حقیقی سے قریب تر ہونے کی کوشش کرتا اور چونکہ بقول سعدیؒ

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں

نہ محبوب کے حسن و جمال کی کوئی حد ہے نہ سالک اور عاشق صادق کی طلب اور آتش عشق کی کوئی حد ہوتی ہے اس لیے چلا اٹھتا ہے کہ ؎

ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نہ رفت رنج خمار ما
چہ قیامتے کہ نمے رسی زکنار ما بکنار ما

اور اسی حالت کو عارفانِ بلند مقام پسند کرتے ہیں اور رات دن اسی آتشِ سوزاں میں تڑپتے رہتے ہیں۔ اسی مقام کا نام عبدیت، عبودیت، بعتا باللہ، جمع الجمع، فرق بعد الجمع ہے اور یہی غایت اسلام اور روح ایمان ہے۔

مقامِ عبودیّت کی خصوصیات :

اسی مقامِ عبدیت میں عشاق کا امتحان ہوتا ہے۔ ان کی عشق و مستی اور فدایت و جاں نثاری کو پرکھا جاتا ہے، اسی مقام پر کبھی ان پر وصل کی بجلیاں گرائی جاتی ہیں تو وہ کبھی ہجر و فراق کے تیروں سے ان کے دل و جگر پارہ پارہ کیا جاتا ہے اور اسی مقام پر محبوبِ حقیقی کے پروانوں کو آتشِ عشق میں جلایا جاتا ہے اور کبھی حسن و جمال کے کرشموں سے زندہ کیا جاتا ہے۔ اسی مقام پر عشاق پر کبھی نوازشات کی بارش ہوتی تو کبھی ناز و انداز کی بجلیاں گرائی جاتی ہیں۔ کبھی تیرِ مژگان اور تیغِ ابرو سے ان کی تواضع کی جاتی ہے، تو کبھی چشمِ نرگس، دہنِ شیریں اور لبِ شیریں کی حلاوت سے انہیں شاداب کیا جاتا ہے۔ کبھی جاہ و جلال کی بجلیاں گرائی جاتی ہیں تو کبھی شربتِ وصل سے سیراب کیا جاتا ہے۔ کبھی ہجر و فراق کی آگ میں جلایا جاتا ہے تو کبھی حسن و جمال کے کرشموں سے سیراب کیا جاتا ہے۔ کبھی زلفِ سیہ کے پھندوں میں گرفتار کیا جاتا ہے تو کبھی رُخِ انور کی ضیاباری سے منور کیا جاتا ہے۔ کبھی قرب سے نوازا جاتا ہے تو کبھی بُعد سے۔۔ کبھی قرب کی بے خودی، محویت اور استغراق میں مست و متوالا بنایا جاتا ہے تو کبھی دہشت، خوف اور رعب و جلال کی آگ میں جلا کر راکھ کیا جاتا ہے۔ کبھی بلبل کی طرح روئے گل پر نثار ہونے کی دعوت دی جاتی ہے تو کبھی شمعِ حسن پر پروانہ وار جلایا جاتا ہے۔ غرضیکہ محبوبِ حقیقی کے ناز و انداز، عشوے و غمزے، بدلتے رہتے ہیں، اور یہ کھیل جاری رہتا ہے اور عاشقِ صادق ہر حال میں خوش و خرم اور راضی بہ رضا رہتا ہے اور اس کے منہ سے ہمیشہ یہی نکلتا ہے ؎

زندہ کنی عطائے تو در بکشی فدائے تو

دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

ان کے سوز و گداز، ان کے درد و داغ، ان کے غم و اندوہ، نالہ و فریاد، ہجر و فراق، وصل و انبساط، ان کے ذوق و شوق، ان کے شعر و سخن، ان کے رقص و وجد، ان کے علم و دانش، ان کے فضل و کمال، ان کے ریاضیات، مجاہدات، ان کی کاوشوں، ان کی قربانیوں اور جان نثاریوں کا مرجع، ان کا ملجا، ان کا ماوا، ان کی جان، ان کی روح، ان کی شان،

ان کی آن، ان کی بان، ان کے دین، ان کے ایمان، ان کے دھرم، ان کے بھرم، ان کے زہد، ان کے تقوے، ان کے حج، ان کے صوم، ان کی صلوٰۃ اور زندگی اور موت کا مقصد و مدعا، غرض و غایت، رضائے جاناں کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور اس کی خاطر وہ ہر مصیبت اور ہر آفت برداشت کرنے کو تیار رہتے ہیں اور کوہِ غم کو دعوت دے کر پاس بلاتے ہیں اور کہتے ہیں ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

یہی وجہ ہے کہ ہمارے آقا، ہمارے مولا، ہمارے پیر، ہمارے مرشد، ہمارے دوست ہمارے دلبر، ہمارے محبوب حضرت بابا صاحبؒ ہر وقت سجدے کر کر کے اور کھڑے ہو کر اور دوزانو ہو کر یہی رباعی پڑھتے رہتے تھے ؎

خواہم کہ ہمیشہ در ہوائے تو زیم | خاکے شوم و زیرِ پائے تو زیم
مقصودِ من بندہ ز کونین توئی | بہرِ تو میرم و زبرائے تو زیم

تو ایسے حضرات کس طرح کشف و کرامات کو پسند کر سکتے ہیں۔ وہ تو محبوب کے مشاہدات اور تجلیات میں اس قدر غرق ہوتے ہیں کہ دوست و دشمن ان کے لیے برابر ہوتے ہیں سونا اور مٹی میں فرق نہیں کرتے۔ نعمت اور مصیبت میں ان کے ہاں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ وہ سب کچھ دوست سے سمجھتے ہیں اور ان کو یقین ہوتا ہے کہ ؎

ہر چہ از دوست نیکوست

بہر حال جس طرح سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے چند معجزات صادر ہوئے۔ ہمارے آقا و مولا بابا فریدؒ سے بھی بہت تھوڑی کرامات ظاہر ہوئیں۔ جن کا ذکر سطور ذیل میں کیا جاتا ہے۔

ایک ظالم حاکم کی اصلاح:

حضرت سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک منشی نے حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ فلاں علاقے کا گورنر بہت ظالم ہے۔ اور مجھے تنگ کرتا ہے، میری سفارش کی جائے۔ حضرتِ اقدس نے اپنے ایک خادم کو گورنر کے پاس بھیجا۔ لیکن اس نے کوئی

توجہ نہ دی۔ وہ منشی پھر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور اب پہلے سے زیادہ تنگ کرنے لگا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کے پاس آدمی بھیجا لیکن وہ نہیں مانتا۔ میرا خیال ہے تو نے بھی کسی کو تنگ کیا ہے۔ اس نے کہا حضور میں نے ایک ماتحت کو ضرور تنگ کیا تھا۔ اب توبہ کرتا ہوں۔ تھوڑے دنوں کے بعد اس گورنر نے ایک گھوڑا اور خلعت ارسال کی اور حضرتِ اقدس کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بداعمالیوں سے توبہ کی۔

ایک نوجوان کا تائب ہونا: حضرت محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ شہر دہلی کا ایک نوجوان اجودھن کی طرف روانہ ہوا تاکہ حضرت گنجشکرؒ کے ہاتھ پر توبہ کرے اور مرید ہو۔ راستے میں اسے ایک گانے والی خوبصورت عورت مل گئی اور اسی بیل گاڑی میں سوار ہو گئی جس میں نوجوان سفر کر رہا تھا۔ لیکن جوان نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ جب اس عورت نے مزید قریب ہونے کی کوشش کی تو جوان کے دل میں بھی کچھ خواہش پیدا ہوئی۔ اس نے اپنا ہاتھ عورت کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ ایک بزرگ نے ظاہر ہو کر اس کے منہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ شیخ کی خدمت میں توبہ کے لیے جا رہا ہے اور یہ حرکت۔ اس کے بعد اس نے وہ گاڑی چھوڑ دی اور پیدل چلنے لگا۔ جب حضرتِ اقدس کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے دیکھتے ہی فرمایا کہ تجھے خدا تعالےٰ نے اپنے فضل و کرم سے بچا لیا ہے۔

درویشوں کی گستاخی اور سزا: ایک دفعہ حضرتِ اقدس کی خدمت میں پانچ درویش آئے۔ وہ بہت ہی بدمزاج اور بدتمیز تھے۔ اور حضرتِ اقدس کی خدمت میں کہنے لگے کہ ہم نے زمانہ دیکھا ہے لیکن کوئی درویش نظر نہیں آیا۔ دعویدار تو بہت ہیں۔ لیکن درویش کوئی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا، درویشو تھوڑی دیر یہاں بیٹھو میں آپ کو درویش دکھاؤں گا۔ آپ نے کھانا بھی پیش کیا۔ لیکن وہ چلے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم جا تو رہے ہو لیکن آباد راستے سے جانا جنگل کی طرف نہ جانا، لیکن انہوں نے پرواہ نہ کی اور جنگل کے راستے چل دیئے۔ حضرتِ اقدس نے

ان کے پیچھے ایک آدمی بھی بھیجا کہ ان کو خطرناک راستے سے باز رکھے، لیکن وہ اسی راستے سے چلے گئے۔ جب آپ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ بہت روئے اور فرمایا انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ اس کے بعد خبر آئی کہ ان پانچوں آدمیوں کو لو لگ گئی اور ایک ساتھ مر گئے۔

ایک درویش کی گستاخی اور سزا:

مراۃ الاسرار میں لکھا ہے کہ حضرتِ اقدس کی خدمت میں ایک درویش آیا۔ آپ نے اسے کھانا دیا۔ کھانا کھا کر جانے لگا تو حضرتِ اقدس کی کنگھی بستر پر پڑی دیکھ کر کہنے لگا یہ کنگھی مجھے دے دیں۔ آپ کو مجھ سے بہت برکت حاصل ہوگی۔ آپ نے تنگ آکر فرمایا کہ میں نے تجھے اور تیری برکت کو پانی میں غرق کر دیا اس کے بعد وہ چلا گیا اور راستے میں ایک دریا تھا۔ وہ کپڑے اتار کر دریا میں نہانے کے لیے پانی میں گیا تو پھر واپس نہ آیا۔

آپ پر سانپ کی زہر کا اثر نہ ہوا:

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ کی انگلی پر سانپ نے ڈس لیا۔ لیکن آپ نے کوئی علاج نہ کیا اور حق میں مشغول رہے۔ مشغولی کے غلبہ میں جب آپ کے جسم سے پسینہ رواں ہوا تو زہر کا اثر بھی جاتا رہا۔

حضرت سلطان المشائخ پر بھی سانپ کا اثر نہ ہوا:

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ اجودھن جاتے وقت راستے میں حضرت سلطان المشائخ کو سانپ نے ڈس لیا۔ لیکن حضرت کی توجہ سے اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

حضرت گنجشکرؒ کی سب سے بڑی کرامت:

حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ قدس سرہٗ کی سب سے بڑی کرامت آپ کی عظیم نسبت جاریہ ہے جس کی بدولت آپ کا سلسلۂ رشد و ہدایت سات سو سال سے جاری ہے اور بفضلہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گا۔ بعض مشائخ متقدمین کے سلاسل رشد و ہدایت مرورِ زمانہ کی وجہ سے ختم ہو گئے ہیں۔ البتہ مزارات پر حاضری

دینے والوں کو فیضان ضرور ملتا ہے۔ لیکن حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کا فیضان بھی جاری ہے اور نسبت رشد وہدایت بھی اسی آن بان سے جاری ہے جس طرح پہلے تھی۔ اور آپ کے خلفاء کے خلفاء اور خلفاء در خلفاء آج بھی آپ کی مسند پر بیٹھ کر خلق خدا کی ہدایت میں مشغول ہیں۔ آپ کے سلسلۂ طریقت کو نہ صرف برصغیر پاک وہند میں عظیم الشان کامیابی نصیب ہوئی۔ بلکہ ایران، افغانستان، ترکی، عرب، مصر اور فلسطین میں بھی آپ کے خلفاء پہنچ گئے اور سلسلۂ عالیہ چشتیہ کو اطراف عالم میں پھیلا دیا اور یہ عظیم الشان کامیابی حضرتِ اقدس کے دو نامور خلفاء یعنی مخدوم علی احمد صابر اور حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی قدس اسرارہم کے ذریعہ ہوئی۔ حضرت مخدوم صابر قدس سرہٗ کے بلند مقام کا اندازہ صرف اس ایک بات سے ہو سکتا ہے کہ جب آپ کا ایک خادم حضرت مخدوم صابرؒ سے مل کر اجودھن واپس آیا تو آپ نے اس سے حضرت مخدوم صاحب کا حال پوچھا اور یہ بھی دریافت کیا کہ حضرت مخدوم نے میرے متعلق بھی کچھ کہا تھا۔ خادم نے کہا کہ حضرت مخدوم صاحب نے پوچھا تھا کہ میرے شیخ کا کیا حال ہے۔ جونہی خادم نے یہ بات کہی حضرت شیخ نے نعرہ لگایا اور فرمایا، آج میرا صابر جس مقام پر ہے اس کی زبان سے یہی الفاظ بھی نکل جائیں، تو بڑی بات ہے۔ حضرت مخدوم صابر کے کمال کی دوسری علامت یہ ہے کہ جب خلافت دے کر حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ نے آپ کو رخصت فرمایا تو زبانِ مبارک سے یہ الفاظ فرمائے:

"اے صابر برو بھو گیا خواہی کرد یعنی ترا عیش خواہد گزشت الغرض تا آخر عمر شیخ علی صابرؒ را عیشے خوش گزشت و او مردِ خوش باش و کشادہ ابرو بود علیہ رحمۃ۔"[1]

(یعنی اے صابر جاؤ تم مزے کرو گے یعنی عیش سے رہو گے، چنانچہ آخر عمر تک شیخ علی صابرؒ عیش میں رہے۔ آپ خوش باش اور کشادہ پیشانی تھے۔")

کتاب اقتباس الانوار کے مصنف لکھتے ہیں کہ مندرجہ بالا عبارت سیر الاولیاء

کی ہے جو خاندانِ چشت کی معتبر کتاب اور دستور العمل ہے ۔اس مختصر لیکن جامع کلمہ یعنی "بھو گہا خواہی کرد" میں حضرت گنجشکرؒ نے ایسے حقائق و رموز بھر دیئے ہیں کہ بیان سے باہر ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ "بھو گہا" سے مراد راحتِ دنیا و آخرت ہے تو بھی درست ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس سے مراد راحتِ تجلیاتِ جمال و جلال ہیں جن کے گوناگوں مظاہر سالک پر وارد ہوتے ہیں تو بھی دُرست ہے ۔ اگر یہ سمجھا جائے کہ اس سے مراد احتمالے قرب و بُعدِ حق ہے جو عین مشاہدۂ حضور کے وقت عارف پر وارد ہوتی ہیں۔ جن کی وجہ سے کبھی وہ لذتِ عتاب میں غرق ہوتا ہے اور کبھی شوقِ خطاب میں بجلی کی طرح چمکتی ہیں۔ یہ اس سے بھی زیادہ صحیح ہے۔ کسی بزرگ نے خوب کہا ؎

مسکین دلم چرا نشود خراب
گہہ زد گہہ کرشمہ و گہہ لطف و گہہ عتاب

لیکن اس جماعتِ صوفیا کے نزدیک بہترین راحت تحیّر ہے جو عارف کامل کو فنائے توحید کے وقت پیش آتا ہے۔ یعنی ذاتِ مطلق میں اس قدر محو ہو جاتا ہے کہ اپنے آپ ۔ جس قدر تلاش کرتا ہے نہیں پاتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے کہ رَبِّ زِدْنِی تَحَیُّرًا" (اے میرے مولا میرے تحیّر میں اضافہ کر) کسی نے خوب کہا ہے ؎

منم تا سر و پا جملہ تحیّر
تحیّر ہم تحیّر در تحیّر

حضرت مخدوم صابر کے مقام کا اس بات سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ رخصت کے وقت آپ کو تو فرمایا کہ "برو بھو گہا خواہی کرد" لیکن جب سلطان المشائخ کو رخصت فرمایا تو حکم دیا کہ دہلی پہنچ کر مجاہدہ میں مشغول ہو جانا اور قرض نہ لینا۔ تجھے حق تعالیٰ قرض کا محتاج نہیں کرے گا۔ لیکن مخدوم صابرؒ کو ایک بات سے زیادہ نہ فرمائی۔ کیونکہ صوفیانِ باصفا کے ہاں یہ امر مسلّم ہے کہ جب مرید مرتبہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے اور ایمان مشاہدہ حقیقی کہ قربِ حق ہے حاصل ہو جاتا ہے اسے پھر کوئی وصیت نہیں کی جاتی، اس وجہ سے کہ

سلہ سیر الاولیاء

اس پر فنائے احدیت جلوہ گر ہو چکی ہوتی ہے۔

صاحب اقتباس الانوار اس کے بعد آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

"میرے خیال میں "بھو گہا خواہی کرد" جیسے خیر الکلام میں حصول نسبت محبوبیت کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ بھو گہا سے مراد عیش و عشرت ہے جو مقامِ محبوبیت کے لوازمات میں سے ہے۔ . . .

چنانچہ اگر اس لفظ سے جو جمع کا صیغہ ہے دوام شہود کی طرف اشارہ ہے جو حقیقتِ محمدیہ د حقیقتِ ذات بحت ہے تو بھی درست ہے اور اگر حصولِ کمالات نبوت و فنائے حقیقتِ محمدی کی طرف ہو تو بھی درست ہے"۔ ختم ہوا اقتباس الانوار کا بیان۔

حضرت سلطان المشائخ کے کمالات:

سلطان المشائخ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیار قدس سرہ، کے کمالات کا حال بھی اقتباس الانوار کے مصنف سے سن لیجئے۔ آپ لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ گنجشکر رح کے کمالات میں سے اس سے زیادہ کیا کمال ہو سکتا ہے کہ سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیار قدس سرہٗ جیسے آپ کے مرید ہوں جنہوں نے چار دانگ ہندوستان کو اپنے نورِ ولایت سے منور فرمایا اور ایک جہان کو آپ نے ہدایت کا شرف عطا فرمایا حق تعالٰے نے آپ کو سلطان المشائخ کے خطاب سے مشرف فرمایا اور تاجِ کرامت آپ کے سر پر رکھا۔" صاحب اقتباس الانوار آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:

"سلطان المشائخ از جمیع مقامات غوثی۔ قطبی و فردانیت گزشتہ بر مرتبۂ محبوبی رسیدہ بود داقوال و افعال وے جمیع مشائخ را حجت قاطع است۔

(حضرت سلطان المشائخ غوثی قطبی اور فردانیت کے تمام مقامات سے گزر کر مقام محبوبیت پر پہنچ چکے تھے اور آپ کے اقوال و افعال تمام مشائخ کے لیے قطعی حجت ہیں)

یہ ہیں حضرت شیخ الاسلام گنجشکر رح قدس سرہٗ کے دونوں محبوب خلفاء کے مختصر فضائل۔ اگر مکمل فضائل بیان کیے جائیں تو کئی ضخیم کتابیں وجود میں آجائیں گی۔

حصولِ محبوبیت کا واقعہ: حضرت سلطان المشائخ کے مقام محبوبیت کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ جب حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ نے حضرت سلطان المشائخ کے حجرۂ عبادت میں جھانک کر دیکھا، تو آپ کو ایک ایسی حالت میں پایا کہ جس سے شانِ محبوبیت جلوہ گر تھی اور یہ دیکھ کر آپ کو جوش آگیا۔ اور فرمانے لگے کہ خدا تعالےٰ کا شکر ہے کہ آج میرے مرید کو مقام محبوبیت عطا ہو گیا ہے اس حالتِ وجد میں آپ رقص کرنے لگے اور طاق میں ہاتھ ڈال کر کچھ کوڑیاں اٹھائیں اور حاضرین کی طرف پھینکیں جیسا کہ مشائخ کا رقص و وجد میں دستور ہے۔ چنانچہ عرس کے دَوران جو کوڑیوں کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ اس کی اصل یہی واقعہ ہے۔

جنتی دَروازہ: حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ قدس سرہٗ کے کمالات میں سے ایک جنتی دروازہ ہے جو آپ کے فیضِ عام اور لطفِ دوام کی علامت ہے۔ جنتی دروازے کی حقیقت یہ ہے۔ حضرت خواجہ گنجشکرؒ قدس سرہٗ کے وصال کے بعد جب حضرت سلطان المشائخ اجودھن پہنچے تو فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوحانیت نے مجھ سے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ جو شخص اس دروازہ سے گزرے گا جنتی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

مَنْ دَخَلَ هٰذِهِ الْبَابَ اٰمِنَ

یہ حدیث ہے نیز حدیث قدسی ہے، کیونکہ جب اللہ تعالےٰ کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات فرمادیں تو اسے حدیث قدسی کہا جاتا ہے اور چونکہ اس حدیث کے اسناد متصل ہیں اور تمام راوی ثقہ ہیں اس لیے اصول حدیث کی رُو سے یہ حدیث صحیح اور معتبر ہے لیکن اس کے باوجود اس کے متعلق بعض حلقوں میں چہ میگوئیاں سننے میں آتی ہیں قبل اس کے کہ اس حدیث کی صحت کے متعلق بحث کی جائے یہ بتادینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء کرام نے اس حدیث کے دو مفہوم لیے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کا ایک ظاہر اور ایک باطن اور اس باطن کا ایک اور باطن ہے۔ سات بواطن تک۔ اسی طرح احادیث نبویؐ میں بھی قرآن عظیم

کی طرح جامعیت ہوتی ہے اور محدثین و ائمۃ المجتہدین نے ہر حدیث کے کئی مفہوم نکالے ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح اس حدیث کے بھی دو مفہوم ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسرا باطنی ظاہری مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس دروازے سے گزرے گا بہشتی ہے اور باطنی مطلب یہ ہے کہ جو شخص باب طریقت یا سلوک الی اللہ سے گزرے گا۔ قرب و معرفتِ حق سے مشرف ہو گا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کون سا مفہوم صحیح ہے، ظاہری یا باطنی۔ جواب یہ ہے کہ دونوں مفہوم اپنی جگہ پر صحیح ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کی ہر آیت کا ایک ظاہری مطلب ہے اور ایک باطنی۔ ایک روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ مجید کے سات بواطن فرمائے ہیں۔ چنانچہ ایک آیت میں حکم ہے کہ قرآن مجید کو بغیر وضو ہاتھ نہیں لگایا جا سکتا۔ لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ۔ اس آیت کریمہ کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ قرآنِ مجید کو بغیر طہارت نہیں چھوا جا سکتا۔ اور باطنی معنی یہ ہیں کہ جو لوگ مطہر اور گناہوں سے پاک نہیں ہیں وہ حقیقتِ کلام کو سمجھنا اور پالینا تو درکنار اسے مس ہی نہیں کر سکتے۔ اب چونکہ یہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس آیت پاک کے ظاہری معنوں پر بھی عمل کرنا واجب ہے اور باطنی پر بھی۔ یعنی یہ کہنا صحیح ہے کہ جو لوگ باطنی طہارت یعنی زہد و تقویٰ سے خالی ہیں۔ وہ کلام پاک کے معنی اور مطالب کو چھو تک نہیں سکتے۔ نہ اس کی گرد تک پہنچ سکتے ہیں۔

اسی طرح بہشتی دروازہ کے متعلق بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس حدیث کی رُو سے یہ بھی صحیح ہے کہ جو اس دروازے سے گزر جائے بہشتی ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ جو شخص حضرت خواجہ گنجشکر قدس سرہ کے مسلک یعنی طریقت اور سلوک الی اللہ کو طے کرلے وہ بہشتی ہے۔

بہشتی دروازے کا علمی اور شرعی جواز:

اب دوسرا سوال جو کم علم کم فہم لوگ کرتے ہیں یہ ہے کہ ایک گناہ گار یعنی چور ڈاکو زانی کے گناہ کیونکر بہشتی دروازے سے گزرنے کی وجہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔ ایک دفعہ یہی سوال پاکپتن شریف میں عرس کے موقع پر بہاولپور ڈگری کالج کے پرنسپل مولوی ضیاء الدین احمد جو بمبئی میں کمشنر پولیس رہنے کے بعد ریاست بہاولپور کے کمشنر پولیس بھی رہ چکے تھے اور بڑے عالم فاضل تھے حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحؒ کے مرید خلیفہ مولانا

غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور سے کیا۔ یاد رہے کہ حضرت شیخ الجامعہ کا شمار صغیر پاک و ہند کے چوٹی کے پانچ دس علمار کرام میں ہوتا ہے۔ تبحر علمی کے علاوہ آپ صوفی روشن ضمیر بھی تھے۔ اس لیے انہوں نے جو جواب دیا وہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ تاکہ بہشتی دروازے کے علمی و شرعی جواز سے سب حضرات آگاہ ہو جائیں۔

حضرت شیخ الجامعہ نے فرمایا کہ:

پہلی بات تو یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے بہشت میں نہیں جائے گا۔ بلکہ اللہ تعالےٰ کی رحمت اور فضل و کرم سے جائے گا۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے اعمال سے کوئی شخص بہشت میں نہیں جائے گا بلکہ اللہ کی رحمت سے جائے گا۔ یہ سن کر صحابہ کرام نے عرض کیا کہ حضور آپ؟ آپ نے فرمایا میں بھی اپنے اعمال کی بدولت نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کی رحمت سے بہشت میں جاؤں گا۔ جب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم جن کی خاطر ساری کائنات وجود میں آئی ہے کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالےٰ کی مہربانی کے بغیر بہشت میں نہیں جا سکتے تو پھر ہمارے تمہارے اعمال کی کیا حیثیت ہے کہ ہم ان کی بدولت بہشت میں جا سکیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ حق تعالےٰ کی عظمت شان اور کبریائی کا یہ عالم ہے کہ آدمی اس کی جس قدر عبادت کرے اس کی عظمت کے سامنے ہیچ ہے۔ کیونکہ اس سے نہ ذات باری کی عظمت کا حق ادا ہو سکتا ہے نہ شانِ کبریائی کا یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دن میں ستر بار استغفار پڑھا کرتے تھے۔ حالانکہ آپ معصوم تھے۔ نیز آپ اکثر یہ مناجات کیا کرتے تھے۔ یَا وَهَّابُ سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ مَا ذَكَرْنَاكَ حَقَّ ذِكْرِكَ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ مَا شَكَرْنَاكَ حَقَّ شُكْرِكَ اے احسانِ عظیم کرنے والی پاک ذات تو اس قدر بلند و برتر ہے کہ نہ ہم تیری عظمت کے مطابق تیری عبادت کا حق ادا کر سکتے ہیں نہ تیرے کمالات کے مطابق تیرے ذکر کا حق ادا کر سکتے ہیں نہ تیری رحمت کے مطابق تیرا شکر ادا کر سکتے ہیں، جب سرور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ معترف ہیں کہ ان کے سمیت کوئی شخص حق عبادت ادا نہیں کر سکتا تو یہی بات ثابت ہوئی کہ ہر شخص حق تعالےٰ کے فضل و کرم سے بہشت میں

جائے گا اپنے اعمال کی بدولت نہیں جائے گا۔ کیونکہ ہمارے اعمال اس قابل ہی نہیں ہیں کہ ہمیں بہشت میں پہنچا سکیں۔ تو یہ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ نیک اعمال کے بغیر بہشتی دروازے سے گزرنے والا کیسے بہشتی ہو سکتا ہے۔" حضرت شیخ الجامعؒ نے فرمایا:

دوسری بات یہ ہے کہ آیا یہ حدیث بہشتی دروازے پر لکھی ہوئی ہے صحیح ہے یا نہیں؟" علم حدیث کے ماہرین نے جن کو عرفِ عام میں محدثین کہا جاتا ہے۔ صحت حدیث کے متعلق اصول مقرر کیے ہیں، اور ان اصولوں کے مطابق جس حدیث کا سلسلۂ اسناد متصل اور معتبر ہوتا ہے۔ اسے حدیث صحیح قرار دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اس حدیث کا سلسلۂ اسناد بھی اصولِ حدیث کے مطابق بالکل صحیح اور معتبر ہے۔ مثلاً میرے حضرت شاہ مہر علی گولڑوی نے مجھے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے شیخ حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ سے سنا اور انہوں نے اپنے شیخ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ سے سنا۔ انہوں نے اپنے شیخ حضرت فخر الدین دہلویؒ سے سنا۔ انہوں نے اپنے شیخ سے اور انہوں نے اپنے شیخ اور سلسلۂ اسناد حضرت شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ پر ختم ہوتا ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس دروازے سے گزرے گا بہشتی ہے۔ اب ان راویوں میں سے کوئی راوی ایسا نہیں ہے جو غیر معتبر اور غیر ثقہ ہو۔ اس لیے اصولِ حدیث کی رو سے یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ اب جو حدیث صحیح ہو اس میں شک کرنا ضلالت اور گمراہی ہے۔ عین اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص حج کرے اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ نیز فرمایا جو شخص حجرِ اسود کو بوسہ دے اُس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ نیز فرمایا جو شخص اپنی زبان سے توبہ کرے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور وہ اس طرح ہوتا ہے کہ گویا اس نے کوئی گناہ ہی نہیں کیا۔ اب آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ حج کرنے، حجرِ اسود کو بوسہ دینے اور زبان سے توبہ کرنے میں کیا تاثیر ہے کہ ساری زندگی کے تمام گناہ یک قلم معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ رحمتِ حق ہے کہ ہماری بخشش کے لیے اس نے اتنے دروازے کھول دیتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

رحمتِ حق بہانہ مے جوید

(اللہ تعالیٰ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے)

چنانچہ یہ بہشتی دروازہ بھی حق تعالےٰ نے ہم گناہ گاروں کے لیے ایک ذریعہ بخشش بنا دیا ہے۔ اگر ہم اس صحیح حدیث کو ہر لحاظ سے تسلیم نہ کریں۔ تو بخشش کی تمام باقی احادیث سے بھی انکار لازم آتا ہے۔ لہٰذا جب حج کرنے، حجرِ اسود کو بوسہ دینے اور توبہ کرنے والی احادیث سے گناہ معاف ہو سکتے ہیں تو اس حدیث کی رُو سے بھی معاف ہو سکتے ہیں اس میں کون سی قباحت ہے۔ حضرت شیخ الجامعہؒ کی یہ دھؤاں دھار تقریر سن کر مولوی ضیاء الدین اور باقی حاضرین عش عش کر رہے تھے اور کسی کو مزید سوال کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

نیز دیکھنے میں بھی یہی آیا ہے کہ جو شخص ایک دفعہ اس بہشتی دروازہ سے گزر کر جاتا ہے اس کے دل میں نورانیت آجاتی ہے اور گناہوں سے باز آکر اچھے اعمال کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ یہ عوام کا حال ہے اور جو حضرات خواص کے زمرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ اس حدیث کے باطنی مفہوم سے بھی مستفیض ہوتے ہیں اور منازل سلوک طے کر کے مقام قربِ معرفت میں جگہ پاتے ہیں۔

غرضیکہ اس حدیث پاک کے دو مفہوم ظاہری و باطنی بیک وقت صحیح ہیں اور تاریخ شاہد ہے کہ پورے ہو رہے ہیں اور قیامت تک بفضلِ تعالےٰ پورے ہوتے رہیں گے۔

جنتی دروازہ فنائیت فی الرسول کا کرشمہ ہے:

یاد رہے کہ حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ کے روضۂ اقدس کے دو دروازے ہیں۔ ایک مشرق کی جانب، دوسرا جنوب کی جانب اور بہشتی دروازہ یہی جنوبی دروازہ ہے۔ موجودہ روضۂ مبارک کی تعمیر حضرت سلطان المشائخ نے کرائی تھی اور عمارت کی ہر اینٹ پر ایک ختمِ قرآن ہوا تھا۔ معترضین حضرات کو یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت بابا صاحبؒ کا یہ جنتی دروازہ کوئی عجوبۂ روزگار نہیں ہے۔ بلکہ دنیائے اسلام میں اور مقامات بھی ہیں جن کے متعلق یہ بشارت موجود ہے۔ کتاب تکملۃ الریاحین میں لکھا ہے کہ حضرت غوث الاعظمؒ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا ہے کہ جو مسلمان میری مسجد اور خانقاہ میں داخل ہوگا، اس پر عذاب قیامت نہ ہوگا۔ نیز چونکہ حضرت گنجشکرؒ کو حقیقتِ محمدیہ میں غایت درجہ کی فنا حاصل تھی، حتیٰ کہ آپ کا لقب بھی زہد الانبیاء ہے، اس مناسبت کی وجہ سے جو خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے روضۂ اطہر کی ہے، اس کا کچھ شائبہ حضرت خواجہ گنجشکرؒ کے روضۂ مبارک میں بھی ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبویؐ کے محراب اور روضۂ اطہر کی درمیانی زمین کے متعلق فرمایا ہے کہ:-

روضة مِن ریاضِ الجنّة

(یہ ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے)

یہی کچھ حضرت گنجشکرؒ کے روضۂ مقدس کے متعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من دخل ھٰذہ الباب آمن۔

معترض کو یہ بھی جاننا چاہیے کہ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے متعلق بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی الفاظ فرمائے ہیں کہ۔

من قال لا الٰہ الا اللہ آمن،

(جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ بہشتی ہے)

اب آپ خود قیاس فرما سکتے ہیں، جس طرح ایک گنہگار آدمی بلکہ کافر مشرک بھی کلمہ طیبہ پڑھ کر فوراً گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح رسول اکرمؐ کے قول کے مطابق جو شخص جنتی دروازہ سے گزرتا ہے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ بس بات وہی ہے۔ "رحمتِ حق بہانہ مے جوید" (اللہ تعالیٰ کی رحمت بہانہ ڈھونڈتی ہے)

پانچواں باب

مراسم عرس

تاریخہائے عرس: یہ تو پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ قدس سرہٗ کا وصال ۵ محرم کو ہوا لیکن عرس ۲۵ ذوالحجہ سے شروع ہو جاتا ہے اور ۱۰ محرم تک جاری رہتا ہے، یعنی کل پندرہ دن عرس رہتا ہے۔ عرس کی اس طویل مدت کی وجہ یہ ہے کہ حضرت اقدس کا سلسلہ بہت وسیع ہے اور لاکھوں آدمی عرس پر حاضر ہوتے ہیں۔ اگر عرس کے ایام کم ہوتے تو بیک وقت ساری خلقت کہاں سما سکتی تھی۔

رسومات کا باطن: جس طرح ہر دربار پر اس کے تاریخی پس منظر کے مطابق مختلف قسم کی رسومات انجام دی جاتی ہیں، حضرت خواجہ گنجشکرؒ قدس سرہٗ کے دربار پر بھی اس کے مخصوص تاریخی پس منظر کے پیش نظر قدیم الایام سے رسومات کا ایک دستور العمل چلا آتا ہے جن کی ادائیگی میں خاص برکات کا نزول ہوتا ہے جن کا احساس اہلِ نظر کو خاص طور پر ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ جو رسومات ظاہری طور پر دربارِ عالیہ میں ادا کی جاتی ہیں وہ دراصل عکس ہیں ان رسومات کا جو عالمِ بطون میں ادا کی جاتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ خاصانِ خدا اور محبوبانِ بارگاہ کا اس جہاں سے کوچ کر جانا معمولی بات نہیں ہوتی، بلکہ ان کا یومِ وفات یومِ وصال ہوتا ہے، جب محبوب محبوب سے جا ملتا ہے۔ حدیث شریف میں یومِ وصال کو یومِ عرس کا نام دیا گیا ہے۔ بمصداق حدیث نَمْ کَنَوْمَةِ الْعَرُوس اور حبیب اولیاء کرام اس جہانِ فانی سے رحلت فرما کر محبوبِ حقیقی سے جا ملتے ہیں تو عالمِ بالا میں اس تقریب کی خوشی منائی جاتی ہے اور خاص فیوض و برکات کا نزول ہوتا ہے۔

جس سے ہر آنے والا مستفیض ہوتا ہے اور یہ بھی عالمِ بالا کا دستور ہے کہ ہر سال یوم وصال کی تقریب اسی شان و شوکت سے منائی جاتی ہے اور ہر سال انوار و برکات کی بارش ہوتی ہے۔ ویسے تو مزارات پر ہر وقت انوار کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ لیکن عرس کے ایام میں خاص اہتمام سے انوار و برکات کا نزول ہوتا ہے اور اس چیز کا مشاہدہ عرس کے دنوں میں ہر خاص و عام کو حسب استعداد ہوتا ہے، لیکن خواص کو زیادہ ہوتا ہے اور رسومات کی انجام دہی میں بھی خاص انوار و برکات کا نزول ہوتا ہے۔ کیونکہ یہی رسومات عالمِ بطون میں بھی بیک وقت ادا ہو رہی ہوتی ہیں۔ اب جو شخص اس کا انکار کرے، اس کو چاہیے کہ پہلے آنکھیں پیدا کرے اور پھر ان چیزوں کا مشاہدہ خود کر لے گا۔

صبح کی محفل: چنانچہ عرس مبارک حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رسومات کا آغاز ۲۵ ذوالحجہ کو ہوتا ہے اور صبح کے وقت پہلے محفل سماع ہوتی ہے جس میں صوفیاء باصفا شامل ہو کر صاحبِ مزار کے فیوض و برکات سے متمتع ہوتے ہیں خدا اور رسولؐ کی حمد و ثنا میں اولیاء کرامؒ کا کلام قوال پیش کرتے ہیں اور تڑپتے ہوئے روحوں کو ان کی غذا کا سامان مہیا ہوتا ہے۔ یہ محفل سماع تقریباً چار گھنٹے جاری رہتی ہے۔ اس اثناء میں حضرت دیوان صاحب مدظلہ، درویشوں کے ہمراہ دربارِ عالیہ میں تشریف لاتے ہیں اور روضہ مبارک کے اندر جا کر فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ اور چند حفاظ صاحبان کلام پاک میں سے تلاوت کرتے ہیں اور سلسلۂ عالیہ چشتیہ کا شجرہ شریف پڑھا جاتا ہے اور حاضرین کے لیے دعائے خیر مانگی جاتی ہے۔ اس کے بعد حضرت دیوان صاحب شکر تقسیم فرماتے ہیں۔ اس سے فارغ ہو کر حضرت دیوان صاحب روضہ مبارک سے باہر تشریف لاتے ہیں اور حضرت شیخ علاؤالدینؒ موج دریا قدس سرہ کے روضہ مبارک کے اندر جا کر فاتحہ خوانی کرتے ہیں۔ وہاں سے فارغ ہو کر دالان میں اپنی مخصوص نشست گاہ جس کے گرد کٹہرا لگا ہوا ہے، پر بیٹھ کر فاتحہ خوانی کی رسم ادا کرتے ہیں اور شیرینی و شربت تقسیم فرماتے ہیں۔ اس موقعہ پر میدہ کی روٹیاں اور حلوہ بھی تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس سے فارغ ہو کر حضرت دیوان صاحب دوبارہ روضۂ مبارک کے اندر چلے جاتے ہیں اور مراقبہ میں

مشغول ہوجاتے ہیں۔ ان رسومات کے دوران محفل سماع جاری رہتی ہے۔ صرف قرآن خوانی کے وقت عارضی طور پر بند ہو جاتی ہے۔ اس حاضری کے دوران حضرت دیوان صاحب مزارِ مقدس کی چادر تبدیل کرتے ہیں اور پھول چڑھاتے ہیں۔ کچھ دیر بعد آپ باہر آکر محفل سماع میں شریک ہو جاتے ہیں اور باری باری قوالوں کی چوکیوں سے سماع سننے کے بعد کوئی دوپہر کے وقت حضرت دیوان صاحب واپس تشریف لے جاتے اور محفل سماع ختم ہو جاتی ہے۔ یہ صبح کی مجلس ۲۵ ذوالحجہ سے لے کر ۶ محرم تک جاری رہتی ہے۔

شام کی محفل: یکم محرم سے شام کی محفل شروع ہو جاتی ہے جو ۶ محرم تک جاری رہتی ہے۔ شام کی محفل میں شریک ہونے کے لیے تمام زائرین پہلے ہی سے جمع ہو جاتے ہیں اور عصر کی نماز کے بعد حضرت دیوان صاحب تشریف لاکر اسی نشست خاص پر جلوس فرماتے ہیں اور فاتحہ خوانی ہوتی ہے۔ یہ مجلس دراصل حضرت سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی قدس سرہٗ کی پہلی حاضری کی یادگار ہے۔ جو آپ نے حضرت شیخ الاسلام گنجشکرؒ قدس سرہٗ کے وصال کے بعد پاکپتن شریف آکر پر دی تھی اور آپ پر وجد کی حالت طاری ہو گئی۔

حضرت محبوبِ الٰہی نے حضرت شیخ کے پہلے عرس پر جو شرکت فرمائی اور جو کلام قوالوں نے پیش کیا تھا وہی کلام اب بھی پیش کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے قوال حضرت محبوبِ الٰہی کا وہ نوحہ پیش کرتے ہیں جو وصالِ شیخ کے بعد پہلی حاضری میں آپ کے منہ سے نکلا تھا۔ یہ کلام ہندی زبان میں ہے اور سوز و گداز میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہ اشعار قوالوں کے پاس سینہ بہ سینہ چلے آتے ہیں اور اس موقعہ پر اسی مخصوص انداز میں وہ پیش کرتے ہیں اور انوار و برکات کی خوب بارش ہوتی ہے۔ اس کے بعد کوڑیاں نچھاور کی جاتی ہیں اور پھر قوال حضرت مولانا احمد جامؒ کی وہی غزل پیش کرتے ہیں جس میں حضرت خواجہ قطب الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تھا۔ غزل یہ ہے:

منزلِ عشق از جہاں دیگر است — مردِ معنی را نشان دیگر است

عاشقانِ خواجگانِ چشت را — از قدم تا سر نشان دیگر است

آں فقیراں کہ ایں رہ مے روند — ہر یکے صاحب قرآن دیگر است

دل چہ بندی در جہانِ بے وفا | کیں جہاں را ہم جہانِ دیگر است
عشق را در مدرسۂ تعلیم نیست | کیں چنیں علم از زبانِ دیگر است
عقل داند کایں رمز از کجا است | کیں جماعت را بیانِ دیگر است
در دلِ ویرانِ ہر بیچارۂ | شاہ را گنج نہانے دیگر است
دل خورد زخم و ز دیدہ خوں چکد | کیں چنیں شست از کمانِ دیگر است
کشتگانِ خنجرِ تسلیم را | ہر زماں از غیب جانِ دیگر است
ساقیا خونِ جگر در کاسہ کن | کیں شراب از خم خانِ دیگر است
بر سرِ بازار صرافانِ عشق | زیر ہر دارے جوانِ دیگر است
در بیابانِ وصالش روز و شب | زیر سنگِ کاروانِ دیگر است

احمدا تا گم نگر دی ہوشدار
ایں جرس از کاروانِ دیگر است

اس غزل کا دوسرا شعر حضرت مولانا احمد جام نے اس وقت کہا جب آپ نے حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی قدس سرہٗ سے اس وقت ملاقات کی جب آپ خورد سالہ تھے۔ لیکن ولایت کی آن بان مشائخ کہنہ مشق کی سی پائی۔ تو فوراً چلا اُٹھے ؎

عاشقانِ خواجگانِ چشت را | از قدم تا سر نشانِ دیگر است

اس کے بعد حضرت خواجہ گنجشکرؒ کا اپنا کلام پیش کیا جاتا ہے جو یہ ہے:

من نیم واللہ یاران من نیم | جانِ جانم ہر ہرم تن نیم
نورِ نورم نورِ نورم نورِ نور | من چراغ و پنبہ و روغن نیم
نور پاکم آمدہ در مشتِ خاک | کور چشماں را دمے روشن نیم
من ولیم من علیم من نبیؐ | جم نیم رستم نیم بہمن نیم
او ست اندر سرِ من ظاہر شدہ | من نیم مسعود واللہ من نیم

اس غزل کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت بابا صاحب کا کلام نہیں ہے بلکہ خواجہ مسعود بک کا ہے جو حضرت محبوب الٰہی قدس سرہٗ کے پیش امام کے فرزند اور

حضرت سلطان المشائخ کے مرید و خلیفہ تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس کے بعد قوال مل کر ایک ہندی کی خاص چیز روضہ مبارک کے دروازہ پر جا کر گاتے ہیں جو بہت ہی پُر کیف ہے۔ اس ساری تقریب کے دوران فیوض و برکات کی اس قدر بارش رہتی ہے کہ ہر خاص و عام محسوس کرتا ہے۔ لیکن جو خاص اور خاص الخاص ہیں وہ جانتے ہیں کہ انوار و برکات کے فوارے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ شام کی یہ مجلس یکم محرم سے ۶ محرم تک جاری رہتی ہے۔

جنّتی دروازہ کا افتتاح: ۶ محرم کی رات کو بعد نماز عشاء جنتی دروازہ کا افتتاح ہوتا ہے۔ یہ عرس کی آخری اور خاص تقریب ہے۔ جس میں لاکھوں مسلمان شرکت کرتے ہیں۔ حکومت کی طرف سے اس موقع پر خاص انتظام ہوتا ہے اور جا بجا پولیس کھڑی کر دی جاتی ہے تاکہ ہجوم کی وجہ سے لوگوں کو تکلیف نہ ہو پھر بھی ہجوم اس قدر ہوتا ہے کہ پولیس تھک جاتی ہے اور انسانوں کا سیلاب تھمنے میں نہیں آتا۔ عشاء کی نماز کے بعد حضرت دیوان صاحب جلوس کی صورت میں تشریف لاتے ہیں اور جنتی دروازہ کھولنے سے پہلے محفل سماع میں شرکت فرماتے ہیں۔ یہ محفل پائنتی کے دالان میں کھڑے کھڑے قائم رہتی ہے۔ اور قوال کھڑے ہوئے پہلے مولانا جامیؒ کی یہ غزل گاتے ہیں ؎

بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست
بے نشان است کزو نام نشان چیزے نیست

چند محجوب نشینی بگمان دگراں
خیمہ در کوئے یقین زن کہ گماں چیزے نیست

ہستی تست حجاب تو وگرنہ پیدا است
کہ بجز دوست دریں پردہ نہاں چیزے نیست

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامیؔ
کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اس کے بعد اس مجلس میں حضرت امیر خسرو کا پُر کیف کلام اسی مخصوص قدیمی رنگ میں پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے عاشقوں کے دلوں پر چھریاں چلنے لگتی ہیں۔

کلام یہ ہے:

ہوں بیراگن شام کی کوئی پیا بتلاوے
جانی وے گھڑیالیا متاں گھڑیا بجاوے

آج ملاوا ہو لال سے متاں رین گھٹاوے
سرپر مٹکی دودھ کی سوہنی تلک سہاوے
بالم آگئے بالم آگئے

ارے ارے ندیا کنارے بالم آگئے
آپ تو پار گئے ارے ارے ہم ہے اُروارے

بالم آگئے بالم آگئے

گوری سووئے سیج پر مکھ پر ڈالے کیس
چل خسرو گھر آپنے سانجھ بھئی چودیس

بالم آگئے بالم آگئے

اس کے بعد تالیوں اور گولوں کی گونج میں حضرت دیوان صاحب آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ سے بہشتی دروازہ کھولتے ہیں۔ پہلے خود داخل ہوتے ہیں اور پھر دیگر سجادہ نشین صاحبان اور معزز حضرات جنتی دروازے سے گزر کر مشرقی دروازے سے باہر چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد عوام کا داخلہ شروع ہوتا ہے اور بابا فریدؒ کے لاکھوں پروانے فرید فرید کے نعرے لگاتے ہوئے جنتی دروازے میں داخل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سماں رات بھر رہتا ہے۔

دروازے کے افتتاح کے فوراً بعد حضرت دیوان صاحب ایک آٹھ فٹ بلند لکڑی کے چبوترے پر کھڑے ہو کر قلاوہ تقسیم فرماتے ہیں۔ یہ رسم بھی پُر کیف ہوتی ہے اور انوار و برکات کی بارش رہتی ہے۔

اسی طرح جنتی دروازہ دس محرم کی رات تک کھلا رکھا جاتا ہے اور گیارہ کو بند ہوتا ہے۔

غسل کی رسم: دس محرم کی صبح کے وقت مزار شریف کے پورے احاطہ اور روضہ مبارک کو غسل دیا جاتا ہے اور مزار شریف پر صندل لگایا جاتا ہے۔ صندل خشک ہونے پر حضرت دیوان صاحب روضۂ اقدس پر آتے ہیں اور تقریب میں شرکت فرما کر روضہ شریف کے اندر تشریف لے جاتے ہیں اور بعد فراغت تجالی برج پر جاکر معززین کے ساتھ کھانا تناول فرماتے ہیں۔ یہ رسومات صدیوں سے جاری ہیں اور انشاء اللہ تا قیامت یونہی جاری وساری رہیں گی

الٰہی تا بود خورشید و ماہی — چراغ چشتیاں را روشنائی
اگر گیتی سراسر باد گیرد — چراغ چشتیاں ہرگز نہ میرد

آداب حاضری: ہمارے شیخ علیہ رحمۃ فرمایا کرتے تھے۔ روضہ مبارک کے اندر بار بار نہیں جانا چاہیے بلکہ دن میں دو بار جانا چاہیے۔ ایک صبح ایک شام۔ نیز دربار اقدس کے اندر چلتے پھرتے وہی آداب ملحوظ رکھنے چاہییں جو زندہ بادشاہوں کے دربار میں ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔ حضرت اقدس یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ لوگ دور دراز کے علاقوں سے آتے ہیں لیکن دربار میں جاکر تلاوت اور نوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ کام گھر پر بھی کر سکتے ہیں۔ دربار میں اس چیز کو مضبوط پکڑنا چاہیے جو گھر پر نہیں ہے یعنی ہمہ تن صاحب مزار کی طرف متوجہ رہنا چاہیے۔ نیز دربار میں ٹیک لگا کر بیٹھنا، آپس میں بات چیت کرنا، کھانا، پینا، ہنسی مذاق سب ترک کر دینا چاہیے۔ جب روضہ مبارک کے اندر جائے تو السلام علیکم کہہ کر مزار مبارک کی غربی طرف کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھے یعنی پہلے ایک فاتحہ اپنے پیر کی طرف سے پڑھے اور دوسری فاتحہ اپنی طرف سے۔ اس سے صاحب مزار کے ساتھ اس کا تعارف ہو جاتا ہے اور جو فیضان ملتا ہے۔ پیر کے ذریعے ملتا ہے اور اس میں سے پیر جس قدر مناسب سمجھتے ہیں دیں گے باقی اس وقت دیں گے جب استعداد بڑھ جائے گی۔ قرآن مجید کا تحفہ اہل مزار کے لیے بہترین تحفہ ہوتا ہے۔ اس لیے قرآن مجید کی جس قدر آیات پڑھ سکے۔ اس کا ثواب صاحب مزار کی روح کو کرے۔ مختصر فاتحہ یہ ہے کہ بارہ دفعہ سورہ اخلاص، ایک دفعہ سورہ فلق، ایک دفعہ سورہ ناس اور ایک دفعہ سورہ فاتحہ پڑھ کر ہاتھ اٹھائے اور یہ کہے کہ الٰہی میں نے جو کچھ پڑھا ہے۔ اس کے خیر و برکات صاحب مزار کو پہنچا دے

اور صاحبِ مزار کے خیر و برکات میری روح و جان میں واصل فرما دے۔ اس کے بعد مراقب ہو کر صاحبِ مزار کی روح کی طرف متوجہ ہو جائے اور یہ خیال کرے کہ ان کی روحانیت مجھے فیض دے رہی ہے، باقی سب کچھ ان کی ذات پر چھوڑ دے۔ جس بات کی کمی ہے۔ صاحبِ مزار خود بخود پورا کر دیں گے۔ اسی طرح جتنا وقت ہو سکے مراقب رہنا چاہیے۔ اور اس وقت کو رفتہ رفتہ بڑھانا چاہیے۔ اگر روضۂ اقدس کے اندر ہجوم ہے اور بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے۔ تو کھڑا رہے اور کھڑے ہونے کی گنجائش بھی نہ ہو تو باہر آ کر صحن میں مراقب ہو جائے۔ شروع میں یہ مراقبہ پندرہ بیس منٹ کا ہونا چاہیے اور بعد میں آدھا گھنٹہ، پون گھنٹہ، پورا گھنٹہ یا اس سے زیادہ کر سکتا ہے۔ جب یہ محسوس کرے کہ اب صاحبِ مزار نے توجہ بند کر دی ہے اور یہ بات آسانی سے معلوم ہو جاتی ہے۔ تو دُعا مانگ کر باہر چلا جائے۔ لیکن فوراً مکان کی طرف نہیں چلا جانا چاہیے۔ بلکہ کچھ دیر باہر بیٹھ کر باطنی دنیا سے ظاہری دنیا کی طرف رفتہ رفتہ لوٹ کر اپنے کام کی طرف جانا چاہیے۔

دربار کے اندر یا باہر مشاہدہ حسن سے پرہیز کرے۔ کیونکہ سب لوگ صاحبِ مزار کے مہمان ہوتے ہیں، اور مہمانوں کو تکنا صاحبِ مزار کو بُرا لگتا ہے۔ اگر روضۂ اقدس کے اندر یا باہر یا دربار کے علاقہ میں کوئی خرابی دیکھے یا کسی سے کوئی نازیبا حرکت سرزد ہو رہی ہو مثلاً کوئی ناچ رہا ہے۔ کوئی شور کر رہا ہے یا بات کر رہا ہے تو اس کی مزاحمت نہیں کرنی چاہیے بلکہ اپنے کام سے غرض رکھنی چاہیے۔ وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات دربار میں اس قسم کی نازیبا حرکات میں بھی کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ ایک حکمت تو یہ ہوتی ہے کہ محبوب کے حسین چہرہ پر اس کی زیبائش کو دوبالا کرنے کے لیے کوئی سیاہ تل ہونا چاہیے۔ چنانچہ ملنگوں کا ناچ اور دیوانوں کی سی حرکات تل کا کام دیتے ہیں۔ روایت ہے کہ

> "ایک مرتبہ حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ سے جو بڑے مالدار تھے ان کے ایک دوست نے طنزاً پوچھا۔ کہ اہل اللہ کے لیے مال و دولت کا ہونا کیسے ہے؟ آپ نے جواب دیا اس طرح جیسے حسین چہرہ پر سیاہ تل۔"

دوسری حکمت یہ ہے کہ دربار اقدس میں انوار و برکات کا اس قدر نزول ہوتا ہے کہ

اس کو متوازن (COUNTERACT) کرنے کے لیے بدی کا عنصر ضروری ہوتا ہے۔ ورنہ انوار و برکات سے لوگوں کے دماغ اڑ جائیں اور وہ پاگل ہو جائیں۔

چنانچہ عارفین کا کہنا ہے کہ۔

دنیا میں بدی اور گناہ کا وجود بھی اسی مصلحت کے تحت ہے کہ حق تعالےٰ کی طرف سے اپنی مخلوق پر ہر وقت اس قدر نوازشات اور برکات کا نزول رہتا ہے کہ اگر برائی کا عنصر نہ ہو تو لوگ پاگل ہو جائیں۔ آپ نے نہیں دیکھا کہ جب آفتاب عالم اور آپ کے درمیان سیاہ بادل آجاتا ہے تو کس قدر سکون نصیب ہوتا ہے۔ اس طرح بدی اور گناہ کا وجود رحمت حق کو متوازن و مفید بنانے کے لیے ہوتا ہے۔

آداب حاضری میں سے ایک ادب یہ ہے کہ وہاں کی کسی چیز کو بُرا نہیں کہنا چاہیے نہ کسی آدمی کو نہ کسی کام اور نہ کسی چیز کو۔ کیونکہ اس سے صاحب مزار ناراض ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ حکام اور خدام کی نکتہ چینی بھی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ سب چیزیں اسی خاص حکمت کے تحت ظہور پذیر ہوتی ہیں۔

سب سے ضروری بات ادب کی یہ ہے کہ صاحب مزار کے خاندان کے افراد کو عزت کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے۔ خواہ ان کے اعمال کیسے ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لیے کہ ہم نے صاحب مزار کے اس خون کی عزت کرنی ہے۔ جو خاندان کے افراد کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ نیز جب ہر اس چیز کی مذمت سے پرہیز لازم ہے جو صاحب مزار سے کسی نہ کسی طرح منسوب ہے تو پھر صاحب مزار کی اولاد کو اس کلیہ سے کیوں مستثنیٰ کیا جائے۔ اگر کسی کی بداعمالی کی شکایت ہو تو یہ خیال کرے کہ سب سے بڑا گناہ گار میں خود ہوں۔ اگر اپنے آپ کو اچھا سمجھے گا تو شیطان کی سنت پر عمل کرے گا۔ کیونکہ وہ بھی اپنے آپ کو اچھا کہہ کر برباد ہوا تھا۔

ایک اور بات جو یاد رکھنے کے قابل ہے سالک کو چاہیے کہ جس قدر فیضان صاحب مزار سے ملے اس کی حفاظت کرے اور بات چیت اور ہنسی مذاق میں ضائع نہ کرے۔ بلکہ جب گھر واپس جاتے تو عرس کے دوران اس کو جو لطف ملا ہے اس سے فائدہ اٹھاتا رہے اور اس کے اوپر مزید عمارت تیار کرتا رہے۔ جب گھر پر یہ کام تن دہی سے کرتا

رہے گا۔ اور جب دوسری بار مزار پر آئے گا تو فیضان پہلے سے بھی زیادہ ملے گا۔ کیونکہ فیضان ہمیشہ ہر شخص کو ظرف اور استعداد کے مطابق ملتا ہے۔ جیسے شیر خوار بچے کے لیے پہلے ماں کا دودھ موزوں ہوتا ہے۔ پھر بکری کا دودھ، پھر گائے کا دودھ اور پھر بھینس کا۔ جب جوان ہوجاتا ہے تو پھر گوشت روٹی حلوہ سب کچھ ہضم کر جاتا ہے۔ اسی طرح شروع میں سالک کو بھی وہی کچھ ملتا ہے جسے وہ برداشت کرسکتا ہے۔ لیکن ملتا ضرور ہے اور سب کو ملتا ہے۔ خواہ نیک ہو یا بد۔ بلکہ بعض بد تو ایسے ہوتے ہیں جو شیخ کی نظروں میں نیکوں سے بھی اچھے ہوتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ بد آدمی اس لیے بد بن جاتا ہے کہ اس کے اندر عشق و محبت کا غلبہ نیکوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ نیک لوگ اپنے سے کم تر جذبۂ محبت پر غالب آجاتے ہیں۔ لیکن جن کا جذبۂ عشق و محبت ناقابلِ تسخیر اور ناقابل المغلوب ہوتا ہے تو وہ کنٹرول سے باہر نکل جاتے ہیں اور خلق کی نگاہوں میں بُرے بن جاتے ہیں۔ لیکن اہل اللہ کے نزدیک وہی لوگ زیادہ ترقی کرنے کے قابل ہوتے ہیں کیونکہ ان کے قلوب کے اندر راکٹ کا ایندھن موجود ہوتا ہے اور جب اہل اللہ اس کا کانٹا بدل کر اسے صحیح سمت میں چلاتے ہیں تو وہ اس قدر ترقی کرتے ہیں کہ نیک اور کم جذبۂ محبت والے لوگ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ تو کہنے کا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ خلق کی نگاہوں میں بُرے شمار ہوتے ہیں۔ ان کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ وہ لوگ ایسا خام مال ہوتے ہیں جس کی ملک عشق و مستی میں بے حد مانگ ہے۔ اور اسی خام مال سے آگے چل کر غوث و قطب وجود میں آتے ہیں۔ چنانچہ صاحب مزار کی طرف سے سب کو فیض ملتا ہے، بُروں کو بھی اور اچھوں کو بھی۔ بعض اوقات بُروں کو زیادہ ملتا ہے۔ کیونکہ ان کے اندر استعدادِ عشق زیادہ ہوتی ہے۔

آدابِ حاضری ہی سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ پیٹ بھر کھانا نہ کھائے، خاص طور پر جب روضۂ اقدس پر حاضری کے لیے جائے تو کھانا کم ازکم دو گھنٹے پہلے کھایا ہو۔ کھانا کھا کر فوراً نہیں جانا چاہیے۔ اس سے فیضان حاصل نہیں کر سکے گا۔ فیض ملتا ہے لیکن آدمی اخذ فیض نہیں کر سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ عین دوپہر کے وقت بھی مزارات کی حاضری درست نہیں۔

نصف النہار سے گھنٹہ بھر پہلے جائے یا بعد میں۔
یہ بات بھی آداب حاضری میں شامل ہے کہ پاک وصاف ہو کر جائے۔ غسل کرے تو اچھا ہے کپڑے صاف ہونے چاہیئں۔ اور ہوسکے تو خوشبو لگا کر جائے۔ وضو بہت ضروری ہے اور بے وضو جانا سخت بے ادبی ہے۔ لیکن اخذِ فیضان کے لیے باطنی طہارت سب سے زیادہ ضروری ہے، دل کو گناہوں اور فاسد خیالات سے پاک رکھنا چاہیے۔ دنیاوی حرص وہوا سے سالک کی ترقی رُک جاتی ہے۔ دنیا کمانا بُرا نہیں اچھا ہے۔ لیکن جو چیز بُرائی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا دل کے اندر داخل نہ ہو۔
ایک دفعہ حضرت شیخ بہاؤالدین زکریاؒ ملتانی قدس سرہٗ سے کسی دوست نے طنزاً کہا کہ آپ کے پاس اس قدر مال و دولت ہے کہ گھوڑوں کے کیل بھی سونے کے ہیں۔ آپ نے جواب دیا۔

الحمد للہ در گل است نہ بدل

"یعنی خدا کا شکر ہے کہ سونے کے کیل گِل یعنی مٹی میں ہیں۔ دل میں نہیں"
لیکن دنیا کو نصب العین اور منزل مقصود نہیں بنانا چاہیے۔ مومن کی منزلِ مقصود خدا ہے۔ قرآنِ عظیم ناطق ہے۔

وَاِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا

"مومن کی منزلِ مقصود اللہ ہے۔"
عارف رومیؒ خوب فرما گئے ہیں ؎

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش ونقرہ و فرزند و زن!
آب زیرِ کشتی پستی است
آب در کشتی بلاکِ کشتی است

یعنی وہ دنیا جسے حدیث نے (الدنیاءُ جیفۃٌ وطالبھا کلابٌ) دنیا مُردار ہے اور اس کا طالب کتا ہے، کے مطابق بُرا کہا ہے وہ خدا سے غفلت کا نام ہے۔ نہ کہ مال و دولت اور بیوی بچے۔ دنیا کی مثال پانی کی سی ہے۔ جب پانی کشتی کے نیچے ہوتا ہے تو کشتی

چلتی ہے اور جب پانی کشتی کے اندر چلا جاتا ہے تو کشتی تباہ ہو جاتی ہے۔
اسی طرح دنیا کمانے والے کو چاہیے کہ دنیا کا طالب نہ بنے۔ بلکہ خدا کا طالب رہے۔ اور دنیا کو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ بنالے۔ یہ دنیا اس صورت میں اس کے لیے نہ صرف حلال ہو گی بلکہ رحمت بن جائے گی۔ اگر دنیا دل کے اندر گھر کر گئی تو پھر وہی حشر ہو گا جو اس کشتی کا ہوتا ہے جس کے اندر پانی چلا جاتا ہے۔

اس لیے

مزارات کی حاضری کے وقت دنیاوی خیالات ترک کر کے حرص و ہوا کو دل سے نکال دینا چاہیے اور دل کو پاک و صاف کر کے مراقب ہونا چاہیے۔
جب آپ کسی بادشاہ کو اپنے گھر پر دعوت دیتے ہیں تو پہلے گھر کی صفائی کرتے ہیں اور سب لوگوں کو وہاں سے نکال دیتے ہیں تو تب بادشاہ داخل ہوتا ہے۔ اگر بادشاہ کے علاوہ کوئی آپ کا یار دوست بھی گھر میں موجود ہو گا تو بادشاہ اپنی بے عزتی محسوس کرے گا۔ اس لیے جب خانۂ دل کو یار و اغیار سے خالی کرو گے تو دوست آئیں گے۔ ورنہ نہیں۔
نیز۔ اگر مختلف بزرگوں کے مزارات پر جانے کا ارادہ ہے تو پہلے چھوٹے بزرگ کے مزار پر جائے۔ اس کے بعد بڑے بزرگ کی حاضری دے۔ پہلے بڑے بزرگ کے دربار پر جا کر پھر چھوٹے بزرگ کے دربار پر حاضری دینا۔ بڑے بزرگ کی بے ادبی ہے۔

چھٹا باب

اذکار و مشاغل

اب ہم ان اذکار و مشاغل وغیرہ کی قدرے تفصیل بیان کرتے ہیں جن پر عمل کرکے غوث، قطب، ابدال وجود میں آئے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ:

فضلِ ربّی: حق تعالےٰ تک رسائی کا دارومدار حق تعالےٰ کی عنایت اور لطف و کرم پر ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

لیکن یہ راستہ انسان کے اپنے قدموں سے طے ہوتا ہے۔ جس طرح ہر کام میں محنت کرکے نتائج کو اللہ تعالےٰ پر چھوڑ دیا جاتا ہے، اس کام میں بھی یہی کرنا پڑتا ہے۔

شیخ کامل کی توجہ: دوسری بات یہ ہے کہ شیخ کامل کا ہاتھ ضروری ہے۔

عارف رومیؒ فرماتے ہیں۔

ہیچ مرد خود بخود شیخے نشد
ہیچ آہن خود بخود تیغے نشد

نہ کوئی لوہا خود بخود تلوار بن سکتا ہے نہ کوئی آدمی خود بخود درجہ کمال کو پہنچ سکتا ہے۔ بلکہ شیخ کامل کے قدموں کی خاک بننا پڑتا ہے۔ جیسا کہ عارف رومیؒ نے فرمایا ہے ؎

قال را بگذار مردِ حال شو
پیشِ مردِ کاملے پامال شو

زبانی جمع خرچ ترک کرو اور حال کے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور حال کیسے حاصل ہوتا ہے۔ مردِ کامل کے پاؤں کی خاک بننے سے۔

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ دنیا کا کوئی کام استاد اور رہبر کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ سب سے اہم اور سب سے اعلیٰ کام اس قاعدہ کلیہ سے کیوں مستثنیٰ ہو! جب کہ باقی علوم و فنون اور پیشہ جات میں دیکھی دکھائی چیزوں سے تعلق ہوتا ہے لیکن اس کوچہ میں ہمارا نصب العین وہ ہوتا ہے جو نہ آنکھوں سے دیکھا جا سکے اور نہ کانوں سے سنا جا سکے، نہ ہاتھوں سے پکڑا جا سکے۔

شیخ کامل کا ہاتھ پکڑنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ آپ کی بیماری تشخیص کر کے مناسب دوائی تجویز کرتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ شیخ کامل اپنی طرف سے بھی کچھ دیتے ہیں۔ علماء ظواہر کے طریقۂ ہدایت اور کاملین کے طریقۂ ہدایت میں یہی فرق ہے کہ جہاں علماء ظواہر ہر بیمار کو ایک ہی دوائی پلا دیتے ہیں، شیخ کامل مرض کے مطابق دوائی دیتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ علماء ظواہر بھوکے اور پیاسے کے سامنے شربت اور پلاؤ کے محاسن پر سامعین کو صرف لیکچر پلاتے ہیں۔ جس سے شربت کی خوبیوں سے تو پیاسا بخوبی آگاہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کی پیاس نہیں بجھتی، ان کی خدمت میں پیاسا جاتا ہے اور پیاسا واپس آتا ہے۔ لیکن شیخ کامل پیاسے کے حلق میں شربت ڈال کر اسے اچھی طرح سیراب کر دیتے ہیں۔

لہٰذا ان اذکار و مشاغل کو پڑھ کر خود بخود ان پر عمل نہیں کرنا چاہیے بلکہ شیخ کامل کے زیرِ ہدایت ان پر عمل کرنا چاہیے۔

کیا ہر شخص ولی اللہ بن سکتا ہے:

ایک دفعہ فوج کے ایک بہت بڑے افسر نے راقم الحروف سے پوچھا کہ کیا ہر شخص ولی اللہ بن سکتا ہے؟ ہم نے کہا، ہاں! بن سکتا ہے کیونکہ۔

ولایت کی اقسام:

ولایت کی کئی قسمیں ہیں۔ ولایت عام، ولایت خاص اور ولایت اخص۔ اللہ تبارک و تعالےٰ قرآن عظیم میں فرماتے ہیں۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اللہ تعالےٰ مومنین کا دوست ہے:

اس لحاظ سے ہر مومن مسلمان ولایت کے کسی نہ کسی درجے پر فائز ہوتا ہے۔ کیونکہ ولایت تعلق باللہ کا نام ہے اور یہ تعلق جس قدر مضبوط ہوگا ولایت اسی قدر اعلیٰ و ارفع ہوگی۔

فرض کرو بہت سے لوگ ایک بلند پہاڑ کی چوٹی سر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب پہاڑ کی بلند ترین چوٹی پر پہنچنا تو کسی قسمت والے کو نصیب ہوگا۔ لیکن باقی لوگ کسی نہ کسی بلندی پر تو ضرور پہنچ جائیں گے۔ کوئی ایک میل کی بلندی تک پہنچے گا۔ کوئی دو میل پر، کوئی تین میل پر، غرضیکہ سطح زمین سے تو ہر شخص اوپر ہوگا اور یہی ولایت کے مقامات ہیں۔ جو ہر شخص اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق طے کرتا ہے جب سالک مقام فنافی اللہ تک پہنچ جاتا ہے تو اسے ولایت خاص نصیب ہوتی ہے۔ اس کے بعد تمام بزرگ اپنی استعداد کے مطابق مراتب طے کرتے رہتے ہیں اور یہ ترقی تمام عمر جاری رہتی ہے۔ کیونکہ ذات باری تعالےٰ کی کوئی حد نہیں ہے۔ اس لیے پرواز کی بھی کوئی حد نہیں ہے۔ بلکہ موت کے بعد قیامت تک اور قیامت کے بعد بہشت میں بھی پرواز جاری رہتی ہے۔ جاننا چاہیے کہ ذات باری تعالےٰ کی طرف پرواز یا ترقی ہر نیک کام کرنے سے ہوتی ہے۔ جب آپ نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں، حج کرتے ہیں یا کوئی اور نیکی کا کام کرتے ہیں تو قرب کے مراتب میں ترقی ضرور ہوتی ہے۔ لیکن اس کی رفتار اس قدر کم ہوتی ہے کہ آدمی کو ترقی محسوس نہیں ہوتی اس لیے مزید ریاضت و مجاہدہ اور اذکار و مشاغل کی ضرورت پڑتی ہے۔ تاکہ قلب پر جو زنگ جمع ہو جاتی ہے دھل کر صاف ہو جائے اور روح میں قوت پرواز پیدا ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ان اذکار و مشاغل کی ضرورت نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی قوت اس قدر تیز تھی کہ صحابہ کرام کے کئی منازل آپ کی صورت دیکھ کر طے ہو جاتے تھے۔ آپ سے ہم کلام ہونے اور ہاتھ ملانے سے بھی کئی مراتب طے ہو جاتے تھے۔ لیکن جوں جوں زمانۂ نبوی سے بُعد ہوتا گیا۔ قلوب پر زنگ جمع ہوتا گیا اس لیے مشائخ عظام کو کئی قسم کے اذکار و مشاغل کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ۔

"جب میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ یہاں تک کہ اس کے کان، آنکھیں، ہاتھ، پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ دیکھتا ہے، پکڑتا ہے، چلتا ہے۔"

اس حدیث سے بھی ظاہر ہے کہ قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے زائد عبادت کی ضرورت ہے، نوافل کا مطلب صرف نمازِ نفل پڑھنا نہیں ہے۔ بلکہ نفلی روزے بھی ہوتے ہیں۔ نفلی اذکار بھی ہوتے ہیں۔

ذکر نفی و اثبات: تمام روحانی سلاسل میں ذکرِ نفی و اثبات بڑی اہمیت کا حامل ہے یہ ذکر جہری طریق پر بھی کیا جاتا ہے۔ اور خفی پر بھی۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ میں ذکر نفی و اثبات بارہ سو مرتبہ کیا جاتا ہے۔ جسے ذکر بارہ تسبیح کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس میں دو سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کی ضربیں دل پر ماری جاتی ہیں اور چار سو مرتبہ الا اللہ کی اور چھ سو مرتبہ اللہُ اللہ کی ضربیں پوری قوت کے ساتھ دل پر ماری جاتی ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد قلب زندہ ہو کر خود بخود ذکر کرنے لگتا ہے، بلکہ ذاکر کے تمام جسم میں ذکر سرایت کر جاتا ہے اور سارا جسم ذاکر ہو جاتا ہے اور قلب پر انوارِ الٰہی چمکنے لگتے ہیں۔ یہ ذکر بارہ تسبیح ایک نشست میں کرنا پڑتا ہے۔

ذکر اسمِ ذات: اسم ذات سے مراد اسم مبارک اللہ ہے۔ اس ذکر میں اسم گرامی اللہ اللہُ کی ضربیں دل پر لگائی جاتی ہیں۔ اس کی آخری تعداد چوبیس ہزار یومیہ ہے لیکن اس سے کم بھی کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک ہزار، دو ہزار، چار ہزار، دس ہزار تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ یہ ذکر کئی نشستوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ذکر جہری و ذکر خفی: ذکر جہری اور ذکر خفی میں یہ فرق ہے کہ ذکر جہری آواز کے ساتھ کیا جاتا ہے اور ذکر خفی دل میں کیا جاتا ہے۔ نقشبندی حضرات ذکر خفی پر عمل کرتے ہیں۔ باقی سلاسل میں ذکر جہر سے کیا جاتا ہے۔

نقشبندی طریقہ: نقشبندی طریقہ یہ ہے کہ لطائف میں ذکر اسمِ ذات کیا جاتا ہے لطائف ان روحانی مراکز کا نام ہے جو انسان کے جسم میں اللہ تعالیٰ نے

نے رکھے ہیں۔ یا یوں سمجھ لو کہ ہر لطیفہ روحِ انسانی کے ایک پہلو کا نام ہے۔ کل لطائف چھ ہیں

لطائف ستّہ: ان لطائف کو عرف عام میں لطائف ستہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پہلا لطیفۂ نفس ہے جس کا مقام ناف ہے۔ دوسرا لطیفہ قلب ہے جو بائیں پہلو میں ہے۔ تیسرا لطیفۂ روح جس کا مقام دائیں پہلو میں ہے۔ چوتھا لطیفہ ستر ہے جس کا مقام لطیفۂ قلب اور لطیفہ روح کے درمیان میں ہے۔ پانچواں لطیفۂ خفی ہے جس کا مقام وسط پیشانی ہے۔ چھٹا لطیفۂ اخفیٰ ہے جو ام الدماغ یعنی سر کی چوٹی میں ہے۔

نقشبندی حضرات ذکر اسمِ ذات ان لطائف میں بطریقِ خفی کرتے ہیں، پہلے لطیفۂ نفس سے شروع کرتے ہیں اور سبقاً بعد سبق باقی لطائف میں لے جاتے ہیں۔ لیکن سلسلہ عالیہ چشتیہ، قادریہ اور سہروردیہ میں یہ ذکر بطریق جہر کیا جاتا ہے۔

ذکر پاس انفاس: اس ذکر میں ہر سانس کے ساتھ ذکر اسم ذات یا ذکر نفی اثبات کیا جاتا ہے۔ جب سانس اندر جائے تو اسم مبارک اللہ دل میں کہا جاتا ہے اور جب سانس باہر آئے تو ھُو کہا جاتا ہے۔

اسی طرح نفی اثبات میں پاس انفاس کرنا مقصود ہو تو سانس اندر لیتے وقت اِلَّا اللہ دل میں کہا جاتا ہے اور باہر سانس نکالتے وقت لَا اِلٰہ کہا جاتا ہے۔ اس ذکر سے بھی تزکیہ نفس ہوتا ہے اور انوار الٰہی قلب پر چمکنے لگتے ہیں۔

مشاغل: اذکار کے بعد مشاغل کرائے جاتے ہیں۔ مشاغل جمع ہے لفظ شغل کی۔ مشاغل میں اکثر زبان بند رہتی ہے اور دل ہی دل میں مختلف اسمائے الٰہی کی ضربیں مختلف لطائف پر لگائی جاتی ہیں۔

شغل سہ پایہ: مشائخ چشتیہ اور قادریہ میں یہ شغل بہت اہم ہے۔ کیونکہ اذکار کے بعد جب تزکیہ نفس ہو جاتا ہے اور زمین تیار ہو جاتی ہے تو سالک کو مقام ذات پر لے جانے کے لیے شغل سہ پایہ کرایا جاتا ہے جو بہت ہی مؤثر ہے۔

اس شغل میں اللہُ سمیعٌ، اللہُ بصیرٌ، اللہُ علیمٌ کا ذکر بالترتیب، لطیفۂ نفس، لطیفۂ قلب اور لطیفۂ خفی میں کیا جاتا ہے۔

جس سے سالک کی ذات لاتعین اور احدیت میں رسائی ہو جاتی ہے اور وہ محو اور بے خود ہو جاتا ہے اور یہی مقام فنا فی اللہ ہے چونکہ ذات کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس لیے سالک کی پرواز فی الذات کی بھی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ لیکن ایک خاص مقام پر پہنچکر اُسے مناسب زندگی ادا کرنے کے لیے نیچے واپس آنا پڑتا ہے۔ اس واپس آنے کا سفر نزولی یا سیر نزولی کہتے ہیں۔ جب کہ اوپر جانے کے لیے سفر کو سفر عروجی یا سیر عروجی کہتے ہیں۔ نیز اوپر کی پرواز کو سیر الی اللہ اور نیچے کی پرواز کو سیر من اللہ بھی کہتے ہیں۔

مراقبہ ذات: اشغال کے بعد مراقبات کا درجہ آتا ہے۔ مراقبات کئی قسم کے ہیں۔ لیکن سب سے اونچا مراقبہ، مراقبہ ذات ہے۔ جس میں سارے خیالات چھوڑ کر ذات باری تعالیٰ پر توجہ جمائی جاتی ہے اور یہ خیال جمایا جاتا ہے کہ کائنات میں خدا کے سوا کسی چیز کا وجود نہیں ہے بلکہ سالک کا اپنا وجود بھی نہیں ہے۔ اس مراقبہ کی مداومت سے تمام موجودات گم ہو کر اللہ ہی اللہ باقی رہ جاتے ہیں۔

سُلطان الاذکار: جب ان اذکار و مشاغل کے ذریعے تمام لطائف زندہ ہو کر حق تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو جاتے ہیں تو اس چیز کو سلطان الاذکار کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس میں سب سے زیادہ اہمیت لطیفۂ خفی اور اخفا کو حاصل ہوتی ہے کیونکہ جب یہ لطائف زندہ ہو جاتے ہیں تو اس مقام کو فنا فی اللہ وصل اور قرب کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہی منزل مقصود ہے۔ اس کے علاوہ اور اذکار، مشاغل و مراقبات بے شمار ہیں لیکن سب کے لیے اجازت شیخ کامل ضروری ہے۔ اگر کوئی طالب حق ان اذکار و مشاغل پہ عمل کرنا چاہے تو احقر راقم الحروف سے خط و کتابت یا ملاقات کے ذریعے پوچھ سکتا ہے۔ اگرچہ عام طور پر تربیت دینے والے کی طرف سے اس قسم کا بلاوا نہیں دیا جاتا۔ لیکن چونکہ یہ زمانہ روحانیت کے قحط کا زمانہ ہے اور قحط کے زمانہ میں بھوکے عوام کو کھانا بہم پہنچانے کے لیے خصوصی انتظامات کیے جاتے ہیں۔ لہٰذا راقم الحروف کی یہ دعوت بھی اس قحط سالی میں خصوصی نوعیت کی ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین!

(تتمہ باب اوّل)

پختہ مزارات اور مقبرہ پر اعتراض

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حدیث میں پختہ قبر اور مقبرہ بنانا جائز نہیں۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ جہاں حدیث میں پختہ قبر بنانے کی ممانعت آئی ہے، وہاں پختہ مکان بنانے کی بھی ممانعت آئی ہے۔ اب جو حضرات پختہ مزارات پر اعتراض کرتے ہیں، پہلے ان کو اپنے عالیشان مکانات کی طرف دیکھنا چاہیے۔ جس مصلحت سے پختہ مکانات بنائے جاتے ہیں اُسی مصلحت سے پختہ قبور اور مقبرے بنائے جاتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ پختہ مزارات یا مقبرہ جات اصحاب قبور کے لیے نہیں، بلکہ زائرین کی سہولت اور آرام کے لئے تعمیر کیئے جاتے ہیں، تاکہ سردی، گرمی، آندھی، بارش وغیرہ سے محفوظ رہیں۔

خواتین کے مزارات پر جانے پر اعتراض

بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ احادیث میں خواتین کے لیے زیارتِ قبور کی ممانعت آئی ہے۔ بات یہ ہے کہ شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں اور عورتوں دونوں کو زیارتِ قبور سے منع فرمادیا تھا لیکن کچھ عرصہ کے بعد آپ نے دونوں کو اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ اس کتاب کے شروع میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ کو اپنے بھائی کی قبر پر جانے کے آداب تعلیم فرماتے تھے۔ اس کے بعد عورتیں ہمیشہ قبور پر جاتی رہی ہیں۔

مزارات پر پھول اور چادر چڑھانے پر اعتراض

بعض حضرات مزارات پر پھول اور چادر چڑھانے پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ احادیث میں اس کی ممانعت نہیں ہے۔ اگر کوئی امتناعی حدیث ہو تو ان حضرات سے درخواست ہے کہ مطلع فرمائیں۔ دراصل پھول اور چادر محبت کی علامات ہیں۔ ہمیں اولیاءِ کرام سے محبت اس لیے ہے کہ وہ اللہ کے دوست ہیں۔ وَلی کے معنی دوست کے ہیں۔ اولیاء اس کی جمع ہے اور قرآن عظیم ہی

ہیں ان حضرات کو اولیاء اللہ کا خطاب ملا ہے۔ ہمارے گھر کی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اِنَّ اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھُمْ یحزنون (اللہ کے دستوں کیلیے نہ خوف ہے نہ غم) بعض لوگ کہتے ہیں کہ مزارات پر پھول اور غلاف چڑھانا فضول خرچی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جہاں حضرت عشق خیمہ زن ہوتا ہے وہاں انسان سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ معترض حضرات پہلے اپنے گھروں کی طرف نظر کریں کہ بیوی بچوں کے لیے کس قدر اسراف سے کام لیتے ہیں اور کتنے قیمتی زیورات اور قیمتی لباس تیار کراتے ہیں۔ مزار کا غلاف ان زیورات اور ریشمی ملبوسات کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتا۔

مزارات پر بوسہ دینے پر اعتراض بعض حضرات مزارات پر بوسہ دینے کو ناجائز سمجھتے ہیں، حالانکہ سجدہ کرنا منع ہے، بوسہ دینے کی کہاں ممانعت آئی ہے۔ اگر غیر اللہ کو بوسہ دینا منع ہوتا تو حجر اسود، کعبہ اور غلاف کعبہ اور بیوی بچوں کو بوسہ دینا منع ہوتا۔ کیونکہ یہ بھی غیر اللہ ہیں۔

مزارات کے سامنے سجدہ کرنا۔ البتہ مزارات کے آگے سجدہ کرنا گناہ عظیم بلکہ کفر اور شرک ہے اس کی صریحاً قرآن حکیم اور احادیث میں ممانعت آئی ہے۔ لیکن ہم اکثر مزارات پر جاتے ہیں ہم نے تو کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جو مزارات کو سجدہ کرتا ہو، البتہ جھک کر چوکھٹ اور قبر کو چومتے ضرور ہیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، غیر اللہ کو چومنا کہاں منع ہے۔ آثار سے ثابت ہے کہ بعض صحابۂ کرام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ چوما کرتے تھے۔ حضرت ابوایوب انصاری نے بھی چوما ہے۔ نیز احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ بعض صحابہ کرام فرط محبت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں گر جایا کرتے تھے اور چومتے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع نہ فرمایا اور نہ مشرک کہا۔

اولیاء کرام سے بے ادبی خدا تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص میرے اولیاء کی اہانت کرتا ہے میں اس کے ساتھ اعلان جنگ کرتا ہوں"۔ کس قدر سخت وعید ہے۔ لیکن آجکل بے ادب لوگ ذرا بھر پرواہ نہیں کرتے اور اولیاء اللہ کے خلاف زہر اگلتے رہتے ہیں۔ عقل اور ادب کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو شخص اللہ کا دوست ہے اس سے محبت کرنی چاہیے نہ کہ دشمنی، بغض و عداوت، بلکہ جو لوگ اللہ کے دوستوں سے محبت کرتے ہیں ان سے بھی محبت کرنی چاہیے!

حضرت بابا صاحب کے سجادہ نشین حضرات کے اسماء گرامی

۱ حضرت شیخ بدرالدین سلیمان رح

۲ حضرت شیخ علاؤ الدین موج دریا رح

۳ حضرت شیخ معزالدین شہید رح

۴ حضرت شیخ فضل الدین فضیل رح

۵ حضرت شیخ منور الدین رح

۶ حضرت شیخ نور الدین رح

۷ حضرت شیخ بہاؤ الدین رح

۸ حضرت شیخ احمد

۹ حضرت شیخ عطاء اللہ رح

۱۰ حضرت شیخ محمد رح

۱۱ حضرت شیخ ابراہیم فرید ثانی رح [ل]

۱۲ حضرت شیخ تاج الدین محمود رح

۱۳ حضرت شیخ فیض اللہ رح

۱۴ حضرت شیخ محمد ابراہیم ثانی رح

۱۵ حضرت شیخ محمد ثانی رح

حضرت شیخ محمد اشرف رح

۱۶ حضرت شیخ محمد سعید رح

۱۷ حضرت شیخ محمد یوسف رح

۱۸ حضرت شیخ عبد السبحان رح

۱۹ حضرت شیخ غلام رسول رح

۲۰ حضرت شیخ محمد یار رح

۲۱ حضرت شیخ شرف الدین رح

۲۲ حضرت شیخ اللہ جوایا رح

۲۳ حضرت شیخ سعید محمد رح

حضرت شیخ دیوان غلام قطب الدین صاحب مدظلہ العالی

ل حضرت شیخ ابراہیم فرید رح جو بابا فرید کے نام سے مشہور ہیں۔ بابا گرونانک صاحب کے پیر تھے لیکن بابا گرونانک پر استغراق کا غلبہ ہو گیا تھا۔ بال بڑھ گئے تھے اور اکثر جنگلوں اور ویرانوں میں رہتے تھے اس علاقہ کے ہندو لوگ بابا گرونانک کے مرید ہو گئے اور انہوں نے بھی اپنے گرو کی طرح رہنا سہنا شروع کر دیا۔ اس طرح ایک نئے مذہب کی بنیاد پڑ گئی جو سکھ مذہب کے نام سے موسوم ہے۔ مشہور ہے کہ گرو نانک صاحب بیت اللہ بھی گئے تھے۔ یہ بھی سنا ہے کہ آپ کا ایک پیراہن امرتسر کے دربار میں موجود ہے جس پر بسم اللہ شریف اور کلمہ طیبہ وغیرہ لکھا ہوا ہے۔ حضرت شیخ ابراہیم فرید رح کا کلام "اشلوک فریدی" کے نام سے مشہور ہے۔ سکھوں کی مقدس کتاب "گرنتھ صاحب" میں جابجا درج ہے اور آپ کا تخلص فرید بھی گرنتھ صاحب میں لکھا ہے۔